پاکستان میں اسلامی نظام کا واحد راستہ

(حالیہ الیکشن اور ملکی تاریخ کے تناظر میں)

حقیر بسمل

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

نام کتاب	:	پاکستان میں اسلامی نظام کا واحد راستہ
مصنّف	:	حقیر بسمل
اشاعت	:	مئی 2024ء
صفحات	:	253
تعداد	:	100
قیمت	:	500 روپے

کتاب میں دیا گیا مواد لکھاری کے ذاتی خیالات ہیں!

اسے ہرگز سرکاری رائے یا پالیسی کے طور پر نہ لیا جائے!

فہرست

ترتیب	عنوان	صفحہ نمبر
	باب اول: جمہوریت کی حقیقت	**20**
1	ملوکیت کا دوسرا روپ	21
2	پُر فریب نظام	23
	باب دوم: پاکستان میں جمہوری انتخابات کے مسائل	**26**
1	بین الاقوامی مداخلت	26
2	اداروں کی مداخلت	29
3	سرمایہ داروں کا کھیل	37
4	اہلیت کا معیار	39
5	ووٹر کی حیثیت	42
6	ووٹر کی آزادی	50
7	خواتین کی شمولیت	51
8	وزیر اعظم کا انتخاب	56
	باب سوم: پاکستان میں جمہوری حکومت کے مسائل	**58**
1	بین الاقوامی مداخلت	58
2	حزبِ اختلاف کا منفی کردار	62
3	میڈیا کا منفی کردار	64
4	دیگر مسائل	69

باب چہارم: مذہبی جماعتوں کے لیے مسائل		**70**
1	دین میں عہدے کی طلب ناپسندیدہ	71
2	عالمی طاقتوں کو نامنظور	73
3	ملکی طاقتوں کو نامنظور	78
4	موجودہ نظامِ تعلیم	83
5	میڈیا کا منفی کردار	85
6	عوامی حمایت کا فقدان	88
7	الزام تراشی	89
8	اتحاد کا فقدان	90
باب پنجم: کیا ہماری سمت درست ہے؟		**92**
باب ششم: ناکامی کا اصل ذمہ دار کون؟		**96**
باب ہفتم: درست سمت کا تعین		**102**
1	کلمہ حق کو بغاوت قرار دینا	116
2	حکومتی مفتیان کی منافقت	117
3	چودھریوں اور وڈیروں کا منفی کردار	121
4	مذاکرات سے انکار	121
5	طاقت کا اندھا استعمال	125
6	خوشامدی درباری	126
7	سانحہ کربلا کے اثرات	127

8	حسینیت ویزیدیت	128
باب ہشتم: پاکستان میں اسلامی نظام کا واحد راستہ		**132**
1	گرینڈ اسلامک الائنس	133
2	امیر کا انتخاب	135
3	مجلسِ شوریٰ کا قیام	137
4	بیعت و تشکیل	138
5	اسلامی اتحاد کے اہم نکات	144
	1) مقصد	144
	2) انسانی حاکمیت کے بجائے خلافت	145
	3) ملکیت کے بجائے امانت	145
	4) کامل معاشرتی مساوات	147
	5) عدل وانصاف کا قیام	147
	6) پارلیمنٹ اور اسمبلیوں کا معیار	148
	7) شرعی اداروں کو مؤثر بنانا	149
	8) فتویٰ اور اجتہاد کا حق	149
	9) علماء کی تنخواہیں	150
	10) آزادیٔ اظہارِ رائے کی وضاحت	150
	11) نظامِ صلوٰۃ کا قیام	151
	12) نظامِ زکوٰۃ کی کامل تنفیذ	152
	13) سود کا فوری خاتمہ	152

	14) شراب اور جوئے پر پابندی	154
	15) پاک دامنی کی فضا قائم کرنا	155
	16) سائبر کرائم کی روک تھام	156
	17) نفاذِ شریعت کے مراحل	156
باب نہم: مطالبات کی منظوری کے لیے حکمتِ عملی		**158**
1	دفاعی اور جارحانہ حکمتِ عملی	165
2	قربانی	167
3	آخرت کا عذاب و ثواب	169
باب دہم: غیر جمہوری انقلاب کے ثمرات		**172**
1	دینی تعلیمات کے زیادہ قریب	172
2	عوامی حمایت	174
3	انقلاب یا انتخاب کے بعد کے معاملات	176
باب یازدہم: اسلامی نظام کے عوام کو فائدے		**178**
1	تحفظ ناموسِ رسالت و شعائر اللہ	178
2	قانون کی بالادستی	178
3	عدل و انصاف	179
4	حکمرانوں کا احتساب	180
5	حکمرانوں میں ذمہ داری کا احساس	181
6	غیر مسلموں کے حقوق کا تحفظ	182
7	دہشت گردی کا خاتمہ	183

8	کرپشن کا خاتمہ	185
9	سود کا سدِباب	187
10	چوری کا خاتمہ	189
11	موسمیاتی تبدیلیاں	190
12	سیلاب کے مسائل کا سدِباب	191
13	سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی	192
14	سائبر کرائم کا سدِباب	194
15	معاشی حالات میں بہتری	196
16	بے روزگاری میں کمی	198
17	غربت کا خاتمہ	199
18	اُمراء کا تزکیہ	200
19	بیماریوں میں کمی	201
20	ڈپریشن کا خاتمہ	203
21	منشیات میں کمی	205
22	رشوت کا خاتمہ	208
23	سفارش کلچر کا خاتمہ	209
24	خودکشی میں کمی	210
25	ملاوٹ کا خاتمہ	212
26	ذخیرہ اندوزی کا خاتمہ	214
27	چادر و چار دیواری کا تقدس	216

28	خواتین کے حقوق کا تحفظ	219
29	طلاق میں کمی	220
30	بچوں کا تحفظ	222
31	بڑوں کا احترام	223
32	چھوٹوں سے شفقت	224
33	باہمی بھائی چارہ	225
34	نتیجہ	228
	باب دوازدہم: نامور اسلام پسند شخصیات	**230**
1	روایتی علماء	230
2	جدید علماء	232
3	سیاست دان	234
4	صحافی و کالم نگار	236
5	سماجی و فلاحی شخصیات	236
6	خواتین	237
7	غیر مسلم	238
	حوالہ جات	**240**

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیش لفظ

ممکن ہے کہ زیر نظر کتاب جدید دور کے قلم کاری کے اصولوں پر پورا نہ اُترتی ہو اس لیے کہ راقم الحروف نے اس پہلو کو ایک حد سے زیادہ ملحوظ نہیں رکھا۔ نامور لکھاری بننا یا مقبول کتاب لکھنا میرا مقصد نہیں۔ میرا مقصد اور طریقہ اس شخص کی مانند ہے جس کے گھر کو چوروں نے گھیر رکھا ہو اور وہ خوف سے اور جلدی میں پولیس کو پکارتا ہے۔ ایسے میں نہ اسے اپنے الفاظ کے چناؤ کا دھیان ہوتا ہے اور نہ ہی لہجے کا بلکہ اس کا مقصد پولیس کو فوری اطلاع دینا ہوتا ہے۔ اور اگر پولیس اس کی چیخ و پکار پر بروقت کارروائی کرکے چوروں کو گرفتار کرلے تو اس کی پکار ثمر بار رہی، چاہے اس نے کسی بھی زبان میں اور کسی بھی انداز سے پولیس کو پکارا ہو۔ لیکن ایسی حالت میں اگر کوئی خوبصورت الفاظ کے چناؤ اور بہترین اندازِ پکار میں وقت ضائع کردے اور چور اپنا کام کر چکیں تو پکارنے والا پولیس والوں کو شاید اپنے خوبصورت الفاظ اور اندازِ بیان سے متاثر تو کردے مگر اس کا اصل مقصد بے حاصل ہی رہے گا۔

راقم الحروف کی اس متزلزل پکار کا اصل مقصد بھی دین کے محافظوں کو جلدی سے بیدار کرنا ہے کیونکہ تھوڑی اور تاخیر ہوگئی تو بات ہاتھ سے نکل جائے گی، چور سب کچھ لوٹ چکے ہوں گے اور یہ چمن اسلام کے بار و ثمر سے بالکل محروم ہو چکا ہوگا۔ پھر کھیت کے چگ جانے پر پچھتانے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

اس کتاب کا پسِ منظر یہ ہے کہ حالیہ الیکشن میں مجموعی طور پر سیاسی بحران، اس میں مذہبی جماعتوں کے لیے آگے آنے کے بھرپور مواقع اور مذہبی جماعتوں کے جذبے اور تیاری کو مدِ نظر رکھتے ہوئے، مثبت نتائج کے لیے میں کافی پرُامید تھا۔ 8 فروری 2024ء کی شام پولنگ کا عمل ختم ہونے کے بعد میڈیا پر نتائج آنا شروع ہوئے تو اکثر حلقوں میں پاکستان

تحریک انصاف پہلے نمبر پر جارہی تھی اور مذہبی جماعتوں کے بھی نتائج بہتر آ رہے تھے۔ لیکن اس کے بعد اکثر حلقوں کے نتائج روک دیے گئے اور عوام میں پہلے سے ہی جو ایک تصوّر پایا جارہا تھا کہ پاکستان مسلم لیگ نون کو حکومت میں لایا جارہاہے، اسی کا عکس نظر آنے لگا۔ پاکستان تحریک انصاف، جو اکثریت کے ساتھ جیت رہی تھی، اس کا پلڑا آہستہ آہستہ ہلکا ہونے لگا اور نون لیگ کا سورج طلوع ہوتا نظر آنے لگا۔ دوسری طرف تمام مذہبی جماعتوں کا راستہ بالکل کاٹ دیا گیا۔ ان حالات کو دیکھ کر ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے کسی نے الیکشن کمیشن کو ایک فہرست دے دی ہو کہ ان ان لوگوں کو جتوادو۔ چنانچہ ان میں سے جو خود جیت رہے تھے ان کو تحفظ دیا گیا اور جو ہار رہے تھے انہیں سہارا دیا گیا۔ مذہبی جماعتوں کے بارے میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بس سادہ سا جملہ ارشاد فرمادیا گیا کہ ان میں سے کوئی نہ جیتنے پائے، چنانچہ ویسا ہی ہوا۔ تاریخ کو دُہراتے ہوئے پاکستان ایک بار پھر ان ظالموں کے ہاتھ میں دے دیا گیا جو عوام کو کند چھری سے ذبح کرتے ہیں اور پھر ان کی چیخ وپکار پر قہقہے لگا کر لطف اندوز ہوتے ہیں۔

ملک وملت کا یہ غم دل میں لیے 10 فروری کی صبح میں نے اس کتاب کا آغاز کیا، باوجود اس کے کہ میری ایک اور کتاب بالکل اختتامی مراحل میں تھی اور اس کے علاوہ آٹھ دیگر موضوعات پہلے سے ہی میری فہرست میں موجود تھے جن پر میں نے کام کرنا تھا۔ مگر حالیہ الیکشن نے مجھے اس بات پر مجبور کر دیا کہ تمام کاموں کو ترک کر کے نفاذِ شریعت کی راہوں اور رکاوٹوں پر بات کی جائے۔ دوسرا یہ کہ کہیں وقت کے ساتھ میرے جذبات ٹھنڈے نہ پڑ جائیں اور اسلام پسند بھی وقت گزرنے کے ساتھ مفاہمت کا شکار ہو کر دوبارہ جمہوری نظام سے امیدیں نہ لگا بیٹھیں۔ پس فقیر کی یہ ادنیٰ سی کاوش، دین پسندوں کے لیے ایک روڈ میپ ہے جو پاکستان میں اسلامی نظام کے لیے درست سمت کی نشاندہی کرتا ہے۔

راقم الحروف نے اس یزیدی نظام کی بیعت سے انکار کر دیا ہے، چنانچہ ممکن ہے کہ اس راہ میں مجھے کسی موڑ پر شہید کر دیا جائے۔ اگر اللہ ربّ العالمین نے یزید کے سپاہیوں کا ہاتھ مجھ سے روک بھی دیا پھر بھی میں نے اپنے جان ومال کا سودا اللہ سے کر لیا ہے، جس پر اجرِ عظیم کا وعدہ اُس نے تورات، انجیل اور قرآن مجید میں کیا ہے۔ فرمایا:

"حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مؤمنوں سے اُن کے نفس اور اُن کے مال جنّت کے بدلے خرید لیے ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں لڑتے اور مارتے اور مرتے ہیں۔ اُن سے (جنّت کا وعدہ) اللہ کے ذمّے ایک پختہ وعدہ ہے تورات اور انجیل اور قرآن میں۔ اور کون ہے جو اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کا پورا کرنے والا ہو؟ پس خوشیاں مناؤ اپنے اُس سودے پر جو تم نے اللہ سے کر لیا ہے۔ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔"(التوبہ:111)

اب جسے اللہ کے درج بالا وعدے پر پختہ یقین حاصل ہو جائے تو وہ اپنی جان اور اپنے مال اس کی راہ میں قربان کر دے۔

(اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل و کرم اور اسکی توفیق سے فقیر نے گوناگوں مصروفیات کے باوجود یہ کتاب دو ماہ کے قلیل عرصہ میں مکمل کی۔)

حقیر بسمل

07 اپریل 2024ء

27 رمضان المبارک 1445 ہجری

سرٹیفکیٹ

پاکستان میں ایک عرصے سے یہ بات دیکھنے میں آ رہی ہے کہ حکومت، ادارے اور باثر شخصیات اپنی طاقت کے بل بوتے پر جسے چاہتے ہیں جھوٹا، ملک دشمن اور دہشت گرد قرار دے دیتے ہیں، چاہے وہ کتنا ہی صاف کردار کا مالک ہو اور جسے چاہتے ہیں سچا اور وفادار شہری ثابت کر دیتے ہیں، چاہے وہ کتنا ہی بدکردار اور ملک وملت کا دشمن ہو۔ اس اندیشہ کے پیش نظر میں یہ سرٹیفکیٹ دے رہا ہوں، اپنی ذات کے تحفظ کے لیے نہیں، بلکہ صرف اس غرض سے کہ دین کے حوالے سے میری حکمت عملی کو ٹھیس نہ پہنچے۔ جہاں تک اپنی ذات کا معاملہ ہے تو صدقِ دل سے یہ بات کر رہا ہوں کہ اگر آج پھانسی دے دی جائے، مجھے بخوشی قبول ہے۔ دنیا تو ایک مسلمان کے لیے قید خانہ ہے اور اگر اس قید خانے سے اللہ کی راہ میں پھانسی کے پھندے پر جھول کر رہائی مل جائے تو اس سے اچھا اور کیا سودا ہو گا۔

مجھے معلوم ہے کہ جس طرح پہلے مذہبی شخصیات یا مذہبی جماعتوں پر الزامات لگائے گئے ہیں، اسی طرح میرے معاملے میں بھی کیا جائے گا اور اس نظام کی مرضی کے خلاف کوئی اپنے آپ کو سچا ثابت نہیں کر سکتا۔ اداروں کے لیے یہ سب بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ میڈیا ذمہ داران کو ایک پرچی بھجوا دی جائے گی کہ فلاں شخص کے خلاف یہ رپورٹ کر دو کہ یہ ملکی راز بیچتے ہوئے پکڑا گیا ہے یا کوئی اور الزام لگا دو۔ صرف چند گھنٹوں میں پوری دنیا اس پر یقین کرنے لگ جائے گی حتی کہ آپ کے قریبی لوگ جو آپ کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ آپ اس طرح کی حرکت نہیں کر سکتے، وہ بھی یقین کرنے لگیں گے۔ ایسے میں سچائی کا کوئی بھی ثبوت پیش کرنا بھینس کے آگے بین بجانے کے مترادف ہے۔ اس لیے اپنی ذات کا معاملہ میں نے آخرت پر چھوڑ دیا ہے، لیکن الزامات کے ذریعے جو میرے نظریے کو ٹھیس پہنچنے کا اندیشہ ہے، اس ضمن میں وضاحت پیش کر رہا ہوں۔

عموماً تمام تر الزامات دنیوی مفاد سے منسلک ہوتے ہیں جیسے یہ کہہ دینا کہ یہ غیر ملکی ایجنسیوں کے لیے کام کر رہا ہے یا فوج کے اشارے پر چل رہا ہے۔ اس تناظر میں، میں صدقِ دل سے یہ بات کہہ رہا ہوں کہ جس نظریہ کے لیے میں کام کر رہا ہوں اس میں سوائے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے اور کوئی محرک نہیں اور اللہ سے دعا ہے کہ وہ مجھے اس پر قائم رکھے۔ میں یہ بھی حلفاً کہتا ہوں کہ اسلامی نظام قائم ہو جانے کے بعد ریاست اگر مجھے چپڑاسی کی ڈیوٹی دے گی تو میں بخوشی اسلامی ریاست کی گلیوں میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور رسول اللہ ﷺ کی نعت پڑھتا اور جھاڑو دیتا رہوں گا۔ یہ بات میں نے دل سے کہی ہے اور میں اس پر قائم ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مجھے آگے بھی اس پر قائم رکھے۔

اس ساری وضاحت کے بعد بھی اگر کوئی اخبار یا سوشل میڈیا پر میرے متعلق کوئی الزامات پڑھ کر ان پر بلا تحقیق یقین کرے تو وہ اپنے اس فعل کا کل قیامت کے دن خود ذمہ دار ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس زمین پر اپنا نظام قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس راہ میں آنے والی آزمائشوں پر صبر و استقامت نصیب فرمائے۔ آمین!

حقیر بسمل

باب اول

جمہوریت کی حقیقت

اسلام اللہ تعالیٰ کا آخری دین اور قیامت تک کے لیے ضابطہ حیات ہے۔ اسلام کا یہ اعجاز ہے کہ اس کے احکامات ہر دور میں ایسے تروتازہ نظر آتے ہیں جیسے اسی دور کے لیے اُترے ہوں۔ اسلام نے ہر اس چیز کو حرام ٹھہرایا جو انسان کے لیے مضر ہے اور ہر اس چیز کو جائز قرار دیا جو انسان کے لیے سود مند ہے۔ ان میں سے بعض چیزوں کی منفعت و مضرت سے انسان واقف ہے اور بعض کی حقیقت سے کم علمی و کم فہمی کے باعث ناواقف ہے۔ اہل ایمان اس کم علمی کا اعتراف کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کے سامنے ہر حال میں سرِ تسلیم خم کرتے ہیں۔

موجودہ سیاسی نظام کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بنیادیں ہی خدا کی بغاوت پر رکھی گئی ہیں اور یہاں بنیادوں کو وہی اہمیت حاصل ہے جو اعمال کی قبولیت کے لیے ایمان کو حاصل ہے۔ جب تک کوئی شخص کلمہ پڑھ کر مسلمان نہیں ہوتا اس کے اعمال اس کے لیے کچھ سود مند نہیں۔ اسی طرح جس نظام کی بنیادیں ہی غیر اللہ کی حاکمیت پر مبنی ہوں اس میں چند اسلامی رسومات کو شامل کر دینے سے وہ اسلامی نہیں ہو جائے گا اور اہل علم اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ جمہوریت کا سارا نظام عوامی حاکمیت پر قائم ہے جو کہ واضح شرک ہے۔

"یہ سیاسی شرک شرک کی بدترین قسم ہے۔ حاکمیت صرف اللہ کی ہے' اس کے علاوہ جو کوئی بھی حاکمیت کا مدعی ہو' چاہے وہ ایک فرد ہو' ایک قوم ہو یا پوری نسل انسانی' وہ اللہ کے ساتھ برابری کا دعویدار ہے۔ اور فرعون نے خدائی کا دعویٰ اسی مدعیت کے ساتھ اور اسی مفہوم میں کیا تھا' ورنہ وہ زمین و آسمان کے خالق ہونے کا دعویدار تو ہرگز نہیں تھا۔ وہ خود بھی جانتا تھا کہ جس طرح تمام انسان پیدا

ہوتے ہیں وہ بھی اسی طرح پیدا ہوا ہے اور سب کی نظروں کے سامنے پلا بڑھا ہے۔ چنانچہ اس کے خدائی کے دعوے کی اصل حقیقت یہی تھی کہ وہ حاکمیتِ مطلق کا دعویدار تھا‘جو کہ صرف اور صرف اللہ کا حق ہے۔"(بیان القران)[1]

مختصر یہ کہ فرعون سے حاکمیت لے کر عوام کو دے دینا ملوکیت سے جمہوریت کا سفر ہے اور مسلمانوں نے جمہوریت کے ساتھ لفظ "اسلام" کا اضافہ کر کے اسے اپنا لیا ہے جس سے چند ظاہری معاملات تو سدھر گئے لیکن مجموعی طور پر کفر کا نظام ہی رائج ہے۔ ابتدائی ابواب میں ہم جمہوریت کی اس حقیقت کو واضح کرنے کی کوشش کریں گے اور دیکھیں گے کہ جس جمہوری راہ پر ہم گامزن ہیں، کیا وہ منزلِ مقصود پر پہنچتی بھی ہے یا نہیں؟ دوسرا یہ کہ جسے ہم منزل سمجھ رہے ہیں کیا وہ واقعی منزل ہے یا فقط منزل کا سراب ہے؟

یہ سوال اس لیے ضروری ہے کہ اگر کھوٹی راہ پر گامزن ہوں گے تو سفر بے سود ہو گا اور اگر منزل ہی سراب ہے تو پھر پہنچ بھی گئے تو سوائے پشیمانی کے اور کیا حاصل ہو گا۔

1۔ملوکیت کا دوسرا روپ

اسلامی دور میں دنیا نے دورِ نبوت ﷺ اور اس کے بعد 30 سال خلافت راشدہ کی بہاریں دیکھیں۔ گو کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے ساتھ خلافت راشدہ کا سورج بھی غروب ہو گیا لیکن اس کا اثر ایک عرصہ تک زندہ رہا۔ پہلی صدی ہجری کے اختتام پر حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کی صورت میں خلافت کا سورج پھر سے طلوع ہوا جس پر انسانیت نے سکھ کا سانس لیا۔ اسی وجہ سے انہیں پانچواں خلیفہ راشد بھی کہا جاتا ہے۔ اُنؒ کے بعد آج تک دنیا خلافت کی رحمت سے محروم ہے اور ملوکیت کی چکی میں پِس رہی ہے۔ ابلیسی قوتوں نے ملوکیت کے خلاف انسانی بغاوت کو روکنے کے لیے جمہوری نظام متعارف کروایا، جو اندر سے ملوکانہ ہی ہے مگر اس پر انسان دوستی کا غلاف چڑھا دیا گیا ہے۔ علامہ اقبال اس ابلیسی چال کو اپنی نظم "ابلیس کی مجلسِ شوریٰ" میں ببانگِ دہل بے نقاب کرتے ہیں۔

اس مجلس میں ابلیس کا ایک مشیر کہتا ہے:

خیر ہے سُلطانئ جمہور کا غوغا کہ شر
تُو جہاں کے تازہ فتنوں سے نہیں ہے با خبر!

یعنی ابلیس کے مشیر نے اس اندیشہ کا اظہار کیا کہ دنیا میں ایک عرصے سے ملوکیت کا جو ابلیسی نظام چلا آرہا تھا اس کے مخالف جمہوری نظام سر اُٹھا رہا ہے۔

اس کے جواب میں دوسرا مشیر کہتا ہے:

ہُوں، مگر میری جہاں بینی بتاتی ہے مجھے
جو ملوکیّت کا اِک پردہ ہو، کیا اُس سے خطر!

یعنی دوسرا مشیر جمہوریت سے خوفزدہ ہونے والے مشیر کو تسلی دیتے ہوئے کہتا ہے کہ اس میں پریشانی کی کوئی بات نہیں بلکہ جمہوریت، ملوکیت کا ہی دوسرا روپ ہے۔ یہ بھی خدا کی بغاوت پر ہی مبنی ہے۔ دونوں میں صرف اتنا فرق ہے کہ ملوکیت میں ایک شخص کے پاس تمام طاقتیں تھیں اور وہ اپنے رب ہونے کا اعلان کرتا تھا جبکہ جمہوریت میں وہی ربوبیت جمہور کے پاس آگئی۔

" Divine Rights of the Kings کا ذکر آپ کو اہل یورپ کی تاریخ میں بھی ملے گا۔ انکے ہاں بھی قدیم زمانے سے یہ تصوّر چلا آرہا ہے کہ بادشاہوں کو خدائی اختیارات حاصل ہیں' انکا اختیار مطلق ہے وہ final legistative authority ہیں۔ ان کی مرضی ہے وہ جو چاہیں قانون بنا دیں۔ جبکہ یہ سوچ اور یہ دعویٰ بدترین شرک ہے' جسے اہل یورپ نے دورِ حاضر میں جمہوریت کے نام سے عوام الناس میں تقسیم کر دیا ہے۔ چناچہ جو گندگی کسی زمانے میں فرعون یا نمرود کے سر پر ٹنوں کے حساب سے لدی ہوتی تھی' اسے انہوں نے تولوں اور ماشوں میں تقسیم کرکے اپنے ہر شہری کی جیب میں ڈال دیا ہے' کہ یہ لو ووٹ کی اس پرچی کے بل پر اب تم میں سے ہر ایک حکومت میں حصہ دار ہے۔ اب تم اپنی اکثریت کے ذریعے جو قانون چاہو بنا لو۔" (بیان القران)[2]

اگلے شعر میں وہ اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ جمہوریت، ابلیسی نظامِ حکومت (ملوکیت) کی ضد نہیں ہے، بلکہ ابلیس اور اس کے کارندوں نے خود ملوکیت کو جمہوریت کا لباس پہنایا ہے۔ ملوکیت کو جمہوری لباس پہنانے کی نوبت کیوں پیش آئی؟ اس کا جواب اگلے مصرے میں ہے اور یہ سب سے اہم نکتہ ہے:

ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہُوا ہے خود شناس و خود نگر!

یعنی دورِ حاضر میں انسان کو شعور حاصل ہوا اور وہ اپنے حق کے لیے کاوشیں کرنے اور غلامی کی زنجیریں توڑنے لگا۔ ایسے میں اگر دنیا کو ایک متبادل ابلیسی نظام نہ دیا جاتا تو ابلیسی قوتوں کے لیے خطرہ تھا کہ کہیں لوگ خلافت کی طرف نہ لوٹ جائیں۔ لوگ چونکہ ملوکیت کے ظلم سے تنگ آچکے تھے، اس لیے کسی نئے نظام کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ ابلیسی قوتوں نے اُسی ظلم اور بغاوت کے نظام (ملوکیت) کو جمہوری لباس پہنایا اور دنیا کو اس کے داؤ میں پھانس لیا۔ اب ملوکیت کی طرح خدا کے خلاف بغاوت بھی قائم ہے اور لوگ بھی خوش ہیں کہ ہم جسے چاہتے ہیں ووٹ کے ذریعے حکومت میں لاتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں حکومت سے ہٹا دیتے ہیں۔ اور اسی طرح اپنی مرضی سے قوانین بناتے اور ختم کرتے ہیں۔

2۔ پُر فریب نظام

انسان جب اپنے حق کے بارے میں زیادہ حسّاس ہوا اور اس کے لیے جدّوجُہد شروع کی تو ابلیسی قوتوں کو خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں لوگ ملوکیت کے ظالمانہ نظام کو اُلٹ نہ دیں اور اس باطل نظام سے بغاوت کر کے کہیں خدا کا نظام نہ قائم کر دیں۔ اس اندیشہ کے پیشِ نظر انہوں نے جمہوریت کا پُر فریب نظام ترتیب دیا۔ ابلیسی قوتوں نے جمہوری نظام کے چہرے کو خوب مزین کیا تاکہ دورِ جدید کا انسان اسی کے لطف میں مگن رہے اور جمہوری نظام کی اصل تاریکی اس کی نظروں سے اوجھل رہے۔ انہوں نے اس نظام کے دو قانون بنائے۔ ایک مکتوبی یعنی لکھا ہوا اور وہ انتہائی خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ اس میں انصاف، مساوات، آزادی، روزگار، حفظِ جان و مال اور دیگر انسانی ضروریات شامل ہیں۔ دوسرا قانون غیر مکتوبی یعنی لکھا

ہوا نہیں ہے۔ اس میں ناانصافی، جبر و استبداد، بے حیائی اور دیگر برائیاں شامل ہیں۔ مکتوبی قانون، جو کہ خوشنما معلوم ہوتا ہے وہ صرف کتابوں میں ملے گا اور غیر مکتوبی قانون، جس کی بنیادیں ظلم پر قائم ہیں، عملی زندگی میں نظر آئے گا۔ جمہوری نظام کی اس دورنگی کی عکاسی علامہ اقبال نے اپنے کلام میں کی ہے۔

تُو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام

چہرہ روشن، اندرُوں چنگیز سے تاریک تر!

جب یہ نظام اندر سے تاریک تر ہے تو پھر بیرون میں جو بھی رنگ بھر دیے جائیں اس سے حقیقت نہیں بدلنے والی۔ ابلیسی قوتوں نے ملوکیت کو جمہوری لباس پہنایا تو مغربی دنیا نے اسے جوں کا توں قبول کر لیا۔ مسلم دنیا، اس کافر کو کلمہ تو نہ پڑھوا سکی لیکن اس کے ماتھے پر کلمہ لکھ کر اسے مسلم قرار دے دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس وقت دنیا میں تقریباً 57 اسلامی ممالک ہیں اور اسلام کسی ایک ملک میں بھی نہیں ہے۔

دوسری طرف جمہوریت کے شدت پسند پجاری، پوری دنیا کو تو آزادی کا سبق پڑھاتے ہیں لیکن خود جمہوریت کی بالادستی پر شدت سے قائم ہیں۔ جمہوریت کے دس رہنما اصولوں میں سے پہلا اصول ملاحظہ کیجیے:

> "We must all separate politics and religion, and we must never place religion above the laws of democracy." (Building Moderate Muslim Network)[3]

"ہمیں سیاست کو مذہب سے الگ رکھنا چاہیے، اور ہمیں کبھی بھی مذہب کو جمہوریت کے قوانین پر فوقیت نہیں دینی چاہیے۔"

جب اس نظام کی بنیادیں ہی اللہ تعالیٰ کے احکامات سے بغاوت پر مبنی ہیں تو پھر کوئی ہزار بار چاہ کر بھی اس پر دیواریں سیدھی تعمیر نہیں کر سکتا۔

باب دوم

پاکستان میں جمہوری انتخابات کے مسائل

کسی بھی پھل کے ذائقہ پر جیسے اس علاقے کی آب وہوا کا اثر غالب رہتا ہے اسی طرح جمہوریت کی اقسام پر اس کے بنیادی اجزا "عوام کی حکومت، عوام کے ذریعے، عوام کے لیے" (Government of the people, by the people, for the people) کا اثر غالب رہتا ہے۔ یعنی قوانین وضوابط اور حکومتی فیصلوں پر عوام کی آراء اور خواہشات اثر انداز رہتی ہیں۔ جیسے پاکستان ایک اسلامی جمہوریہ ہے اور قراردادِ مقاصد 1949ء کے مطابق اللہ تبارک وتعالیٰ پوری کائنات کا بلا شرکت غیرے حاکم مطلق ہے اور حکومت کو اختیار واقتدار اس کی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کا حق ہے۔ لیکن اس کے باوجود قومی اور صوبائی اسمبلی میں اکثریت کی رائے کو مد نظر رکھتے ہوئے ایسی قراردادیں بھی منظور ہو جاتی ہیں جو شریعت کے منافی ہوتی ہیں۔ گو کہ اس مسئلہ سے نمٹنے کے لیے شریعت کورٹ موجود ہے لیکن وہ کس قدر مؤثر ہے اس سے سب بخوبی واقف ہیں۔ دنیا بھر میں تقریباً 57 مسلم ممالک ہیں اور کسی میں بھی مکمل اسلامی نظام کا موجود نہ ہونا، جمہوریت کے باطل ہونے کی واضح دلیل ہے۔ اس باطل نظام میں قدم بقدم، انتخابی عمل سے لے کر حکومت کے قیام اور کام تک ہر مرحلہ میں متبادل نظام کے لیے رکاوٹیں اور مسائل ہیں۔

پاکستان میں موجودہ انتخابی عمل کے مسائل درج ذیل ہیں:

1۔ بین الاقوامی مداخلت

جنگ عظیم دوم کے بعد سے امریکہ نے اپنا اثر ورسوخ قائم رکھنے کے لیے دنیا کے دیگر ممالک پر بھی نگاہ رکھنا شروع کی۔ خاص کر سوویت یونین کے اثر کو روکنے کے لیے یورپی ممالک کی امداد کی اور انہیں متحد کیا۔

"امریکہ کے اتحادیوں کو آگے بڑھانے کے لیے، سکریٹری آف اسٹیٹ جارج سی مارشل نے 1947ء میں اربوں ڈالر کے امدادی منصوبے کا اعلان کیا۔ اس کے علاوہ، امریکہ نے مغربی یورپ کی فوجوں کی تعمیر نو کے لیے فوجی مدد فراہم کرنے پر اتفاق کیا، اور 1949ء میں، امریکہ، کینیڈا اور دس یورپی ممالک نے مل کر ایک فوجی اتحاد بنایا جسے NATO کہا جاتا ہے۔ اس اتحاد کی بنیاد اجتماعی سلامتی تھی اور یہ عہد کیا گیا کہ ایک ملک پر حملہ سب پر حملہ تصوّر کیا جائے گا۔ امن کے وقت کے اس اہم اتحاد نے امریکہ کو اپنی بڑی فوجی طاقت کے ساتھ مؤثر طریقے سے مغربی یورپ کا محافظ بنا دیا۔"[4] (Contemporary History)

اس کے علاوہ عالمی ادارے جیسے ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف وغیرہ کی بنیاد رکھی اور ان اداروں کے جال میں دنیا کو پھانسنا شروع کیا اور یہ مہم آج تک جاری ہے۔ تحقیقاتی اداروں کا قیام بھی عمل میں لایا گیا جیسے Reasearch and Development Corporation اور United States Institute of Peace وغیرہ۔ ان اداروں میں انتہائی ذہین اور باعلم شخصیات بیٹھتی ہیں جو کہ دنیا کے حالات کا جائزہ لے کر حکومت کو ان سے متعلق حکمت عملی پیش کرتی ہیں۔

United States Institute of Peace کی اسلام اور جمہوریت سے متعلق ایک رپورٹ پڑھنے کا موقع ملا جس میں تحقیقاتی ٹیم لکھتی ہے:

"With the exception of Iran since 1979, Sudan since 1989, and Afghanistan under the Taliban, the Muslim world is ruled by secular regimes."(Islam and Democracy)[5]

"1979 سے ایران، 1989 سے سوڈان اور طالبان کے ماتحت افغانستان کو چھوڑ کر، مسلم دنیا پر سیکولر حکومتیں ہیں۔"

"The mostly unspoken accepted wisdom became that U.S. allies in Egypt, Jordan, or Tunisia may have their failings, but we have to choose between them and the Iranian mullahs, the

Taliban, and Sudan's National Islamic Front, and that choice is easily made." (Islam and Democracy)[6]

"زیادہ تر نا قابل بیان قبول شدہ حکمت یہ تھی کہ مصر، اردن یا تیونس میں امریکی اتحادیوں کی کمزوریاں ہو سکتی ہیں، لیکن ہمیں ان اور ایرانی ملاؤں، طالبان اور سوڈان کے نیشنل اسلامک فرنٹ میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہے اور یہ انتخاب آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔"

امریکہ کو اس بات کی کیا فکر کہ مسلم دنیا میں سیکولر حکومتیں ہیں یا نہیں؟ امریکہ کو کیوں یہ سوچنا پڑ رہا ہے کہ آیا اس نے مولوی اور طالبان کا انتخاب کرنا ہے یا سیکولر حکومتوں کا؟

یہ بہت سادہ اور واضح معاملہ ہے جس کی بنیادیں مفادات پر قائم ہیں۔یعنی انہیں وہ حکومتیں قبول ہیں جو مغربی نظریات کو حقیقتاً قبول کریں یا دنیوی لالچ میں انہیں فروغ دیں۔ اس کام کے لیے یقیناً سب سے موزوں طبقہ سیکولر کا ہے اور سب سے غیر موزوں مولوی ہیں۔ اس لیے سیکولرز آج ان کے انتہائی قریب جبکہ مولوی انتہائی دور ہیں۔ مزید یہ کہ سیکولرز کا کوئی خاص نظریہ نہیں ہوتا اور مفادات انہیں کہیں بھی بہا کر لے جاتے ہیں جبکہ مولوی یا طالبان تو رہنمائی اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان سے لیتے ہیں جس میں ردّوبدل کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس لیے امریکہ اور دیگر طاغوتی طاقتیں مسلم ممالک کے انتخابات میں انتہائی دلچسپی لیتی ہیں اور ہر ممکن کوشش کرتی ہیں کہ کہیں کوئی دینی جماعت برسراقتدار نہ آجائے۔ دوسرے ممالک کے امور میں امریکی مداخلت سے دنیا بخوبی واقف ہے۔ 2023ء میں مختلف ممالک میں کیے گئے ایک سروے کے مطابق 82 فیصد لوگوں کا یہ ماننا ہے کہ امریکہ دیگر ممالک کے معاملات میں بہت زیادہ مداخلت کرتا ہے۔ (Pew Research Centre)[7]

امریکہ اس مداخلت کو بظاہر تو بڑے اچھے اچھے نام دیتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دورِ حاضر میں انسانیت کا مسیحا یہی ہے، لیکن حقیقت میں امریکہ اپنے مفادات کے لیے روزانہ سینکڑوں معصوم لوگوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگتا ہے۔ امریکہ کی یہ منافقت اب لوگوں پر ظاہر ہو چکی ہے۔ اس حقیقت کو واضح کرتے ہوئے ایک امریکی تحقیقاتی ادارہ لکھتا ہے:

“Many people in the Muslim world and elsewhere quickly recognized a double standard in U.S advocacy of human rights and democracy in the region.” (Islam and Democracy)[8]

"مسلم دنیا اور دیگر جگہوں پر بہت سے لوگوں نے خطے میں انسانی حقوق اور جمہوریت کی امریکی وکالت میں منافقانہ رویے کو بہت جلد پہچان لیا ہے۔"

مختصر یہ کہ مجموعی طور پر امریکہ اور دیگر طاغوتی طاقتوں کو دنیا کے کسی بھی ملک میں ایسی حکومت قبول نہیں جو ان کے نظام کے لیے خطرہ ہو۔ اس ضمن میں ان کی پہلی کوشش یہی ہوتی ہے کہ انتخابی عمل کو یرغمال بنا کر من پسند حکمران منتخب کیے جائیں۔

2۔ اداروں کی مداخلت

پاکستان کی سیاست میں اداروں کی مداخلت ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ خاص کر پاک فوج کی ملکی سیاست اور دیگر معاملات میں مداخلت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ پاکستان کی ستر سالہ تاریخ میں تقریباً نصف عرصہ اقتدار ہی آمر حکمرانوں کے ہاتھ میں رہا ہے۔ ضیاء دور کا ذکر کرتے ہوئے امریکی تحقیقاتی ادارہ اپنی رپورٹ میں فوج کے بارے لکھتا ہے:

“Although the ISI became an important tool of foreign policy, it also became an important source of influence on the political process domestically—a role that it still plays.” (The Muslim World after 9/11)[9]

"اگرچہ آئی ایس آئی خارجہ پالیسی کا ایک اہم آلہ بن گئی، اس کے ساتھ ملکی سطح پر سیاسی عمل پر اثر ورسوخ کا ایک اہم ذریعہ بھی بن گئی اور یہ کردار وہ آج بھی ادا کر رہی ہے۔"

اسی طرح 2004ء میں ڈاکٹر طاہر القادری نے قومی اسمبلی سے استعفیٰ دیا تو اس وقت آپ نے اس حقیقت کو اپنے Resignation Letter میں واضح کیا:

“The present electoral system is also in need of a massive upheaval and is the main culprit in

assisting the sham elections. Electoral lists are full of bogus voters and the manner in which elections are conducted are so blatantly biased that the general public has lost all faith in the democratic process. The dictatorial establishment which rules this country and decides in advance on who will be elected from which constituency, is at present too big of a power for Parliament to tackle. Unless Parliament plays an independent, serious and a potent role in order to save the political future of the country, each person desiring to contest the elections and be elected for the assemblies, will always be playing as a puppet in the hands of the powerful establishment. Unless those individuals who are in the habit of distributing Parliamentary seats as gifts and donations, are checked and stopped, there will be no future of democracy in this country. Parliament cannot act as a parliament, unless it gets rid of this begging culture. If the National Assembly cannot do this job, then what is the use of remaining a part of it?" (Minhaj ul Quran)[10]

"موجودہ انتخابی نظام کو بھی بڑے پیمانے پر تبدیلی کی ضرورت ہے اور یہ دھاندلی زدہ انتخابات میں معاونت کرنے میں بنیادی مجرم ہے۔ انتخابی فہرستیں جعلی ووٹرز سے بھری پڑی ہیں اور جس طریقے سے انتخابات کرائے جاتے ہیں وہ اس قدر متعصبانہ ہیں کہ عوام کا جمہوری عمل سے اعتماد اٹھ چکا ہے۔ آمرانہ اسٹیبلشمنٹ جو اس ملک پر حکمرانی کرتی ہے اور پہلے سے فیصلہ کرتی ہے کہ کون کس حلقے سے منتخب ہو گا، اتنی بڑی طاقت ہے کہ پارلیمنٹ اس وقت اس سے نہیں نمٹ سکتی۔ جب تک پارلیمنٹ ملک کے سیاسی مستقبل کو بچانے کے لیے آزاد، سنجیدہ اور

مضبوط کردار ادا نہیں کرتی، ہر وہ شخص جو الیکشن لڑنے اور اسمبلیوں کے لیے منتخب ہونے کا خواہش مند ہے، وہ ہمیشہ طاقتور اسٹیبلشمنٹ کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن کر کھیلتا رہے گا۔ جب تک ان افراد کو جو پارلیمنٹ کی نشستیں تحفے اور عطیات کے طور پر بانٹنے کے عادی ہیں، چیک کر کے روکا نہیں جاتا، اس ملک میں جمہوریت کا کوئی مستقبل نہیں ہو گا۔ پارلیمنٹ اس وقت تک پارلیمنٹ کے طور پر کام نہیں کر سکتی، جب تک وہ اس بھیک کلچر سے نجات حاصل نہیں کر لیتی۔ اگر قومی اسمبلی یہ کام نہیں کر سکتی تو اس میں رہنے کا کیا فائدہ؟"

تاریخ کے اوراق پلٹ کر دیکھے جائیں تو ڈاکٹر صاحب کی ایک ایک بات صداقت سے بھرپور ہے۔ دو سال پہلے (2022ء میں) اُس وقت کے آرمی چیف جنرل قمر جاوید باجوہ نے ایک عالمی خبر رساں ادارے کو انٹرویو میں اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے کہا:

"Pakistan Army has always remained a dominant player in national decision-making. Due to its historic role in the country's politics, the military drew severe criticism from public and politicians alike". We have restricted the army's role to its constitutionally mandated task only by deciding to make it 'apolitical'." (Express Tribune)[11]

"پاکستانی فوج ہمیشہ قومی فیصلہ سازی میں ایک غالب فریق رہی ہے۔ ملکی سیاست میں اپنے تاریخی کردار کی وجہ سے فوج کو عوام اور سیاستدانوں کی طرف سے شدید تنقید کا سامنا کرنا پڑا۔ ہم نے فوج کے کردار کو 'غیر سیاسی' بنانے کا فیصلہ کر کے صرف اس کی آئینی ذمہ داری تک محدود کر دیا ہے۔"

حالیہ الیکشن (8 فروری 2024) کو گزرے ابھی صرف 15 دن ہوئے ہیں اس لیے ٹھوس ثبوت کے ساتھ معاملات سامنے نہیں آسکے لیکن جوں جوں وقت گزرتا جائے گا، تمام معاملات واضح ہوتے جائیں گے کہ مداخلت ہوئی تھی یا نہیں اور اگر ہوئی تھی تو مداخلت کرنے والا کون تھا؟ 1990ء کے الیکشن میں پیپلز پارٹی کے خلاف اتحاد بنایا گیا جس میں اس وقت کے صدر غلام اسحاق خان، آرمی چیف مرزا اسلم بیگ اور ڈی جی آئی ایس آئی

اسد دُرّانی شامل تھے۔ الیکشن کے فوراً بعد ہی معاملات سامنے آنا شروع ہو گئے۔1994 میں مہران بنک کے چیف یونس حبیب (جو اس سکینڈل کے مرکزی کردار تھے) کو گرفتار کیا گیا اور دس سال قید بامشقت کی سزا سنادی گئی۔2012 میں اس کیس پر دوبارہ سماعت ہوئی جس میں کئی لوگوں نے اس میں ملوث ہونے کا اعتراف بھی کیا۔یونس حبیب (مرحوم) نے بھی اعتراف کیا اور عدالت سے معافی مانگتے ہوئے کہا:

"انہیں سابق آرمی چیف مرزا اسلم بیگ اور سابق صدر غلام اسحاق خان نے استعمال کیا اور اس کے بعد انہیں چار سال جیل بھیج دیا گیا۔ انہوں نے مزید انکشاف کیا کہ "اعلیٰ حکام" کے دباؤ کی وجہ سے انہوں نے 1.48 ارب روپے کا بندوبست کیا جس میں سے 140 ملین روپے سیاسی جماعتوں میں تقسیم کیے گئے جبکہ باقی فوج کی فلاحی اسکیموں میں لگائے گئے اور آئی ایس آئی کے فراہم کردہ اکاؤنٹ نمبرز پر منتقل کر دیے گئے۔"(Tribune)[12]

اسی کیس پر2012 میں سپریم کورٹ نے اپنا فیصلہ سنایا:

"فوری معاملے میں یہ ثابت ہوا ہے کہ 1990 کے عام انتخابات پر اثر انداز ہونے کے لیے ایوانِ صدر میں ایک الیکشن سیل قائم کیا گیا تھا اور اس کی معاونت جنرل (ر) مرزا اسلم بیگ نے کی تھی جو چیف آف آرمی اسٹاف تھے اور جنرل (ر) اسد دُرّانی نے کی تھی جو اس وقت کے ڈائریکٹر جنرل آئی ایس آئی تھے۔اور انہوں نے الیکشن سیل کی غیر قانونی سرگرمیوں میں حصہ لیا۔"(Tribune)[13]

ممکن ہے کہ سیاسی یا دیگر مقاصد کے لیے کچھ باتیں اس میں خود سے شامل کر لی گئی ہوں مگر مجموعی طور پر اس سکینڈل سے انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس کے کئی مرکزی کرداروں نے جرم کا اقرار بھی کر لیا ہے۔

تاریخ کی یہ خوبصورتی ہے کہ دھیرے دھیرے ماضی کے رازوں سے پردہ اٹھاتی جاتی ہے۔2024ء کے الیکشن کے حقائق بھی جلد سامنے آجائیں گے۔ جہاں تک عوام وخواص کے دعوؤں اور قیاس آرائیوں کی بات ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حالیہ الیکشن ملکی تاریخ کا

سب سے زیادہ دھاندلی زدہ الیکشن تھا۔ ایک طرف اراکین صوبائی اور قومی اسمبلی حلف اٹھا رہے ہیں تو دوسری طرف سیاسی جماعتیں ابھی تک احتجاج کر رہی ہیں۔

پنجاب میں ہارنے والی جماعتیں الیکشن کمیشن اور عدلیہ کے سامنے بین بجاتے بجاتے تھک ہار کر خاموش ہو گئیں اور بالآخر حلف برداری کی تقریب 23 فروری کو ہوئی۔

سندھ اسمبلی میں حلف برداری کی تقریب 24 فروری کو ہوئی لیکن سیاسی جماعتوں کا احتجاج اس کے بعد بھی جاری رہا:

"اپوزیشن کے مجموعی طور پر 13 ارکان، سندھ اسمبلی میں حلف برداری کی تقریب میں شریک نہیں ہوئے۔ سندھ اسمبلی کے 168 اراکین میں سے 145 نے حلف اٹھایا۔ سندھ اسمبلی کے 4 ممبران کے معاملات مختلف وجوہات کی بناء پر مؤخر ہیں۔ دوسری جانب الیکشن کمیشن نے 163 ارکانِ اسمبلی کی کامیابی کا نوٹیفکیشن جاری کیا ہے۔ دادو سے پیپلز پارٹی کے منتخب امیدوار عزیز جونیجو کے انتقال پر ان کا نوٹیفکیشن جاری نہیں ہوا ہے جبکہ جماعت اسلامی کے حافظ نعیم کا پی ایس 129 کا نوٹیفکیشن بھی جاری نہیں ہوا ہے"۔ (جنگ نیوز)[14]

جبکہ خیبر پختونخوا اور بلوچستان میں 15 دن گزر جانے کے بعد بھی فیصلہ نہ کیا جا سکا۔ اگرچہ حالیہ الیکشن میں دھاندلی کے حوالے سے ابھی تک کوئی ٹھوس ثبوت سامنے نہیں آ سکے ہیں جو وقت گزرنے کے ساتھ سامنے آ جائیں گے لیکن اس وقت ملک کی نامور شخصیات (جو نگران حکومت، اداروں یا جیتنے والوں میں سے نہیں ہیں) کے الیکشن کے حوالے سے تاثرات کافی پریشان کن ہیں۔

مولانا فضل الرحمان، سربراہ جمیعت علماء اسلام

" ہماری مجلس عاملہ نے انتخابی نتائج کو مسترد کر دیا ہے، انتخابی دھاندلی نے 2018 کی انتخابی دھاندلی کا ریکارڈ بھی توڑ ڈالا ہے، الیکشن کمیشن کے شفاف انتخابات کے بیان کو مسترد کرتے ہیں۔ الیکشن کمیشن اسٹیبلشمنٹ کے ہاتھوں یرغمال رہا، پارلیمنٹ اپنی اہمیت کھو رہی ہے اور جمہوریت اپنا مقدمہ ہار رہی ہے۔" (جیو نیوز)[15]

پیر پگارا، سربراہ گرینڈ ڈیمو کریٹک الائنس

"ہم الیکشن نتائج کے خلاف احتجاج کر رہے ہیں، ڈھائی تین ماہ پہلے ہی الیکشن نتائج بک ہو گئے تھے، ادائیگی بھی ہو گئی تھی، پیمنٹ جہاں بھی ہونی تھی وہ ہو گئی تھی۔" (ڈان نیوز)[16]

حافظ نعیم الرحمان، امیر جماعت اسلامی

"ایم کیو ایم کو پورے کراچی سے 1 لاکھ ووٹ بھی نہیں ملا، تم نے ایم کیو ایم کو 15 سیٹیں تحفے میں دے دیں، ایم کیو ایم والے بکاؤ مال ہیں، ایم کیو ایم کو سیٹیں دے کر کراچی اور حیدر آباد کے ساتھ مذاق کیا گیا ہے۔" (دنیا نیوز)[17]

حافظ سعد رضوی، امیر تحریک لبیک پاکستان

"یہ پاکستان کی سب سے بڑی دھاندلی ہے، اگر یہی کام کرنا تھا تو پاکستان کے لوگوں کا پیسہ اور وقت برباد کیوں کیا، یہ الیکشن نہیں، سلیکشن ہے۔"

(نوائے وقت)[18]

علامہ حافظ ہشام الٰہی ظہیر، صدر جمیعت اہل حدیث پاکستان

"انتخابات میں دینی جماعتوں کو ایک سازش کے تحت دیوار کے ساتھ لگانے کی کوشش کی گئی۔" (اردو پوائنٹ)[19]

سینیٹر مشتاق احمد، جماعت اسلامی

"سینیٹ اجلاس میں اظہار خیال کرتے ہوئے سینیٹر مشتاق احمد کا کہنا تھا کہ فروری کے الیکشن قانون کے مطابق نہیں تھے، یہ ایک جعلی الیکشن تھا، الیکشن میں دھاندلی کی تحقیقات کے لیے جوڈیشل کمیشن بنایا جائے۔ چیف الیکشن کمشنر سے مستعفی ہونے کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ الیکشن کمیشن قوم سے معافی مانگے، دھاندلی کرنیوالے قومی مجرم اور غدار ہیں، کیا چند سرکاری افسر بند دروازوں کے پیچھے فیصلے کریں گے۔ پورے ملک میں آوازیں اٹھ رہی ہیں کہ یہ الیکشن پہلے ہی بک گیا تھا، دھاندلی کی تمام قسمیں ہم نے اس الیکشن میں دیکھیں۔ الیکشن کمیشن

انتخابات میں غداری کا مرتکب ہوا ہے، بلٹ نے بیلٹ کو اغوا کیا ہے۔"(دنیا نیوز)[20]

سیاسی شخصیات کے علاوہ کئی نامور مذہبی رہنماؤں، صحافیوں اور بین الاقوامی اداروں نے بھی الیکشن کی شفافیت پر سوالات اٹھا دیے۔ وقت گزرنے کے ساتھ تمام حقائق سامنے آجائیں گے۔

عوام میں بھی اس حوالے سے کافی شکوک و شبہات پائے جاتے ہیں۔اس ضمن میں میرے ذاتی مشاہدے میں ایک دلچسپ بات آئی۔ فروری 2024ء کے آخری ہفتہ میں آرمی انسٹی ٹیوٹ آف ملٹری ہسٹری کی جانب سے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے حوالے سے ایک آگاہی لیکچر کا انعقاد کیا گیا۔ لیکچر کے اختتام پر مقرر نے حاضرین سے کہا کہ آج دل میں کوئی بوجھ واپس نہ لے کر جائے؟ یعنی جو جی چاہے سوال کرو۔اس پر ایک صاحب نے ہمت کر کے سوال پوچھا:

"1971ء کے الیکشن میں جس کے ساتھ اکثریت تھی اسے حکومت نہیں بنانے دی گئی، جس کی وجہ سے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا اندوہناک سانحہ پیش آیا۔ حالیہ الیکشن میں بھی وہی کچھ ہو رہا ہے کہ جس کے ساتھ اکثریت ہے اسے حکومت نہیں بنانے دی جارہی۔ 54 سال بعد آج پھر اسی طریقے کو دُہرایا جارہا ہے۔کیا ہم نے تاریخ سے کچھ نہیں سیکھا؟"

موصوف نے سوال ختم کیا تو پورا حال تالیوں سے گونج اٹھا۔ جو اس بات کا ثبوت تھا کہ وہاں بیٹھے ہر شخص کے دل کا یہی غبار تھا لیکن سب اپنے اپنے خوف اور مجبوریوں سے بندھے، خاموش بیٹھے تھے۔

اس وقت عوام وخواص کا یہی ماننا ہے کہ حالیہ الیکشن میں بدترین دھاندلی ہوئی ہے۔اب تاریخ اس شک کو سچ میں بدلے گی یا جھٹلائے گی' اس میں زیادہ وقت نہیں لگے گا اور اگر ماضی کے اوراق پلٹ کر دیکھے جائیں تو اکثر یہ شک سچ میں ہی بدلا ہے۔

ممکن ہے کہ کسی بے خبر کو میری باتیں بری لگ رہی ہوں لیکن میں یہ بہت خلوص کے ساتھ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میری باتیں، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دین، اُمّت

مسلمہ، پاکستان اور پاکستانی عوام کی بھلائی اور مفادِ انسانیت کے لیے ہیں۔ اور جو آپ کے آس پاس آپ کی تعریفیں کرتے ہیں وہ دراصل شیطان کے کارندے ہیں۔ جیسے شیطان ہمیں بری چیزوں کو مزین کرکے پیش کرتا ہے، اسی طرح یہ چاپلوس آپ کے غلط اقدام کی تعریف کرتے ہیں۔

جرنیل یا آرمی چیف تو پھر بڑے عہدے ہیں، لوگ حساس اداروں کے سپاہی کو بھی سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں۔ یہ بھی جان لو کہ طاقت اور حکمرانی کے جس درجے کو پرویز مشرف نے چھوا ہے شاید ہی اس ملک میں کوئی اسکا ریکاڑ توڑ سکے' لیکن دنیا میں ہی سب نے اسکا عبرت ناک انجام دیکھ لیا۔

2019ء میں خصوصی عدالت نے پرویز مشرف کی سزائے موت کا فیصلہ سنایا:

"تفصیلی فیصلے میں کہا گیا کہ جنرل (ر) پرویز مشرف نے سنگین غداری کے جرم کا ارتکاب کیا، ان پر آئین پامال کرنے کا جرم ثابت ہوتا ہے اور وہ مجرم ہیں، لہٰذا پرویز مشرف کو آئین توڑنے کے پانچ جرائم پر 5 مرتبہ الگ الگ سزائے موت دی جائے۔ قانون نافذ کرنے والے ادارے انہیں گرفتار کرکے سزائے موت پر عمل درآمد کرائیں۔ اگر پرویز مشرف مردہ حالت میں ملیں تو ان کی لاش کو ڈی چوک اسلام آباد میں گھسیٹا جائے اور تین دن تک لٹکائی جائے۔" (ایکسپریس نیوز)[21]

گو کہ اس فیصلے پر عمل درآمد نہ ہو سکا لیکن یہ فیصلہ ازخود کیا کم ذلت ہے؟ دوسرا مشرف کی موت پر جب سینٹ کے اجلاس میں چیئرمین صادق سنجرانی نے دعائے مغفرت کے لیے کہا تو اس موقع پر حکومتی سینیٹرز نے اپنی نشستوں پر احتجاج شروع کر دیا۔ چیئرمین سینیٹ نے کہا کہ چلیے صرف ترکیہ اور شام میں زلزلہ کے نتیجے میں ہلاک ہونے والوں کیلیے دعا کرائیں۔ جماعت اسلامی کے سینیٹر مشتاق احمد نے کہا کہ پرویز مشرف کیلیے کوئی دعا نہیں ہوگی، آج ملک بالخصوص بلوچستان میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کی وجہ پرویز مشرف ہے۔ سینیٹر مشتاق احمد نے کہا کہ پرویز مشرف سرٹیفائیڈ غدار ہیں۔(Daily Pakistan, Express tribune)[22]

یہ دنیا کی رسوائی ہے اور آخرت کا معاملہ تو بہت شدید ہے (اللہ تعالیٰ ہم سب کے ساتھ رحم کا معاملہ فرمائے)۔

اگر مشرف (جو جوائنٹ چیف، آرمی چیف اور صدر مملکت رہے) کے ساتھ یہ ہو سکتا ہے تو پھر آپ تو ان کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہیں۔ اور میں ان چاپلوس لوگوں کے مقابلے میں آپ کا اور اس ملک کا خیر خواہ ہوں جو اپنی زندگی داؤ پر لگا کر یہ باتیں کر رہا ہوں۔ اور جو آپ کی تعریفیں کرتے ہیں، انہیں آپ بھی جانتے ہیں کہ سوائے اچھی سالانہ کارکردگی رپورٹ (Efficiency Report) اور عہدوں کے، انہیں آپ سے کچھ سروکار نہیں۔

الیکشن کے حوالے سے ایک بات واضح ہے کہ ان کے ذریعے کسی بھی تبدیلی کی کوئی امید نہیں کی جاسکتی جب تک ادارے انصاف سے کام نہ لیں اور ادارے تب تک منصف نہیں ہوسکتے جب تک افراد کا تزکیہ نہ ہو جائے اور تزکیہ نظام کے بدلنے کے بعد ہی ممکن ہے۔ چنانچہ سیاست کے ذریعے اداروں کے کردار میں تبدیلی بھی تقریباً ناممکن ہے، اس لیے نااہل سرمایہ دار ہی بار بار برسر اقتدار آتے رہیں گے اور اسلامی اقدار کا سودا کر کے عوام کا خون چوستے رہیں گے۔

3۔ سرمایہ داروں کا کھیل

دورِ حاضر کی سیاست سرمایہ داروں کا کھیل ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ اس حوالے سے کہتے ہیں:

"پاکستان میں تو جاگیر دار بیٹھا ہے اور کتنا ہی شفاف الیکشن ہو، ساٹھ ستر فیصد تو وہی جاگیر دار ہی منتخب ہوتے ہیں، باپ نہیں تو بیٹا اور چچا نہیں تو بھتیجا، اللہ اللہ خیر صلا۔ پاکستان کی سیاست تو میوزیکل چیئر گیم ہے، جاگیر داروں کا ایک مشغلہ ہے۔" (علامہ اقبال، قائداعظم اور نظریہ پاکستان)[23]

عام سیاسی جماعتوں کے پاس نہ اتنا سرمایہ ہے اور نہ وہ مرکزی سیاسی جماعتوں کی طرح غیر شرعی ذرائع سے فنڈز بنانے پر یقین رکھتی ہیں۔ عموماً سیاسی جماعتیں پارٹی ٹکٹ کی فیس، بینکوں میں جمع رقوم پر حاصل ہونے والے سود اور چندے کے ذریعے فنڈز بناتی ہیں۔

"پیپلز پارٹی، اثاثوں کے لحاظ سے سب سے امیر جماعت ہونے کی وجہ سے، بنیادی طور پر بینک میں جمع رقوم پر حاصل ہونے والے سود پر انحصار کرتی ہے۔ کچھ سالوں میں، یہ آمدنی پارٹی کی کل آمدنی کا 98 فیصد رہی۔"[24] (Arab News. 2022)

"مسلم لیگ (ن) نے آنے والے انتخابات (2024ء) کے لیے قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں کے پارٹی ٹکٹوں کے لیے بالترتیب 200,000 اور 100,000 روپے ناقابل واپسی درخواست کی فیس مقرر کی ہے۔ پاکستان تحریک انصاف نے 2018 کے انتخابات اور اس کے بعد ہونے والے ضمنی انتخابات کے دوران درخواست کی فیس کے ذریعے تقریباً 478 ملین روپے کمائے۔ مسلم لیگ (ن) نے 140 ملین روپے اور PPP اور PPP-P مل کر 95 ملین روپے اکٹھے کر سکے۔"[25] (Dawn News. 2023)

"2018 کے عام انتخابات سے پہلے، تقریباً تمام مرکزی جماعتوں نے انتخابی مہم پر خرچ کیے گئے فنڈز سے کہیں زیادہ فنڈز بنائے۔ 2018 کے انتخابات کے بعد سیاسی جماعتوں کی جانب سے الیکشن کمیشن کو جمع کرائے گئے اثاثوں اور واجبات کے گوشوارے کے مطابق، تحریک انصاف نے سب سے زیادہ پیسہ کمایا۔ پاکستان تحریک انصاف نے تقریباً 600 ملین روپے کے فنڈز بنائے، اور انتخابی مہم میں 360 ملین روپے خرچ کیئے۔ مسلم لیگ (ن) کی کل آمدنی 125 ملین روپے سے زائد تھی اور 48.23 ملین روپے کے اخراجات کیے، جس میں سے 36.93 ملین روپے انتخابی اخراجات تھے۔ سابق صدر آصف علی زرداری کی سربراہی میں پاکستان پیپلز پارٹی پارلیمنٹیرینز (PPPP) نے 2018 میں 100 ملین روپے سے زیادہ کی کمائی کی اور 13.16 ملین روپے خرچ کیے۔" (Dawn News. 2023)[26]

موجودہ حالات میں جہاں پیسے اور طاقت کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، وہاں ان جماعتوں کے بھاری فنڈز، الیکشن جیتنے میں ان کے لیے بہت معاون ثابت ہوتے ہیں۔ ان

فنڈز کے ذریعے ووٹ خریدے جاتے ہیں، اپنے مسیحا ہونے کا پرچار کیا جاتا ہے، مخالف جماعتوں پر کیچڑ اچھالا جاتا ہے اور ان کا راستہ روکا جاتا ہے۔

الیکشن میں حصہ لینے والے اراکین کو پارٹی ٹکٹ کے علاوہ بھی کئی اخراجات اٹھانے پڑتے ہیں۔ الیکشن 2024ء کے حوالے سے الیکشن کمیشن کی جاری کردہ ہدایات کے مطابق:

"کاغذات نامزدگی فارم کی قیمت 100 روپے ہے جبکہ ایم پی اے اور ایم این اے کی نشستوں کے لیے انتخاب لڑنے والے ہر امیدوار کو بالترتیب 20 ہزار اور 30 ہزار روپے جمع کرانے ہوں گے۔"[27] (Express Tribune. 2023)

یوں ایک ایم این اے یا ایم پی اے کے امیدوار کو تقریباً ایک یا دو لاکھ روپے ٹکٹ حاصل کرنے اور 20 یا 30 ہزار روپے کاغذات نامزدگی جمع کرانے کے ادا کرنے پڑتے ہیں۔ اس کے علاوہ الیکشن کمپین کے لیے اخراجات کی ایک طویل فہرست ہے۔ ایسے میں ایک عام شہری، چاہے کتنا ہی قابلیت کا حامل ہے، جب تک اس کے پاس سرمایہ نہیں ہو گا نہ وہ ٹکٹ حاصل کر سکتا ہے، نہ کاغذاتِ نامزدگی جمع کرا سکتا ہے اور نہ ہی کمپین کر سکتا ہے۔

یہی معاملہ سیاسی جماعتوں کا ہے کہ جب تک ان کے پاس سرمایہ نہیں ہو گا وہ برابری کی سطح پر الیکشن نہیں لڑ سکتیں۔ مرکزی جماعتیں جن ذرائع سے فنڈز بناتی ہیں وہ یا تو حرام ہیں یا مکروہ۔ جیسے بینک میں جمع رقوم پر حاصل ہونے والا سود یا پارٹی ٹکٹ کے عوض امیدواران سے بھاری رقم وصول کرنا وغیرہ۔ ایسے میں پاکستان پر باریاں بدل بدل کر یہی سرمایہ دار مسلط ہوتے رہیں گے اور باقی جماعتیں ہر بار الیکشن کے بعد چند دن احتجاج کر کے پھر اگلے الیکشن میں ہارنے کے لیے تیاریاں شروع کر دیں گی اور یوں اس موجودہ نظام میں سرمایہ داروں کی یہ میوزیکل چیئر گیم چلتی رہے گی۔

4۔ اہلیت کا معیار

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں سیاسی عہدوں کے لیے متعین اہلیت غیر معیاری ہے۔ یہ بات ایک تو اہلیت سے متعلق آرٹیکلز کی شقوں سے واضح ہے اور دوسرا 70 سال سے اس سانچے میں تیار ہونے والا بیکار مال اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ سانچے میں کوئی بڑا نقص

ہے۔ جب تک اس نقص کو دور نہ کیا جائے، بہتر نتائج کی امید دیوانے کے خواب سے زیادہ کچھ نہیں۔ جس چھلنی کے سوراخ ضرورت سے بڑے ہوں اس میں سے غیر مطلوب اشیاء بھی گزر آتی ہیں۔

آئینِ پاکستان کے آرٹیکل 62 کے مطابق کوئی شخص قومی اسمبلی اور مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کا رکن منتخب ہونے کا اہل تب ہو گا جب کہ

1) وہ پاکستان کا شہری ہو۔

2) قومی اسمبلی کے معاملے میں، پچیس سال سے کم عمر کا نہ ہو اور اس کا اندراج کسی بھی انتخابی فہرست میں بطور ووٹر ہو۔

3) رکن قومی اسمبلی کی عمر 25 سال ہونا ضروری ہے اور بطور ووٹر اس کے نام کا اندراج کسی بھی انتخابی فہرست میں موجود ہو جو پاکستان کے کسی حصے میں جنرل سیٹ یا غیر مسلم سیٹ کے لیے ہو۔

4) رکن سینیٹ کی صورت میں 30 سال عمر ہونا ضروری ہے اور متعلقہ شخص کا صوبے کے کسی بھی حصے میں نام بطور ووٹر درج ہو۔ فاٹا کے ارکان بھی اس میں آتے ہیں۔

5) ایسا شخص اچھے کردار کا حامل ہو اور اسلامی احکامات سے انحراف کے لیے مشہور نہ ہو۔

6) ایسا شخص اسلامی تعلیمات کا خاطر خواہ علم رکھتا ہو اور اسلام کے منشور کردہ فرائض کا پابند ہو، نیز کبیرہ گناہ سے اجتناب کرتا ہو۔

7) پارلیمنٹ کا رکن بننے کا خواہش مند شخص سمجھدار ہو، پارسا ہو، ایماندار ہو اور کسی عدالت کا فیصلہ اس کے خلاف نہ ہو۔

8) ایسے شخص نے پاکستان بننے کے بعد ملک کی سالمیت کے خلاف کام نہ کیا ہو اور نظریہ پاکستان کی مخالفت نہ کی ہو۔

اس آرٹیکل کی تمام شقیں سوائے شہریت اور عمر کے غیر مؤثر ہیں۔ یہاں یہ ضرور لکھا ہے کہ انتخاب میں حصہ لینے والا شخص اسلامی تعلیمات کا خاطر خواہ علم رکھتا ہو لیکن ہم بخوبی جانتے ہیں کہ مذہبی جماعتوں کے علاوہ اسمبلیوں میں بیٹھنے والوں کی اکثریت اسلام کی بنیادی

تعلیمات سے بھی نابلد ہے۔ کئی ایم این اے اور ایم پی اے ایسے بھی دیکھنے کو ملتے ہیں جنہیں بنیادی تعلیمات تو دور پہلا کلمہ بھی درست تلفظ اور ترجمے کے ساتھ نہیں آتا۔

آئین میں موجود ہے کہ انتخاب لڑنے والا پارسا ہو لیکن جس ملک کا وزیر اعظم 23 مارچ اور 14 اگست کو سامنے بیٹھ کر قوم کی بیٹیوں سے راگ سنتا اور ان کا ناچ دیکھتا ہو، وہاں کون سی پارسائی اور کون سا آئین لاگو ہوتا ہے۔ جہاں ناچنے گانے والیوں کو ملکی اعزازات سے نوازا جاتا ہو وہاں پارسائی کو کن معنوں میں لیا جائے۔

دوسری طرف جہاں اسلام کو ضرب لگتی ہو یا مغربی آقاؤں کی پرستش کی بات ہو وہاں کسی شبہ کی گنجائش نہیں چھوڑی جاتی۔ مثلاً خواتین کی شرکت کے حوالے سے بڑا واضح بتا دیا کہ اگر کوئی جماعت 5 فیصد خواتین کی شرکت کو یقینی نہیں بنائے گی تو اسے انتخابی نشان نہیں دیا جائے گا۔ یعنی ایک طرح کی دھمکی دی گئی ہے کہ انتخابی نشان ہی سے محروم کر دیا جائے گا۔ دوسری طرف یہی خواتین سر اور سینے کھولے الیکشن لڑتی ہیں اور اسمبلی میں جا بیٹھتی ہیں لیکن آئین صرف اتنا کہہ کر کہ "فرائض کے پابند ہوں" خاموش ہو جاتا ہے۔ کیا سینے اور سر کا ڈھانپنا فرض نہیں ہے۔ یہاں کیوں نہ دھمکی دی گئی کہ ایسی خواتین نہ الیکشن لڑ سکیں گی اور نہ انہیں انتخابی نشان دیا جائے گا۔ کیا یہ کھلی منافقت اور اسلام کے ساتھ مذاق نہیں ہے۔ جنہوں نے بائیس (22) کڑور مسلمانوں کے معاملات کا فیصلہ کرنا ہے، کیا ان کے لیے بنیادی دینی تعلیم (بی اے۔ ایم اے وغیرہ) لازم نہیں ہونی چاہیے۔

گو کہ موجودہ شقیں کتنی ہی اچھی نیت سے شامل کی گئی ہوں، اس وقت یہ اسلامی نظام کے خلاف دو دھاری تلوار کا کام دے رہی ہیں۔ ایک طرف تو سادہ لوح مسلمانوں کی آنکھوں میں دھول جھونکتی ہیں کہ ملکی آئین اسلامی ہے اور دوسری طرف کسی بھی شخص کو چاہے وہ کتنا ہی بدکردار ہو، ملک کی بھاگ دوڑ تھامنے سے نہیں روکتیں۔

ان شقوں کا ایک اور بھی وار ہے جس پر بہت کم لوگوں کی نگاہ جاتی ہے کہ حکومت میں موجود لوگ جب طاقتور اداروں کے تقاضوں کے مطابق نہ چل رہے ہوں تو انہی شقوں کے ذریعے انہیں نااہل قرار دے دیا جاتا ہے۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، کئی جیتی جاگتی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔

یہاں آرٹیکل 62 میں صرف یہ لکھ کر کہ "پارلیمنٹ کا رکن اللہ کے احکامات سے منحرف نہ ہو" اللہ پر احسان کر دیا گیا ہے۔ یہ اس نظام کا واضح دوغلا پن ہے جو دین دار لوگوں کے لیے رکاوٹیں کھڑی کرتا ہے اور لادین طبقے کا دست و بازو بنا ہوا ہے۔ ان حالات میں اس نظام سے کوئی اچھی امید نہیں کی جا سکتی۔

5۔ووٹر کی حیثیت

الیکشن کمیشن آف پاکستان کے مطابق ووٹر کی تعریف درج ذیل ہے:

"A person, who is a citizen of Pakistan, is not less than 18 years of age on the first day of January of the year in which the rolls are prepared or revised, is not declared by a competent court to be of unsound mind and is or is deemed to be a resident of an electoral area, can get himself enrolled as a voter in that electoral area." (ECP)[28]

"یعنی ایسا شخص جو پاکستان کا شہری ہے اور اس کی عمر الیکشن کے سال یکم جنوری کو 18 سال سے کم نہیں ہے، کسی عدالت نے اسے ذہنی مریض قرار نہیں دیا ہے اور وہ انتخابی علاقے کا رہائشی ہے تو اس صورت میں وہ بطور ووٹر اندراج کروا سکتا ہے۔"

اس تعریف کو مد نظر رکھتے ہوئے ووٹر کے حوالے سے چار نکات سامنے آتے ہیں:

1) پاکستان کا شہری ہو۔
2) عمر 18 سال ہو۔
3) ذہنی توازن ٹھیک ہو۔
4) انتخابی علاقے کا رہائشی ہو۔

اب اگر ہم شریعت کی روشنی میں دیکھیں کہ خلیفہ کے انتخاب کے لیے رائے (ووٹ) دینے کا کسے حق حاصل ہے تو درج ذیل باتیں سامنے آتی ہیں:

i. مجلس شوریٰ

مولانا مودودی اپنی کتاب خلافت وملوکیت میں لکھتے ہیں:

"حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کے آخری سال حج کے موقع پر ایک شخص نے کہا: اگر عمر کا انتقال ہوا تو میں فلاں شخص کے ہاتھ پر بیعت کروں گا، کیونکہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت بھی تو اچانک ہوئی تھی اور آخر وہ کامیاب ہوگئی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپؓ نے کہا: میں اس معاملے پر ایک تقریر کروں گا اور عوام کو ان لوگوں سے خبر دار کروں گا جو ان کے معاملات پر غاصبانہ تسلط قائم کرنے کے ارادے کر رہے ہیں۔ چنانچہ مدینہ پہنچ کر انہوں نے اپنی پہلی تقریر میں اس قصے کا ذکر کیا اور بڑی تفصیل کے ساتھ سقیفہ بنی ساعدہ کی سرگزشت بیان کرکے یہ بتایا کہ اس وقت مخصوص حالات تھے جن میں اچانک حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام تجویز کرکے میں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ اگر میں ایسا نہ کرتا اور خلافت کا تصفیہ کیے بغیر لوگ مجلس سے اٹھ جاتے تو اندیشہ تھا کہ راتوں رات لوگ کہیں کوئی غلط فیصلہ نہ کر بیٹھیں اور ہمارے لیے اس پر راضی ہونا بھی مشکل ہو اور بدلنا بھی مشکل۔ یہ فعل اگر کامیاب ہوا تو اسے آئندہ کے لیے نظیر نہیں بنایا جا سکتا۔ تم میں ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی بلند و بالا اور مقبول شخصیت کا آدمی اور کون ہے۔ اب اگر کوئی شخص مسلمانوں کے مشورے کے بغیر کسی کے ہاتھ پر بیعت کرے گا تو وہ اور جس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی دونوں اپنے آپ کو قتل کے لیے پیش کر دیں گے۔(صحیح بخاری و مسند احمد)

اپنے تشریح کردہ اسی قاعدے کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی وفات کے وقت خلافت کا فیصلہ کرنے کے لیے ایک انتخابی مجلس مقرر کی اور فرمایا:"جو شخص مسلمانوں کے مشورے کے بغیر زبردستی امیر بننے کی کوشش کرے، اسے قتل کر دو۔ اس کے ساتھ انہوں نے اپنے بیٹے کو خلافت کے استحقاق سے صاف الفاظ میں مستثنیٰ کر دیا تاکہ خلافت ایک موروثی منصب نہ بن جائے۔"(الطبری)

یہ انتخابی مجلس ان چھ اشخاص پر مشتمل تھی جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک قوم میں سب سے زیادہ بااثر اور مقبول عام تھے۔(خلافت وملوکیت)[29]

قرآن کریم کے ساتھ ساتھ چونکہ دورِ نبوی ﷺ اور دورِ خلافت راشدہ ہمارے لیے عام طور پر تمام معاملات میں اور خاص کر انتظامی اور حکومتی معاملات میں مشعلِ راہ ہیں، اس لیے ہم انہی سے رہنمائی لیتے ہیں۔ حکمران کے انتخاب کے معاملے میں ہمیں مجلس شوریٰ کا نمایاں کردار نظر آتا ہے۔ موجودہ انتخابی عمل اس سے محروم ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں:

"امارت (یعنی خلافت) وہ ہے جسے قائم کرنے میں مشورہ کیا گیا ہو اور بادشاہی وہ ہے جس پر تلوار کے زور سے غلبہ حاصل کیا گیا ہو۔"(خلافت وملوکیت)[30]

مولانا مودودیؒ خلافت کے انعقاد کے صحیح طریقے کے بارے میں امام ابو حنیفہؒ کا قول نقل کرتے ہیں:

"صحیح خلافت وہ ہے جو اہل الرائے لوگوں کے اجتماع اور مشورے سے قائم ہو۔"(خلافت وملوکیت)[31]

اسی باب میں مولانا مودودیؒ، المنصور کے حاجب ربیع بن یونس کا بیان نقل کرتے ہیں:

"منصور نے امام مالکؒ، ابن ابی ذئب اور امام ابو حنیفہؒ کو بلایا اور ان سے کہا: یہ حکومت جو اللہ تعالیٰ نے اس اُمّت میں مجھے عطا کی ہے، اس کے متعلق آپ لوگوں کا کیا خیال ہے؟ کیا میں اس کا اہل ہوں؟

ابن ابی ذئب نے کہا: حقیقت یہ ہے کہ خلافت اہل تقویٰ کے اجتماع سے قائم ہوتی ہے اور جو شخص خود اس پر قبضہ کر لے اس کے لیے کوئی تقویٰ نہیں ہے۔

امام ابو حنیفہؒ نے کہا: امرِ واقعہ یہ ہے کہ آپ اس طرح خلیفہ بنے ہیں کہ آپ کی خلافت پر اہل فتویٰ لوگوں میں سے دو آدمیوں کا اجتماع بھی نہیں ہوا، حالانکہ خلافت مسلمانوں کے اجتماع اور مشورے سے ہوتی ہے۔"(خلافت وملوکیت)[32]

یہ دلائل پڑھنے کے بعد کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ مجلس شوریٰ کا انعقاد دورِ حاضر میں کیسے ممکن ہے؟ یہاں میری مراد اہل حق قاری ہیں جو حق کی تلاش میں

ہیں۔ جہاں تک دین بیزاروں کا تعلق ہے تو ان کے ہاں کوئی بھی دلیل چاہے وہ کتنی قوی ہو، کوئی معنی نہیں رکھتی۔ دورِ انبیاء میں انہی جیسے متکبر لوگوں نے انبیاء ورُسل علیہم السلام کے کھلے معجزات کا انکار کیا تو آج ایک عام شخص کی بات ان کے ہاں کیا حیثیت رکھتی ہے۔

بہر حال اہل حق کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جب علماء تفرقوں میں بٹے ہوئے ہیں یا مفاہمت کا شکار ہو چکے ہیں تو ایسے میں مجلس شوریٰ کے لیے کون موزوں ہو گا جو تمام دنیوی مفادات سے لاتعلق ہو کر اللہ کی رضا کے لیے فیصلہ دے؟ یہ سوال بجا ہے کیونکہ بظاہر ہمیں ایسا ہی نظر آرہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آج اسلامی تعلیمات پر نکتہ چینی کرنے والے بہت زیادہ ہیں اور ان کا دفاع کرنے والے بہت قلیل ہیں۔ اس وجہ سے جو صحیح ہے وہ بھی غلط لگنے لگا ہے۔

میرا آپ سے عاجزانہ سوال ہے کہ شوریٰ کے لیے آپ کی نگاہ ان لوگوں پر ہی کیوں جاتی ہے جو تفرقہ باز ہیں یا اہل حکومت کو ہی دین بنانے والے ہیں یا دیگر بری روشوں کا شکار ہیں۔ آپ کی نگاہ ان پر کیوں نہیں جاتی جن کے سینے غمِ اُمّت میں جل رہے ہیں، جنہیں اس غم نے جوانی میں بوڑھا کر دیا ہے، مسلمانوں کی پستی کا دکھ جن کی داڑھیوں کو آنسوؤں سے تر رکھتا ہے، جنہوں نے اپنا ہر سانس نظام مصطفیٰ ﷺ کے قیام کے لیے وقف کر دیا ہے۔ ایسے لوگ ہر دور میں پائے گئے ہیں جنہوں نے دین کی سربلندی کے لیے اپنی اناؤں اور اختلافات کو زیرِ پا روندا۔ پاکستان بننے کے بعد جب دستور سازی کا مرحلہ آیا تو 1951ء میں تمام مسالک کے 31 جید علماء کرام نے 22 متفقہ نکات پیش کیے۔ یہ کل ہی کی تو بات ہے۔ کیسے تمام مسالک ان نکات پر متفق ہوئے۔ 1977ء میں مفتی محمود کے زیر صدارت نظام مصطفیٰ تحریک چلی جس میں علماء نے مسلکی تفریق سے بالاتر ہو کر اپنی کاوشیں اور قربانیاں پیش کیں۔ اسی طرح آگے چلتے جائیے تو آپ ہر دور میں اہل حق کو حق کی سربلندی کے لیے متفق پائیں گے۔ حالیہ الیکشن میں ہی آپ نے دیکھا ہو گا کہ اہل حدیث مسلک کے نامور عالم ہشام الٰہی ظہیر نے بریلوی مسلک کی نمائندہ مذہبی وسیاسی جماعت تحریک لبیک پاکستان اور اس کے علاوہ جماعت اسلامی کی حمایت کا اعلان کیا۔

ان تمام باتوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ انتخابی مجلس کا نہ صرف قیام ممکن ہے بلکہ اس کا مؤثر ہونا بھی واضح ہے۔ موجودہ انتخابی عمل کا مجلس شوریٰ سے محروم ہونا، اسے غیر شفاف اور اسلامی تعلیمات کے منافی بناتا ہے۔ جہاں تک موجودہ پارلیمنٹ کا معاملہ ہے تو اسے کسی صورت اس مجلس شوریٰ کا نام نہیں دیا جا سکتا جس کا اسلام متقاضی ہے۔

ii. خواص کا ووٹ

اہل شوریٰ کے بعد ان لوگوں کی رائے ضروری ہے جو علم و عمل میں ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ یہ امتیاز اس لیے ضروری ہے کیونکہ اگر عالم و جاہل کے ووٹ کی قدر ایک جیسی ہوگی تو ممکن ہے کہ جہاں جہلاء زیادہ ہوں، وہاں کسی جاہل و مکار کا ہی انتخاب عمل میں آئے۔ ایسے بھیانک نتائج سے بچنے کے لیے عالم و جاہل کے ووٹ میں فرق کی ضرورت ہے۔ مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

"حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد جب کچھ لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بنانا چاہا تو انہوں نے کہا: تمہیں ایسا کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ یہ تو اہل شوریٰ اور اہل بدر کے کرنے کا کام ہے۔ جس کو اہل شوریٰ اور اہل بدر خلیفہ بنانا چاہیں گے وہی خلیفہ ہوگا، پس ہم جمع ہوں گے اور اس معاملے میں غور کریں گے۔" (خلافت و ملوکیت)[33]

یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل شوریٰ کے بعد اہل بدر کی رائے (ووٹ) کو اہمیت دی۔ دورِ حاضر کے انتخابی عمل کی اس کمی کے حوالے سے علامہ اقبال لکھتے ہیں:

اس راز کو اک مرد فرنگی نے کیا فاش
ہر چند کہ دانا اسے کھولا نہیں کرتے
جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں، تولا نہیں کرتے

یعنی جمہوریت میں عالم و جاہل سب کی رائے (ووٹ) برابر ہے اوراس انتخابی عمل کے ذریعے منتخب ہونے والے نمائندے کس کردار کے مالک تھے، 70 سالہ اخلاقی و معاشی پستی سے ظاہر ہے۔

خواص کی رائے (ووٹ) کی برتری کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ سیاست کے علاوہ ہر چھوٹے بڑے انتخابی عمل میں اسے دیکھا جا سکتا ہے۔ مثلاً اگر ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ نے اس سال 400 اساتذہ میں سے 20 کو ہیڈ ماسٹر کے عہدے پر ترقی دینی ہے تو وہ ایسا نہیں کریں گے کہ اپنے ڈیپارٹمنٹ کے چپڑاسی، مالی سے لے کر اوپر تک سب کو جمع کر کے ان کی رائے (ووٹ) لیں اور پھر جن اساتذہ کے حق میں سب سے زیادہ ووٹ ہوں انہیں ترقی دے دیں۔ بلکہ ڈیپارٹمنٹ کے چند خاص لوگ جمع ہوتے ہیں اور مشورہ کر کے قابلیت کے حامل اساتذہ کو ترقی دیتے ہیں۔ اگر بالفرض ڈیپارٹمنٹس میں بھی اسی طرز کو اپنایا جائے جو جمہوریت میں اپنایا جاتا ہے تو ملکی صورت حال کی طرح ہی کوئی بھیانک صورت سامنے آئے گی۔

ایسے میں دین پر ہر وقت تنقیدی نگاہ رکھنے والا یہ سوال اٹھا سکتا ہے کہ مغرب میں بھی تو یہی جمہوریت ہے پھر ان کی صورت حال کیسے بہتر ہے؟ گو کہ ان کی صورت حال تو یہاں سے بھی بدتر ہے لیکن پھر بھی اگر کسی کو مغرب کی مادی ترقی مرغوب کر رہی ہے تو اقبال نے اپنے کلام میں یہ فرق واضح کر دیا ہے:

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رُسولِ ہاشمی

iii. عوام کا ووٹ

عوام کا ووٹ تیسرے درجے میں آتا ہے۔ حالات کے مطابق اسے شامل بھی کیا جا سکتا ہے اور خارج بھی۔ اگر شامل کیا جاتا ہے تو اس کی اہمیت شوریٰ کی رائے (ووٹ) کے برابر کسی صورت نہیں ہونی چاہیے۔ بظاہر اس بات سے ناانصافی کی بو آتی ہے کہ عوام کو ان کے حق سے محروم کیا جا رہا ہے لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ عموماً ہوتا یہ ہے کہ عام

لوگ ذاتی تعلقات، ادنیٰ مفادات جیسے سڑک، نالی اور نلکا وغیرہ یا دیگر ظاہری معاملات کی بنیاد پر ووٹ دیتے ہیں جس کے نتیجے میں نااہل اور ظالم لوگ تخت نشین ہوتے ہیں اور بعد میں وہی عام لوگ ان کے ظلم کا شکار ہوتے ہیں۔ سو اس میں حقیقی فائدہ عوام کا ہی ہے۔

عوامی رائے کی جو جھلک خلافت راشدہ میں نظر آتی ہے وہ درج ذیل ہے:

"حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی وفات کے وقت خلافت کا فیصلہ کرنے کے لیے ایک انتخابی مجلس مقرر کی اور فرمایا: جو شخص مسلمانوں کے مشورے کے بغیر زبردستی امیر بننے کی کوشش کرے اسے قتل کر دو۔ اس کے ساتھ انہوں نے اپنے بیٹے کو خلافت کے استحقاق سے صاف الفاظ میں مستثنیٰ کر دیا تاکہ خلافت ایک موروثی منصب نہ بن جائے۔ (الطبری)

یہ انتخابی مجلس ان چھ اشخاص پر مشتمل تھی جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک قوم میں سب سے زیادہ بااثر اور مقبول عام تھے۔ اس مجلس نے آخر کار اپنے ایک رکن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ تجویز کرنے کا اختیار دے دیا۔ انہوں نے عام لوگوں میں چل پھر کر معلوم کرنے کی کوشش کی کہ عوام کا رجحان زیادہ تر کس شخص کی طرف ہے۔ حج سے واپس گزرتے ہوئے قافلوں سے بھی دریافت کیا۔ اس استصوابِ عام سے وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ اکثر لوگ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں ہیں۔" (خلافت وملوکیت)[34]

اس کے علاوہ غیر مسلموں کے بارے میں ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا موقف یہ ہے کہ انہیں خلیفہ کے انتخاب میں رائے (ووٹ) کا حق نہیں حاصل ہونا چاہیے اور وہ اسے دو قومی نظریہ سے بھی انحراف سمجھتے ہیں۔[35] (Global Social Sciences Review)

موجودہ سیاسی نظام میں صرف عوام کے ووٹ ہی سے انتخاب عمل میں آتا ہے اور اس میں عوام وخواص اور مسلم و غیر مسلم میں کسی طرح کی تفریق نہیں، جس کا بھیانک نتیجہ ہم ستر سال سے دیکھ رہے ہیں۔

تقسیم ووٹ کا طریقہ

ووٹ کی درجہ بندی تو ہو گئی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ عملی طور پر ممکن بھی ہے؟ اور اس کا طریقہ کار کیا ہو گا؟

مسائل اپنی جگہ مگر اس بات میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ دورِ جدید نے انسان کے لیے وہ آسانیاں پیدا کی ہیں جو پچھلے اَدوار میں میسر نہ تھیں۔ اور جہاں تک مسائل کا معاملہ ہے وہ بھی انسان ہی کے پیدا کردہ ہیں۔ انہی آلات و ایجادات کو بھلائی کی ترویج اور آسانیاں باٹنے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے جو آج ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے اور عزتیں اچھالنے کے لیے استعمال ہو رہے ہیں۔ اسی طرح انتخابی عمل کو شفاف بنانے کے لیے جدید آلات کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔ انتخابی مجلس، خواص اور عوام کے ووٹ کے Weightage کا تعین اہل علم مشاورت کے ساتھ کر سکتے ہیں۔ رہنمائی کے لیے ایک خاکہ پیشِ خدمت ہے:

ووٹ کی تقسیم یوں کی جا سکتی ہے کہ تینوں طبقات کو درجہ کے لحاظ Weightage دی جائے۔ مجلس شوریٰ کی رائے (ووٹ) کو 40 فی صد، خواص کی رائے (ووٹ) کو 35 فی صد اور عوام کی رائے (ووٹ) کو 25 فیصد Weightage دی جا سکتی ہے۔

خواص اور عوام کے ووٹ کے لیے تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ طریقہ وہی رہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ جہاں ایک ہی پولنگ سٹیشن میں MNA اور MPA کے لیے علیحدہ علیحدہ بیلٹ بکس ہوتے ہیں وہاں عوام اور خواص کے لیے بھی علیحدہ علیحدہ بیلٹ بکس رکھے جا سکتے ہیں۔ بس اس کے لیے پولنگ عملے کو بڑھانے کی ضرورت پڑے گی۔

جہاں تک مجلس شوریٰ کا معاملہ ہے تو وہ علم، تقویٰ اور قابلیت وغیرہ کی بنیاد پر نمائندگان کی درجہ بندی کر سکتی ہے۔ یقیناً اس کے لیے ایک مکمل ضابطہ کار ترتیب دیا جائے گا لیکن یہاں اس کا بیان مقصود نہیں ہے۔

یہ طریقہ کار بھی اس صورت میں ممکن ہے جب اسلامی نظام قائم ہو اور لوگوں کی اکثریت میں اللہ کا تقویٰ پایا جاتا ہو۔ موجودہ حالات میں یہ طریقہ کار انتخابی عمل کو مزید پیچیدہ بنا دے گا اور دھاندلی کرنے والوں کے لیے اور آسانیاں پیدا ہو جائیں گی۔

6۔ووٹر کی آزادی

آزادی سے مراد یہ ہے کہ حکمرانی کے نمائندگان میں سے ووٹر جسے شریعت کے تقاضوں کے مطابق بہتر سمجھیں، بلا خوف و خطر اسے ووٹ دیں۔ موجودہ نظام یہ آزادی مہیا کرنے میں ناکام رہا ہے۔ پاکستان میں اکثر ووٹر کسی نہ کسی دباؤ میں آکر ووٹ ڈالتے ہیں۔ کسی پر خاندان کا دباؤ ہوتا ہے، کوئی معاشی تنگی کی وجہ سے مجبور ہو کر ووٹ بیچتا ہے اور کسی کو سیاسی پارٹیوں کے ظلم و جبر کا خوف، ان کے حق میں رائے (ووٹ) دینے پر مجبور کرتا ہے۔ ایسے حالات میں کبھی بھی اچھی قیادت برسرِ اقتدار نہیں آسکتی۔

ذاتی مشاہدے کی بات ہے کہ حالیہ الیکشن (8 فروری 2024) میں میرے آبائی گاؤں کی اکثریت نے سماجی دباؤ کی وجہ سے پاکستان مسلم لیگ (ن) کو ووٹ دیا اور یہ دباؤ اس قدر زیادہ تھا کہ مجھے معلوم ہوا کہ تحریک لبیک پاکستان کی طرف سے کوئی پولنگ ایجنٹ بیٹھنے کے لیے بھی تیار نہ ہوا۔ میری چند اقرباء اور اسلام پسندی کے دعویداروں سے بات ہوئی تو کسی نے مصروفیت کا بہانہ لگالیا تو کسی نے کہا کہ ہم تحریک لبیک پاکستان کو ووٹ دے دیں گے لیکن سامنے آکر ہم دشمنی نہیں مول لے سکتے۔

اب یہ ایک گاؤں یا حلقے کی بات نہیں بلکہ گھر گھر، شہر شہر کا یہی معاملہ ہے۔ لوگ اپنی رائے (ووٹ) دینے میں آزاد نہیں ہیں۔ مولانا مودودیؒ ووٹر کی آزادی کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "لوگ بیعت کرنے یا نہ کرنے کے معاملے میں پوری طرح آزاد ہوں اور جب تک کسی کو لوگوں کی آزادانہ رضامندی سے بیعت حاصل نہ ہو جائے وہ برسرِ اقتدار نہ آئے۔" (خلافت وملوکیت)[36]

ڈاکٹر اسرار احمد کہتے ہیں:

> "(اسلامی) جمہوریت تب تک نہیں آئے گی جب تک کہ عوام میں معاشی مساوات نہ ہو۔ اس معاشی انصاف کے بعد جب عام عوام کو بیلٹ پیپر ملے گا تو وہ خود انتخاب کر سکیں گے کہ کس کو ووٹ دینا ہے۔"

(Global Social Sciences Review)[37]

7۔خواتین کی شمولیت

چند استثنات کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام انسان برابر ہیں اور ان میں اگر فضیلت ہے تو تقویٰ کی بنیاد پر۔ لیکن اس کا ہر گز یہ مطلب نہیں کہ اگر الیگزینڈر گراہم بیل نے ٹیلی فون ایجاد کیا ہے تو یہ صلاحیت تمام انسانوں میں پائی جانی چاہیے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو اعتدال پر رکھا ہے اور یہ اعتدال اسی تفاوت کی وجہ سے قائم ہے جو لوگوں میں پایا جاتا ہے۔ اگر تمام انسانوں کو تمام صلاحیتیں دے دی جاتی تو باہمی ربط (جو ضرورتوں سے قائم ہے) ختم ہو جاتا۔ اور اگر تمام لوگوں کو چند سانجھی صلاحیتیں دے کر مساوات قائم کر دی جاتی تو انسان دیگر ضرورتوں کے لیے کس در پہ دستک دیتا؟ اللہ تعالیٰ نے کسی میں ایک صلاحیت رکھی، تو کسی میں دوسری تاکہ توازن برقرار رہے۔

یہی معاملہ مرد و عورت کا ہے۔ بعض ایسے کام ہیں جو عورت کر سکتی ہے مگر مرد نہیں کر سکتا اور بعض کام مرد کر سکتا ہے، عورت نہیں کر سکتی۔ یہ دو جمع دو کی طرح واضح بات ہے۔ لیکن اسلامی نظام کی راہ میں رکاوٹ کھڑی کرنے کے لیے مغربی دانشوروں نے جو پناہ گاہیں ڈھونڈیں، حقوقِ نسواں ان میں سے ایک ہے۔ یعنی حقوق نسواں کے نام پر اسلامی ممالک کو سیکولر ازم کی طرف لایا جائے اور دوسرا مذہبی فکر رکھنے والے گروہوں کو اس بنیاد پر تنقید کا نشانہ بنایا جائے۔ مثلاً 2021ء میں افغانستان سے امریکہ کے انخلا کے بعد طالبان کو "حقوقِ نسواں" کے بارے میں سب سے زیادہ الزامات اور دھمکیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ حتیٰ کہ مارچ 2023ء میں "او آئی سی" کانفرنس میں طالبان پر دباؤ ڈالا گیا کہ وہ حقوق نسواں کا خیال رکھیں اور اس بات کا بھی اعلان کیا گیا کہ حقوق نسواں کے معاملے میں طالبان سے بات چیت کے لیے علماء کو افغانستان بھیجا جائے گا۔(Firstpost) [38]

حقیقت یہ ہے کہ جو پوری دنیا میں مسلمانوں کا قتلِ عام کر رہے ہیں انہیں افغانستان کی عورتوں کے حقوق کی فکر کیسے لاحق ہو گئی ہے۔ یہ دراصل مذہبی گروہوں کے خلاف پناہ گاہیں ہیں جہاں سے باطل قوتیں باآسانی ان پر حملہ آور ہوتی ہیں اور ساتھ دیگر بے شعور مسلمانوں کی حمایت بھی پاتی ہیں۔ جمہوریت کے حوالے سے حقوقِ نسواں کی پناہ گاہ کو خوب استعمال کیا گیا ہے اور اس کے دباؤ کا اثر الیکشن کمیشن آف پاکستان کے Code of

Conduct میں بھی نظر آتا ہے۔ الیکشن کمیشن آف پاکستان کی جانب سے 17 اگست 2022 کو سیاسی پارٹیوں کے لیے Code of Conduct جاری کیا گیا جس کی شق نمبر 6 میں مذکور ہے:

> "The political parties shall emphasize and encourage women participation in election process."(ECP)[39]

> "سیاسی جماعتیں انتخابی عمل میں خواتین کی شرکت پر زور دیں اور ان کی حوصلہ افزائی کریں۔"

اس کے علاوہ الیکشن ایکٹ 2017 کے سیکشن 206 کے مطابق کسی بھی سیاسی جماعت کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ جنرل سیٹوں میں سے 5 فیصد کی نمائندگی خواتین کو دے۔ اسی سے متعلق سیاسی جماعتوں کے سربراہان کو سرٹیفکیٹ بھی جمع کروانا پڑتا ہے جس کے مطابق اگر کوئی جماعت خواتین کو 5 فیصد نمائندگی دینے میں ناکام رہے گی، اسے انتخابی نشان نہیں دیا جائے گا۔

ہو سکتا ہے کہ کسی کے ذہن میں یہ خیال گزرے کہ اس میں تو کوئی غیر شرعی بات نہیں بلکہ عین شریعت ہے کیونکہ اسلام نے عورتوں کے حقوق پر خود بہت زور دیا ہے۔

بلاشبہ اسلام عورتوں کے حقوق پر بہت زور دیتا ہے، لیکن کیا اس قانون سے مقصود اللہ تعالیٰ کے حکم کی پاسداری ہے یا کسی دنیوی خدا کی پوجا؟ اگر قانون واقعی اللہ تعالیٰ کے حکم کی پاسداری کر رہا ہے تو پھر یہ بھی کیوں شامل نہیں کر دیا جاتا کہ بغیر داڑھی کے مردوں اور بغیر حجاب کے خواتین کو انتخاب نہیں لڑنے دیا جائے گا اس لیے کہ یہ تو فرائض یا سنت میں سے ہے جبکہ عورت کی حکومت میں شمولیت یا تو منع ہے یا ناپسندیدہ ہے۔ اس حرام یا ناپسندیدہ کام کو تو الیکشن کمیشن فرض قرار دے رہا ہے جبکہ داڑھی یا حجاب جو کہ فرائض و سنت میں سے ہیں، ان کے بارے میں بالکل خاموش ہے۔ بلکہ غیر مکتوب قانون کے مطابق داڑھی نہ رکھنا پسندیدہ ہے۔ اس لیے ہمیں اس باطل نظام کی چکنی چپڑی باتوں اور دھوکوں سے آگے نکل کر معاملات کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ دل کے آئینے کو شریعت کے پانیوں میں پاک کر کے دیکھنے والا دیکھ لے گا کہ اس نظام کا ایک ایک عمل اللہ تعالیٰ کے خلاف کھلی بغاوت ہے۔

اندرونی و بیرونی طاقتوں کے الزامات سے بچنے اور ان کی حمایت حاصل کرنے کے لیے کئی مذہبی جماعتوں نے خواتین کی شمولیت کے لیے دلائل تراش لیے ہیں۔ ان جماعتوں میں موجود کئی خواتین الیکشن میں باقاعدہ حصہ لیتی ہیں اور اگر کوئی سیاسی جماعت ایسا کرنے سے برملا انکار کر دے تو انتہا پسندی کے الزامات اس جماعت کو غیر مؤثر بنا دیں گے یا وہ جماعت کالعدم قرار دے دی جائے گی۔ ایسے میں کوئی بھی جماعت شریعت کے تقاضوں کو پس پشت ڈالے بغیر انتخابی دنگل میں نہیں اتر سکتی اور اگر اسے اجازت مل بھی گئی تو وہ غیر مؤثر رہے گی۔

جہاں تک عورتوں کی حکمرانی (الیکشن لڑنے) کا تعلق ہے تو علماء کرام کی اکثریت نے قرآن و حدیث کی روشنی میں اسے ممنوع قرار دیا ہے۔ اسے جائز قرار دینے والے شاذ اور ان کے دلائل کمزور ہیں۔

قرآن کریم کی درج ذیل آیات سے علماء کرام حکمرانی کا جواز مرد کے حق میں ثابت کرتے ہیں:

"اور نہیں بھیجے ہم نے اس سے پہلے رسول مگر مرد جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے۔ پس پوچھ لو (اے انکار کرنے والو) علم والوں سے اگر تم نہیں جانتے۔" (النحل:43)

"مرد حکمران ہیں عورتوں پر، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔" (النساء:34)

اس آیت کی تفسیر میں ابن کثیر لکھتے ہیں:

"جناب باری ارشاد فرماتا ہے کہ مرد عورت کا حاکم، رئیس اور سردار ہے۔ ہر طرح سے اس کا محافظ و معاون ہے اسی لیے کہ مرد عورتوں سے افضل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نبوت ہمیشہ مردوں میں رہی، بعینہ شرعی طور پر خلیفہ بھی مرد ہی بن سکتا ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں: وہ لوگ کبھی نجات نہیں پاسکتے جو اپنا والی (حکمران) کسی عورت کو بنائیں۔ (بخاری) اسی طرح ہر طرح کا منصب قضاو غیرہ بھی مردوں کے لائق ہی ہیں۔" (تفسیر ابن کثیر)[40]

مولانا امین احسن اصلاحی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"گھر کی ریاست کا سربراہ مرد ہے: گھر کی چھوٹی سی وحدت بھی، جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا، ایک چھوٹی سی ریاست ہے۔ جس طرح ہر ریاست اپنے قیام و بقا کے لیے ایک سربراہ کی محتاج ہوتی ہے اسی طرح یہ ریاست بھی ایک سربراہ کی محتاج ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ اس ریاست میں سربراہی کا مقام مرد کو حاصل ہو یا عورت کو؟" (تدبر القرآن)[41]

جب گھر کی چھوٹی سی ریاست (جس میں عموماً آٹھ دس لوگ ہوتے ہیں) کی سربراہی مرد کو سونپی جا رہی ہے تو پھر کسی علاقے یا ملک کی سربراہی کیسے کسی عورت کو سونپی جا سکتی ہے!

اسی طرح سورۃ النمل میں اللہ رب العزت نے ملکہ بلقیس کی حکمرانی کا ذکر کیا ہے:

"(ہدہد کہنے لگا:) میں نے دیکھا کہ ان کی بادشاہت ایک عورت کر رہی ہے، جسے ہر قسم کی چیز سے کچھ نہ کچھ دیا گیا ہے اور اس کا تخت بھی بڑی عظمت والا ہے۔" (النمل:23)

اس آیت کی تفسیر میں مولانا صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

"یعنی ہدہد کے لیے بھی یہ امر باعث تعجب تھا کہ سبا میں ایک عورت حکمران ہے۔ لیکن آج کل کہا جاتا ہے کہ عورتیں بھی ہر معاملے میں مردوں کے برابر ہیں۔ اگر مرد حکمران ہو سکتا ہے تو عورت کیوں نہیں ہو سکتی، حالانکہ یہ نظریہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ عورت کی سربراہی کے عدم جواز پر قرآن و حدیث میں واضح دلائل موجود ہیں۔" (احسن البیان)[42]

قرآن کریم کے علاوہ عورتوں کی حکمرانی کی حرمت درج ذیل احادیث سے بھی ثابت ہوتی ہے:

- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تمہارے حکمراں، تمہارے اچھے لوگ ہوں اور تمہارے مالدار لوگ، تمہارے سخی لوگ ہوں اور تمہارے کام باہمی مشورے سے ہوں تو زمین کی پیٹھ تمہارے لیے اس کے پیٹ سے بہتر ہے۔ اور جب تمہارے حکمران تمہارے

برے لوگ ہوں، اور تمہارے مالدار تمہارے بخیل لوگ ہوں اور تمہارے کام عورتوں کے ہاتھ میں چلے جائیں تو زمین کا پیٹ تمہارے لیے اس کی پیٹھ سے بہتر ہے۔" (الترمذی)[43]

- حضرت ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ جنگ جمل کے موقع پر میں ارادہ کر چکا تھا کہ اصحابِ جمل، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور آپ کے لشکر کے ساتھ شریک ہو کر (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی) فوج سے لڑوں، مگر اس وقت وہ جملہ میرے کام آ گیا جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا۔ انہوں نے بیان کیا کہ جب نبی کریم ﷺ کو معلوم ہوا کہ اہل فارس نے کسریٰ کی لڑکی کو وارث تخت و تاج بنایا ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی جس نے اپنا حکمران کسی عورت کو بنایا ہو۔" (البخاری)[44]

اگر دین کو بالائے طاق رکھ کر صرف منطقی پہلو سے ہی اسے دیکھا جائے تو عورت حکمرانی کے لیے موزوں نہیں، اس کی روحانی و جسمانی کمزوریاں حکومت کی فرائض دہی میں بڑی رکاوٹ بن سکتی ہیں۔ اس کی عملی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ مغربی قوتوں نے جہاں دنیا بھر کے مسلمانوں کو اس دوڑ میں لگایا، وہاں پاکستان بھی پیچھے نہیں رہا بلکہ صف اول میں نظر آتا ہے۔ اب پاکستان میں بھی تقریباً ہر شعبہ میں آپ کو خواتین نظر آئیں گی۔ اس غیر شرعی تبدیلی کے مسائل آپ کو ٹیلی وژن و اخبارات میں نہیں نظر آئیں گے کیونکہ مواصلاتی نظام سارا کنٹرولڈ ہے۔ اس سے متعلقہ مسائل آپ ان لوگوں سے جان سکتے ہیں جو کسی مخلوط کمپنی یا شعبہ میں کام کرتے ہیں۔ مثلاً دیگر شعبوں کی طرح پاک فوج میں بھی خواتین کو شامل کیا گیا۔ جنرل (ریٹائرڈ) پرویز مشرف کے دور (2007) میں پاک فوج میں لیڈی آفیسرز کی باقاعدہ بھرتی شروع ہوئی اور اب تک جاری ہے۔ بطور فوجی متعدد کام ایسے ہیں جو ایک خاتون اس طریقے سے نہیں کر سکتی جس طرح مرد کر سکتا ہے۔ اس لیے لیڈی آفیسرز کے حصے کے بھی بعض کام میل آفیسرز کو کرنے پڑتے ہیں۔ اس وجہ سے مرد آفیسرز پر کام کا بوجھ بڑھ جاتا ہے۔

دو سال قبل (2021ء میں) مجھے ایک بنگلہ دیشی طالب علم کے ساتھ وقت گزارنے کا موقع ملا۔ میری اس سے تقریباً روزانہ مختلف موضوعات پر بات ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ تمام ساتھی طالب علم کسی تقریب پر جمع تھے تو ان میں سے کسی نے افواہ پھیلائی کہ ہمارے ادارے میں بھی خواتین کا داخلہ شروع کیا جارہا ہے۔ اس پر کئی طالب علموں نے تبصرہ کیا اور اپنی نیک خواہشات کا اظہار کیا کہ میں ان کے ساتھ یہ کروں گا، تو وہ کروں گا۔ پچھلی نسل کے لیے شاید یہ کوئی معیوب بات ہو لیکن نسل نو، جو فلمیں اور ڈرامے دیکھ کر پروان چڑھی ہے، ان کے لیے یہ عام بات ہے۔ آج شاید ہی کوئی محفل عورتوں کے ذکر سے خالی ہو۔ خیر ساتھی طالب علموں کی ان خواہشات کو سن کر میرے اندر یہ آرزو پیدا ہوئی کہ Feminism پر کتاب لکھوں اور دنیا کے سامنے شریعت کی پابندیوں کی حکمت واضح کروں۔ میں نے اس پر کام شروع کیا لیکن مصروفیت کے باعث وہ ادھوری رہ گئی۔ اسی ضمن میں، بنگلہ دیشی طالبعلم سے بھی میری گفتگو ہوئی۔ اس نے مجھے بتایا کہ "یو این مشن" کے لالچ میں بنگلہ دیشی فوج نے خواتین سپاہیوں کو بھی بھرتی کیا لیکن اب انہیں سمجھ نہیں آرہی کہ اس مسئلے کو کیسے سلجھائیں۔ مسائل کی ایک طویل فہرست اس نے مجھے سنائی اور بتایا کہ اب فوج نے یہ کیا ہے کہ انہیں صرف دفتری کام (کلرک) تک محدود کر دیا ہے لیکن اس میں بھی بہت سے مسائل پیش آرہے ہیں۔

الغرض مرد و عورت میں مساوات بظاہر کارِ خیر معلوم ہوتا ہے لیکن عملی طور پر ایسے ہی ہے جیسے کوئی پرندے کو پانی میں ڈال کر مچھلیوں کے مساوی کرنے کی کوشش کرے۔ یہ پرندے کی کوئی عزت افزائی نہیں بلکہ ہلاکت ہے۔ عورت کو مرد کے ساتھ لا کھڑا کرنا بھی دراصل عورت کی ہلاکت ہے۔ ان واضح حقائق کے باوجود بھی خواتین کی شمولیت کو ضروری قرار دیا گیا ہے اور مزید افسوس یہ کہ ان مسائل پر کوئی مذہبی جماعت بھی آواز نہیں اٹھاتی۔

8۔ وزیر اعظم کا انتخاب

آئین پاکستان کے آرٹیکل 91، شق 4 کے مطابق وزیر اعظم اکثریت کی رائے شماری سے منتخب ہو گا۔

"وزیر اعظم کا انتخاب قومی اسمبلی کی کل رکنیت کی اکثریت کے ووٹوں سے کیا جائے گا: بشر طیکہ، اگر کوئی رکن بھی پہلے پول میں اکثریت حاصل نہیں کرتا، تو پھر پہلے پول میں دو سب سے زیادہ ووٹ حاصل کرنے والے اراکین کے درمیان دوسرا پول کرایا جائے گا اور جو رکن، اسمبلی میں حاضر اراکین کی اکثریت کا ووٹ حاصل کرے گا، اسے پرائم منسٹر کے طور پر منتخب کیا جائے گا۔ مزید یہ ہے کہ جو سب سے زیادہ ووٹ حاصل کرتے ہیں، اگر دو یا دو سے زیادہ اراکین کے حاصل کردہ ووٹوں کی تعداد برابر ہے تو ان کے درمیان اس وقت تک مزید پول کرائے جائیں گے جب تک کہ ان میں سے کوئی ایک اکثریت ووٹ نہ حاصل کرلے۔"

اب بظاہر تو یہ طریقہ درست معلوم ہوتا ہے کہ پہلے پولنگ کے ذریعے عوام کے نمائندگان منتخب کیے جاتے ہیں اور پھر ان منتخب نمائندگان کی رائے (ووٹ) سے وزیر اعظم کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ لیکن اگر ہم حقیقت کے آئینے میں دیکھیں تو موجودہ ناقص انتخابی عمل (جس پر تفصیلی بات ہو چکی) سے منتخب ہونے والے نمائندگان کی رائے (ووٹ) کے ذریعے کبھی کوئی متقی شخص وزیر اعظم نہیں بن سکتا بلکہ ووٹ اسی کے حق میں جائے گا جو سب سے بڑا بدمعاش اور فراڈیہ ہو گا اور جانتا ہو گا کہ لالچ و دھمکی کے ذریعے کیسے اکثریت کا ووٹ حاصل کرنا ہے۔

باب سوم

پاکستان میں جمہوری حکومت کے مسائل

دین کے نام پر بننے والے ملک پاکستان میں 76 سالوں سے نہ کوئی دینی جماعت برسرِ اقتدار آسکی اور نہ ہی دین تخت پر آسکا۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس نظام کی ساخت ایسی ہے کہ کوئی مذہبی جماعت اس میں نہیں ڈھل سکتی جب تک کہ ضروری تراش خراش نہ کرلے یعنی دین کو اس باطل نظام کے تابع نہ کرلے۔ نظام جس بات کا حکم دے اسے اپنالے چاہے وہ عند اللہ کتنا ہی بڑا گناہ ہو اور جس کے چھوڑنے کا کہے اسے بلا چوں و چراں ترک کردے چاہے وہ اللہ کے ہاں کتنا ہی اہم ہو۔

اس سب کے باوجود اگر کوئی جماعت آدھے پونے دین پر عمل کرتے ہوئے اقتدار میں آجاتی ہے تو کیا اس کے لیے ممکن ہو گا کہ وہ اس نظام کو بدل سکے؟ حقائق کی بنیاد پر اگر دیکھا جائے تو جواب نفی میں ملتا ہے۔ اس کی درج ذیل وجوہات ہیں:

1۔ بین الاقوامی مداخلت

امریکہ اور دیگر طاغوتی طاقتوں کی اوّلین کوشش تو یہ رہتی ہے کہ دنیا کے کسی ملک میں ایسی جماعت برسر اقتدار نہ آئے جو ان کی وفادار اور فرمانبردار نہ ہو۔ لیکن اگر مخالفت کے باوجود بھی ایسا ہو جائے تو ایسی صورت میں اگلا لائحہ عمل بھی ان کے پاس موجود ہے۔ ہر ملک کے لیے انہوں نے علیحدہ علیحدہ منصوبہ بندی کر رکھی ہے۔ United States Institute of Peace کی ایک رپورٹ سے یہ بات واضح ہوتی ہے جس میں ادارہ امریکی حکام کو گزارشات پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"In the vast and diverse Muslim world it will be necessary for the U.S. government to develop

country-specific plans to promote democracy." (Islam and Democracy)[45]

"وسیع اور متنوع مسلم دنیا میں امریکی حکومت کے لیے جمہوریت کو فروغ دینے کے لیے ہر ملک کے لیے علیحدہ منصوبہ تیار کرنا ضروری ہو گا۔"

یہ بھی عام فہم بات ہے کہ ایک چھڑی سے ہر کسی کو نہیں ہانکا جا سکتا۔ مثلاً سیکولر حکومت والا کلیہ باقی اسلامی ممالک میں تو چل گیا لیکن افغانستان میں کامیاب نہ ہو سکا۔ آخر امریکہ کو فوجی طاقت کا ستعمال کرنا پڑا اور یہ حربہ بھی ناکام رہا۔ 20 سال کی مسلسل ناکامی کے بعد شرمندگی کی لعنت ماتھے پر لیے دنیا کی سپر پاور کو واپس لوٹنا پڑا۔ اب سیاسی و معاشی دباؤ کے ذریعے وہ افغانستان کو قابو کرنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔ یہ تمام تر حربے امریکی Think Tanks کے تجویز کردہ ہیں۔ ایک رپورٹ ملاحظہ ہو:

"Western countries can also apply economic and political pressure on these authoritarian regimes to encourage fundamental change." (Islam and Democracy)[46]

"مغربی ممالک بنیادی تبدیلی کی حوصلہ افزائی کے لیے ان آمرانہ حکومتوں پر معاشی اور سیاسی دباؤ بھی ڈال سکتے ہیں۔"

مغربی نظریات کے فروغ، دینی انقلاب کی روک تھام اور وفاداری کی بحالی کے لیے سیکولر حکومتوں کی مالی معاونت بھی امریکی منصوبہ کا حصہ ہے۔

United States Institute of Peace حکومت کو گزارشات پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"Provide governments and other key interest groups in Muslim societies with incentives to encourage democratic reforms." (Islam and Democracy)[47]

"حکومتوں اور مسلم معاشروں میں دیگر اہم مفاد پرست گروہوں کو جمہوری اصلاحات کی حوصلہ افزائی کے لیے مراعات فراہم کریں۔"

"Increase substantially both the proportion and the amount of U.S. foreign assistance that is spent on promoting democracy in the Muslim world."(Islam and Democracy)[48]

"مسلم دنیا میں جمہوریت کے فروغ پر خرچ ہونے والی امریکی غیر ملکی امداد کے تناسب اور رقم دونوں میں خاطر خواہ اضافہ کریں۔"

اور اس منصوبہ میں کامیابی کو یقینی بنانے کے لیے مزید لکھتے ہیں:

"To succeed the United States must demand accountability from the recipient governments."

(Islam and Democracy)[49]

"کامیابی کے لیے امریکہ کو امداد وصول کرنے والی حکومتوں سے جواب دہی کا مطالبہ کرنا چاہیے۔"

"The United States should make great efforts to promote effective regional mechanisms of accountability within existing regional institutions like the Organization of the Islamic Conference and the League of Arab States." (Islam and Democracy)[50]

"موجودہ علاقائی اداروں کے ذریعے امریکہ کو احتساب کے مؤثر علاقائی میکانزم کو فروغ دینے کے لیے بھرپور کوششیں کرنی چاہئیں جیسے او آئی سی اور عرب لیگ۔"

عالمی طاقتوں کی منصوبہ بندی کے اس آئینے میں اگر ہم پاکستان کو دیکھیں تو وہی تصویر سامنے آتی ہے جو 2004ء میں ڈاکٹر طاہر القادری نے نیشنل اسمبلی سے استعفاء دیتے ہوئے پیش کی تھی۔ آپ لکھتے ہیں:

It is a sad fact that Pakistan has become Washington's newest gendarme in the Muslim world. Every step of ours has been taken to please Washington, by providing military bases, sharing intelligence information, allowing U.S.

intelligence personnel and security officers to act on the soil of Pakistan etc. What is more incredible is that Pakistan foreign policies are discussed and decided at American headquarters and the members of the National Assembly only become aware of the decisions, through T.V. and Press reports of the next day alongside the rest of the 140 million people of Pakistan. Pakistan has indeed become a client state of America and none dare object or question this servitude.

(Minhaj ul Quran)[51]

"یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ پاکستان مسلم دنیا میں واشنگٹن کا جدید ترین اتحادی بن گیا ہے۔ ہمارا ہر قدم واشنگٹن کو خوش کرنے کے لیے اٹھایا گیا ہے، فوجی اڈے فراہم کر کے، انٹیلی جنس معلومات کا تبادلہ، امریکی انٹیلی جنس اہلکاروں اور سیکیورٹی افسران کو پاکستان کی سرزمین پر کارروائی کرنے کی اجازت دینا وغیرہ۔ اس سے بھی زیادہ حیران کن بات یہ ہے کہ پاکستان کی خارجہ پالیسی پر امریکی ہیڈ کوارٹر میں بحث ہوتی ہے اور وہیں اسکا فیصلہ ہوتا ہے۔ اور ممبران قومی اسمبلی کو پاکستان کے باقی 140 ملین عوام کے ساتھ اگلے دن کی ٹی وی اور پریس رپورٹس کے ذریعے صرف فیصلوں کا علم ہوتا ہے۔ پاکستان حقیقتاً امریکہ کی کلائنٹ سٹیٹ بن چکا ہے اور کسی کو اس غلامی پر اعتراض یا سوال کرنے کی ہمت نہیں ہے۔"

مذکورہ بالا دلائل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امریکہ حکومتوں کو بنانے اور گرانے میں مداخلت کرتا ہے۔ مختصراً اگر بات کی جائے تو امریکہ کی پاکستان کے حوالے سے غیر مکتوب خارجی پالیسی یہ ہے کہ پاکستان کو اس قدر زندہ رکھا جائے کہ دو بڑی اسلامی طاقتوں (ایران اور افغانستان) جن سے طاغوتی طاقتوں کو سب سے زیادہ خطرہ ہے، کے خلاف بوقتِ ضرورت استعمال کیا جاسکے۔ دوسری طرف اسے اتنا مقروض کر دیا جائے کہ کبھی ہمیں (امریکہ کو) آنکھیں نہ دکھا سکے بلکہ ہماری ہاں میں ہاں ملانا اس کی مجبوری بن جائے۔

اس کے علاوہ پاکستانی عوام بے عمل سہی لیکن ان میں اسلام کی شدید محبت پائی جاتی ہے۔ اس لیے طاغوتی طاقتیں یہ سمجھتی ہیں کہ مذہبی انقلاب کو اگر کسی ادارے کے ذریعے روکا جا سکتا ہے تو وہ پاک فوج ہے۔ اس مفاد کے پیشِ نظر امریکہ پاک فوج کو مضبوط رکھنے کے ساتھ ساتھ اسے زیرِ اثر رکھنا چاہتا ہے، جس میں ابھی تک وہ کامیاب رہا ہے۔ طوالت سے بچنے کے لیے محدود نکات پیش کیے گئے ہیں ورنہ بے شمار حقائق شواہد کے طور پر موجود ہیں۔ امریکی حکام اور ادارے جب خود اس بات کو قبول کر رہے ہیں پھر کوئی کبوتر کی مانند آنکھیں بند کر کے اطمینان سے بیٹھا رہے، ہلاکت سے نہیں بچ سکتا۔

2۔ حزبِ اختلاف کا منفی کردار

جمہوریت میں حزبِ اقتدار، عوام کی نمائندہ ہوتی ہے اور ان کا فیصلہ قوم کا فیصلہ ہوتا ہے۔ اسی طرح حکومت کی پالیسیوں اور اقدامات کے جائزے و تعمیری تنقید میں حزب اختلاف عوام کی نمائندگی کرتی ہے۔ اور یہ طریقہ کار اپنی اصل کے اعتبار سے غیر شرعی نہیں ہے۔

دورِ خلافت راشدہ کا واقعہ ہے:

"سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کچھ کپڑے آئے جنہیں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں تقسیم کیا گیا اور ہر آدمی کو ایک ایک کپڑا ملا۔ چند دن بعد آپؓ منبر پر کھڑے خطبہ دے رہے تھے اور آپ نے ان تقسیم کردہ کپڑوں کا جوڑا پہن رکھا تھا۔ آپ فرما رہے تھے (اپنے امیر اور حاکم کی) بات سنو، اور اطاعت شعار بنو، تو سیدنا سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے کہ ہم تو نہیں سنیں گے۔ سیدنا عمر نے پوچھا: اے ابو عبد اللہ! سمع و طاعت سے انکار کس لیے؟ سیدنا سلمان کہنے لگے: جناب جو کپڑے تقسیم کیے گئے وہ سب کو ایک ایک کپڑا ملا جبکہ اس وقت آپ نے ان کپڑوں کا جوڑا زیب تن کر رکھا ہے۔ سیدنا فاروقؓ نے اپنے صاحبزادے جناب عبد اللہ کو کہا: بیٹا تجھے قسم دے کر کہتا ہوں بتاؤ کہ یہ جو دوسرا کپڑا اس وقت میں نے پہن رکھا ہے، یہ وہی ہے جو تیرے حصہ میں آیا تھا (اور میں نے تجھ سے لے لیا؟) عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تصدیق

کی کہ ہاں یہ وہی کپڑا ہے۔ یہ سن کر سیدنا سلمانؓ کہنے لگے: اب ٹھیک ہے، ہم آپ کی بات سنیں گے بھی اور اطاعت بھی کریں گے۔" (ابن قتیبہ دینوری۔ المتوفی 276ھ)[52]

دورِ عمر کے اس واقعہ میں سیدنا سلمانؓ قائد حزبِ اختلاف کی صورت میں دکھائی دے رہے ہیں۔

لیکن پاکستان کی موجودہ سیاست میں جیسے حزبِ اقتدار کے لیے کوئی مؤثر پیمانہ نہیں جو اہل علم اور متقی لوگوں کو آگے لے کر آئے، اسی طرح کا معاملہ حزبِ اختلاف کا بھی ہے۔ پس حزبِ اقتدار اور حزبِ اختلاف میں ذاتی مفادات کی جنگ جاری رہتی ہے جس سے ان سرمایہ داروں کا تو کچھ نہیں جاتا لیکن ملک و قوم کے حالات بد سے بدتر ہوتے چلے جاتے ہیں۔

دوسرا یہ کہ ان سرمایہ داروں کے علاوہ اگر کوئی کسی بھی طرح اقتدار میں آجاتا ہے تو کیا اس کے لیے یہ ممکن ہوگا کہ زیادہ دیر حکومت کر سکے؟ تو موجودہ حالات اور ماضی کے نشانات کہہ رہے ہیں کہ نہیں، اِلّا یہ کہ فرعونِ دوراں کے نظریے کو تسلیم کیا جائے اور دریا کے رخ بہا جائے۔

اس ضمن میں واضح مثال پاکستان کے سابق پرائم منسٹر عمران خان کی ہے۔ گو کہ میں سمجھتا ہوں کہ وہ اس اہل نہیں تھے کہ کوئی بڑی تبدیلی لاسکتے۔ ان کا ہر تقریر میں "اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" کا ورد کرنا اور جب ناموس رسالت ﷺ کے معاملے میں عمل کی باری آئی تو کہنے لگے کہ اگر ہم نے فرانس کے سفیر کو ملک بدر کیا تو یورپی یونین ہم سے ناراض ہو جائے گی اور ملک غریب ہو جائے گا۔ کاش ان کے جیالے، انہیں اس وقت "اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" کا درس یاد کراتے۔ خان صاحب ملکی سطح پر گستاخی کرنے والے ملک "فرانس" کا تو کچھ نہ کر سکے لیکن اپنے نبی ﷺ کی حرمت کا پاس رکھنے کے لیے نکلنے والے اپنے ہی مسلمان شہریوں کا قتل عام ضرور کیا۔

جہاں تک عمران خان صاحب کے خلاف "Vote of no-confidence" کا معاملہ ہے تو یہ حزب اختلاف کے منفی کردار کی جیتی جاگتی مثال ہے۔

آئین پاکستان کے آرٹیکل 95، شق 1 اور 4 کے مطابق:

(1) A resolution for a vote of no-confidence moved by not less than twenty per centum of the total membership of the National Assembly may be passed against the Prime Minister by the National Assembly.

(4) If the resolution referred to in clause (1) is passed by a majority of the total membership of the National Assembly, the Prime Minister shall cease to hold office.

"وزیر اعظم کے خلاف قومی اسمبلی کے کم از کم 20 فیصد اراکین کی طرف سے پیش کی گئی تحریک عدمِ اعتماد قابل قبول ہو گی اور تحریک قومی اسمبلی کی کل رکنیت کی اکثریت سے منظور ہو جانے پر وزیر اعظم اپنے عہدے سے ہٹ جائیں گے۔"

اس آئین کے مطابق عمران خان کے خلاف تحریک عدم اعتماد پیش کی گئی اور اس کے لیے اکثریت کیسے حاصل کی گئی، اس کا بھی سب کو معلوم ہے۔ یہی کلیہ حکومت بناتے وقت بھی استعمال کیا جاتا ہے اور گراتے وقت بھی۔ انگریزی میں اس کلیے کو "Carrot and stick approach" کہا جاتا ہے۔ یعنی لالچ اور دھمکی کے ذریعے کام کرانا۔ حکومت بناتے اور گراتے وقت عدد پورا کرنے کے لیے بعض اراکین کو لالچ دے کر اور بعض کو دھمکی کے ذریعے دائیں بائیں کیا جاتا ہے۔ عمران خان کے خلاف بھی یہی جادو کی چھڑی آزمائی گئی اور کامیاب رہی۔

پس جہاں اس انداز سے حکومتیں بنائی اور گرائی جاتی ہوں وہاں کسی کی قابلیت، محنت اور مقبولیت کو کیا دخل۔ ایسی دوڑ میں زور لگانا، اپنے آپ کو تھکانے کے لیے تو ہو سکتا ہے، نظام بدلنے کے لیے نہیں۔

3۔ میڈیا کا منفی کردار

کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کی ایجاد نے جہاں انسان کے لیے بہت سی آسانیاں پیدا کیں وہاں اس کے لیے بے شمار مسائل بھی کھڑے کر دیے۔ ان میں سے بیشتر مسائل نے غیر شرعی نظام کی کوکھ سے جنم لیا ہے اور جوں جوں دنیا شریعت سے دور ہوتی جارہی ہے مسائل بڑھتے

جارہے ہیں۔ دوسرا یہ کہ جو چیز جس قدر مؤثر ہے اس کا استعمال چاہے اچھا ہو یا برا، اسی قدر مؤثر ہو گا۔

آج چونکہ گھر گھر ٹیلی وژن اور انٹرنیٹ وغیرہ موجود ہے اور دنیا بھر کی معلومات ایک ایک فرد تک پہنچ رہی ہیں، ایسے میں سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ، چھوٹے کو بڑا اور بڑے کو چھوٹا، دیانت کو خیانت اور خیانت کو دیانت بنا کر پیش کرنا، نیز کوئی بھی ردّ و بدل، میڈیا کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ ایسی صورت حال میں جب دنیا میں کوئی شرعی نظام قائم نہیں تو پھر عالمی اور ملکی سطح پر میڈیا کا منفی استعمال بڑے پیمانے پر ہو رہا ہے اور اکثر اسے ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔ استعمال کرنے والے طاقتور لوگ، ادارے اور ممالک ہیں اور اس کے لیے وہ عموماً "Carrot and stick approach" استعمال کرتے ہیں۔

عالمی طاقتیں، خاص کر امریکہ اس کام میں پیش پیش ہے۔ ماضی میں چند ایک واقعات میڈیا کی زینت بنے ہیں جن کی وجہ سے دنیا بھر سے سوال اٹھائے گئے، اس کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ اس عمل کو انتہائی خفیہ رکھا جاتا ہے۔

2011ء میں ایکسپریس اور دنیا نیوز کے دو صحافیوں کی غیر ملکی فنڈنگ کا معاملہ سامنے آیا تھا جس کے بارے میں ایک عالمی خبر رساں ادارہ لکھتا ہے:

> "Two Pakistani journalists filing reports home from Washington are quietly drawing their salaries from US State Department funding through a nonprofit intermediary, highlighting the sophisticated nature of America's efforts to shape its image abroad." (The Christian Science Monitor)[53]

> "پاکستان میں رپوٹنگ کرنے کے لیے امریکہ میں موجود دو پاکستانی صحافیوں کا خاموشی سے امریکی سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ سے ایک فلاحی ادارے کے ذریعے تنخواہیں وصول کرنا، امریکہ کی بیرون ملک اپنی مثبت تصویر پیش کرنے کی کوششوں کو ظاہر کرتا ہے۔"

اور یہ فقط الزام ہی نہیں تھا بلکہ دونوں طرف سے اسے بے شرمی کے ساتھ اس طرح قبول کیا گیا جیسے اس میں کوئی برائی تھی ہی نہیں۔ فنڈنگ کرنے والے ادارے "America Abroad Media" کے صدر "آرن لوبل" اس ضمن میں کہتے ہیں:

"We are very proud, we have a good relationship with Dunya and Express. It allows Pakistani journalists to cover the US with a Pakistani perspective. I haven't encountered any Pakistani channel that doesn't want to work with us," he says, adding that AAM is hopeful of partnering with more Pakistani channels in the future." (The Christian Science Monitor)[54]

"ہمیں بہت فخر ہے کہ ہمارے دنیا اور ایکسپریس کے ساتھ اچھے تعلقات ہیں۔ یہ پاکستانی صحافیوں کو پاکستانی نقطہ نظر کے ساتھ امریکہ کو کور کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ مجھے کوئی ایسا پاکستانی چینل نہیں نظر آیا جو ہمارے ساتھ کام نہ کرنا چاہتا ہو۔ ہم مستقبل میں مزید پاکستانی چینلز کے ساتھ شراکت داری کے لیے پر اُمید ہیں۔"

آرن لوبل کی اس بات سے دو بہت اہم نکات سامنے آتے ہیں:

ان کا یہ کہنا کہ مجھے کوئی ایسا پاکستانی چینل نظر نہیں آیا جو ہمارے ساتھ کام نہ کرنا چاہتا ہو؛ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ باقی چینلز کے ساتھ رابطے میں ہیں اور دوسرا یہ کہ تمام تر چینلز بکنے کے لیے رضامند ہیں۔

دوسرا انہوں نے مستقبل میں بھی پاکستانی چینلز کے ساتھ کام کرنے کی بھی امید ظاہر کی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ضمن میں حکومت پاکستان یا اداروں کی طرف سے انہیں مثبت اشارہ پہلے سے ہی ملا ہوا ہے ورنہ وہ یوں برملا یہ بات نہ کرتا۔

اسی طرح 2014ء میں میڈیا کے حوالے سے امریکہ کی فنڈنگ کی خبر سامنے آئی تھی جس کے جواب میں امریکی سفارت خانے نے کہا تھا:

"The US today described as "inaccurate or misleading" the accusations that America is

pumping money into the Pakistani media and said it provides funding to a broad range of organisations to facilitate professional development and capacity building activities. The statement stressed that these programmes are not targeted to any one media group, are geared to supporting the community of journalists as a whole, and aid the efforts of journalists to pursue balanced reporting and accurate messaging on events in Pakistan and elsewhere." (The Economic Times)[55]

"امریکہ نے ان الزامات کو "غلط اور گمراہ کن" قرار دے دیا کہ امریکہ پاکستانی میڈیا پر پیسہ لگا رہا ہے اور کہا کہ وہ پیشہ ورانہ ترقی اور صلاحیت سازی کی سرگرمیوں میں سہولت فراہم کرنے کے لیے تنظیموں کی ایک وسیع فہرست کو فنڈ فراہم کرتا ہے۔ مزید اس بات پر زور دیا کہ یہ پروگرام کسی ایک میڈیا گروپ کو نشانہ نہیں بنا رہے ہیں، یہ مجموعی طور پر صحافی کمیونٹی کو سپورٹ کرنے کے لیے ہیں، اور پاکستان اور دیگر جگہوں پر ہونے والے واقعات پر متوازن رپورٹنگ اور درست پیغام رسانی کے لیے صحافیوں کی کوششوں میں مدد کرتے ہیں۔"

طاقت کے نشے میں چور مجرم خود اپنے جرم کو سرعام تسلیم کر رہا ہے تو میں کیا اس کی مزید وضاحت کروں۔ لیکن اپنوں کی ضمیر فروشی پر غمزدہ ضرور ہوں۔

کسی کے ذہن میں یہ سوال آ سکتا ہے کہ اس مداخلت کا حکومت سے کیا تعلق؟ تو اس ضمن میں جان لیجیے کہ آج میڈیا سے زیادہ شاید ہی کوئی بڑی طاقت ہے۔ میڈیا چند لمحوں میں زیرو کو ہیرو اور ہیرو کو زیرو کر سکتا ہے اور عالمی طاقتیں اسے ہتھیار کے طور پر استعمال کرتیں ہیں۔ ایسے میں اگر کوئی حکومت انہیں قبول نہ ہو تو وہ میڈیا کے ذریعے اسے نااہل کر کے پیش کر سکتے ہیں چاہے وہ کتنی ہی عمدہ کارکردگی دکھا رہی ہو۔ اور اسی منفی رپورٹنگ کی بنیاد پر حزب اختلاف اور عوام کو ان کے خلاف متحرک کر کے چند دنوں میں تختہ الٹ سکتی ہیں۔

بیرونی طاقتوں کے علاوہ ملکی طاقتیں بھی میڈیا کو پروپیگنڈا کے لیے استعمال کرتی ہیں۔ مثلاً:

"سابق حکمران جماعت، پاکستان تحریک انصاف (پی ٹی آئی)، اپنی قیادت کا امیج بڑھانے اور ریاستی اداروں کو سوشل میڈیا پلیٹ فارمز کے ذریعے بدنام کرنے کے لیے عوام کا پیسہ استعمال کرنے میں ملوث پائی گئی۔ دنیا نیوز کو موصول ہونے والی دستاویزات کے مطابق سالانہ ترقیاتی پروگرام کے لیے مختص فنڈز، پی ٹی آئی کی قیادت کی تشہیر اور اپوزیشن جماعتوں کے اراکین کو بدنام کرنے کے لیے سوشل میڈیا ٹیموں کو منتقل کیے گئے۔

عوام کے پیسے سے سوشل میڈیا اکاؤنٹس شروع کیے گئے جنہیں پی ٹی آئی کے بیانیے کو پھیلانے کا کام سونپا گیا تھا۔ اس منصوبے کو شروع کرنے اور ان اکاؤنٹس کی پیروی کو بڑھانے کے لیے 870 ملین روپے کی رقم خرچ کی گئی۔ پی ٹی آئی نے سوشل میڈیا ٹیموں کو 25 ہزار سے 40 ہزار روپے تنخواہ کے طور پر ادا کی۔

دستاویزات کے مطابق 800 اکاؤنٹس کی چھان بین کی گئی اور یہ بات سامنے آئی کہ ان میں سے 72.5 فیصد اکاؤنٹس کا 2021 سے قبل پی ٹی آئی کی طرف کوئی جھکاؤ نہیں تھا، تاہم جون 2022 کے بعد 86 فیصد اکاؤنٹس پی ٹی آئی کی صف میں شامل ہونے لگے۔ پی ٹی آئی نے اخلاقیات اور شائستگی کے اصولوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے ایجنڈے کو آگے بڑھانے کے لیے نوجوانوں کو بھرتی کیا۔ "

(The Nation)[56]

ممکن ہے کہ پی ٹی آئی کے حوالے سے یہ رپورٹ سو فیصد درست نہ ہو لیکن کلی طور پر اس سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس کے واضح نشانات موجود ہیں۔ اس کے علاوہ بھی ماضی میں کئی اور واقعات سامنے آئے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ میڈیا کو کہیں لالچ دے کر اور کہیں جبر کے ذریعے تابع کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جہاں تک جبر کا معاملہ ہے تو 9 مئی 2023 کے واقعات کے بعد جو پی ٹی آئی سے منسلک میڈیا پرسنز پر کریک ڈاؤن کیا گیا وہ بھی سب پر واضح ہے۔ خاص کر سابق پرائم منسٹر عمران خان کے خلاف تحریک عدم اعتماد کے وقت عمران ریاض کو عمران خان کے حق میں آواز اٹھانے پر ایسا ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا کہ اس کی زبان تک خراب کر دی گئی اور اس بات کا وہ خود پہلے ہی ذکر کر چکے تھے:

"اب مجھے دھمکی دی گئی ہے کہ اس دفعہ تجھے پکڑا تو تیری زبان خراب کر دیں گے تو بول ہی نہیں سکے گا۔" (عمران ریاض خان)[57]

ایک عام انسان کا ضمیر کسی صورت اس قدر درندگی پر آمادہ نہیں ہو سکتا۔ ایسے لوگ حیوانوں سے بھی بدتر ہیں۔ ایسی صورت حال میں ایک حکومت جو اس باطل نظام کو قبول نہ ہو، وہ کیسے آگے بڑھ سکتی ہے سوائے چند قدموں کے۔

4۔ دیگر مسائل

مذکورہ بالا مسائل کے علاوہ موجودہ نظام حکومت میں کسی بھی حکومتی جماعت کے لیے بے شمار مسائل ہیں۔ اس وقت غیر معیاری نظام تعلیم اور میڈیا کے غلط استعمال کی وجہ سے قوم شدید ذہنی بے اعتدالی کا شکار ہے۔ حکومت کا جو بھی قدم قوم کے مزاج کے منافی ہو گا، چاہے وہ صحیح ہی ہو، انہیں قبول نہ ہو گا اور بغاوت پر اتر آئیں گے۔ حال ہی میں ہم نے ایران میں دیکھا کہ مہسا امینی کی موت پر حجاب کے خلاف کتنے شدید مظاہرے ہوئے جس میں تقریباً 500 لوگ ہلاک ہوئے۔ (الجزیرا نیوز)[58]

معیشت کا حال اگر دیکھیں تو عالمی مالیاتی اداروں نے جو ماضی میں سود کا جال بچھایا تھا اس کا گھیراؤ دن بدن بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ جون 2021ء میں فی پاکستانی 179100 کا قرضہ تھا جو کہ مئی 2022ء میں بڑھ کر 216708 ہو گیا ہے۔ (Express Tribune)[59] ملک کے ان معاشی حالات میں کوئی بھی حکومت عالمی اداروں کے ساتھ سودے بازی کیے بغیر کیسے چل سکتی ہے۔ اور اگر سودے بازی نہیں کرتی تو پھر عالمی طاقتوں کی طرف سے مخالفتوں اور سازشوں کے نتیجے میں پیش آنے والی مصیبتوں پر قوم صبر کا مظاہرہ نہیں کر سکے گی اور حقائق جانے بغیر اسے حکومت کی نااہلی قرار دے کر بغاوت پر اتر آئے گی۔

اس کے علاوہ کرپشن، غربت، بے روزگاری، دہشت گردی اور دیگر معاشرتی برائیاں، وہ مسائل ہیں جو کسی بھی حکومت کے لیے سخت آزمائش ثابت ہوں گے۔

باب چہارم

پاکستان میں مذہبی سیاسی جماعتوں کے لیے مسائل

ویسے تو مسائل کی ایک طویل فہرست ہے جو موجودہ انتخابی عمل اور جمہوری نظام حکومت کے حوالے سے درپیش ہیں لیکن میں نے چیدہ چیدہ مسائل سامنے رکھ دیے ہیں تاکہ حقیقت بھی واضح ہو جائے اور طوالت سے بھی بچا جاسکے۔

مذکورہ بالا موضوعات میں مسائل کا عمومی ذکر کیا گیا ہے جو کسی بھی جماعت یا حکمران کو پیش آسکتے ہیں تاکہ موجودہ نظام کی بنیادوں میں جو ٹیڑھ پن ہے وہ ظاہر ہو جائے۔ اب میں خاص کر ان مسائل کا ذکر کروں گا جو مذہبی سیاسی جماعتوں کو درپیش ہیں۔

حقیقت کے آئینے میں دیکھا جائے تو اس وقت امریکہ اور دیگر طاغوتی طاقتوں کو اگر کسی سے خطرہ ہے تو وہ مسلمان ہیں۔ اور یہ صرف آج کا معاملہ نہیں بلکہ ہر دور میں نمرود کو ابراہیم علیہ السلام اور فرعون کو موسیٰ علیہ السلام سے خطرہ رہا ہے۔ اس خطرے کے پیشِ نظر طاغوتی طاقتوں کی اولین کوشش ہے کہ کسی بھی اسلامی ملک میں ایسی حکومت نہ قائم ہو جائے جو کہ عملی طور پر مسلمان ہو۔

ابلیسی قوتوں کے اس اندیشے کو علامہ اقبالؒ نے اپنی نظم "ابلیس کی مجلس شوریٰ" میں واضح کیا ہے جس میں ابلیس اپنے مشیروں سے خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے:

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اُس اُمّت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو!
خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ
کرتے ہیں اشکِ سحر گاہی سے جو ظالم وضُو!

جانتا ہے، جس پہ روشن باطنِ ایّام ہے
مزدکیّت فتنہ فردا نہیں، اسلام ہے!

جیسے اللہ تعالیٰ جب تک اپنے بندے کو اچھی طرح آزمانہ لے تب تک اس کے سر پر اپنی ولایت کا تاج نہیں رکھتا تاکہ اس منصب کی پاسداری ہو سکے، اسی طرح یہ طاغوتی قوتیں بھی جب تک کسی شخص یا جماعت کو اچھی طرح آزمانہ لیں اور انہیں یہ اطمینان نہ ہو جائے کہ یہ ہمارا دست و بازو بنے گا، تب تک اسے حکومت میں نہیں آنے دیتیں۔ حکمرانی کی اس دوڑ میں دینی جماعتوں کو درج ذیل مسائل درپیش ہیں:

1۔ دین میں عہدے کی طلب ناپسندیدہ

جمہوری انتخاب کا طریقہ یہ ہے کہ ایک سے زیادہ لوگ ایک عہدہ کے حصول کے لیے کوشش کرتے ہیں، الیکشن کمپین کرتے ہیں، پیسہ خرچ کرتے ہیں، لوگوں سے وعدے کرتے ہیں، مخالفین پر کیچڑ اچھالتے اور دیگر شرعی و غیر شرعی طریقے اپناتے ہیں۔ جبکہ اسلام نے عہدہ کی طلب کو سرے سے ناپسند فرمایا ہے اور اس سے متعلق رسول اللہ ﷺ کی کئی احادیث موجود ہیں۔ آپ ؐ فرماتے ہیں:

> "حکومت طلب مت کرنا کیونکہ اگر تمہیں مانگنے کے بعد امیری ملی تو تم اس کے حوالے کر دیے جاؤ گے اور اگر تمہیں مانگے بغیر ملی تو اس میں تمہاری مدد کی جائے گی۔" (صحیح البخاری)[60]
>
> ایک اور روایت میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور میرے چچا کے بیٹوں میں سے دو بیٹے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان دونوں میں سے ایک نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ تعالیٰ نے آپ کی تولیت میں جو دیا، اس کے کسی حصے پر ہمیں امیر بنا دیجیے۔ دوسرے نے بھی یہی کہا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ کی قسم! ہم کسی ایسے شخص کو اس کام کی ذمے داری نہیں دیتے جو اس کو طلب کرے اور نہ ہی ایسے شخص کو جو اس کا خواہش مند ہو۔" (صحیح البخاری و مسلم)[61]

اسلام کا کوئی بھی حکم حکمت سے خالی نہیں، چاہے ہماری عقلیں اس حکمت کو پا سکیں یا نہ پا سکیں۔ خلفاء راشدین کا مثالی ماڈل ہمارے سامنے ہے، ان میں سے کسی ایک نے بھی حکومت کی طلب نہیں کی بلکہ انہیں یہ ذمہ داری اُمّت کی طرف سے سونپی گئی تھی۔

طلبِ منصب کے حق میں اکثر جو دلیل پیش کی جاتی ہے وہ حضرت یوسف علیہ السلام کا قول مبارک ہے:

"(یوسف نے) کہا: مجھے اس ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے کیونکہ میں حفاظت بھی کر سکتا ہوں اور اس کام سے واقف بھی ہوں۔" (یوسف:55)

لیکن اگر ہم اس سے پچھلی آیت دیکھیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسفؑ نے کس بنیاد پر یہ بات کی۔ فرمایا:

"بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے میرے پاس لاؤ، میں اسے اپنا مصاحبِ خاص بناؤں گا۔ پھر جب ان سے گفتگو کی تو کہا کہ آج سے تم ہمارے ہاں صاحبِ منزلت اور صاحبِ اعتبار ہو۔" (یوسف:54)

یعنی بادشاہ آپؑ کی قدرو منزلت سے واقف ہو چکا تھا، اس لیے اس نے آپؑ کو اپنے خاص بندوں میں شامل کر لیا۔ ایسی صورت میں آپؑ نے کہا کہ مجھے خزانوں پر مقرر کر دیجیے۔

اس کے برعکس اگر ہم موجودہ انتخابی عمل میں مذہبی جماعتوں کی اہمیت کا اندازہ لگائیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اشرافیہ کے ہاں حکومت کے معاملے میں مذہبی جماعتیں سب سے نااہل سمجھی جاتی ہیں اور ان پر مختلف قسم کے الزامات لگائے جاتے ہیں کہ وہ اقتدار کے لیے دین کو استعمال کر رہی ہیں اور فوج کے ہاتھ کھلونا بنی ہوئی ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ ان حالات کو کسی صورت، حضرت یوسفؑ کے حالات سے مطابقت نہیں ہو سکتی۔

موجودہ حالات میں علماء کے لیے منصب کی طلب، چاہے وہ اچھی نیت سے ہو، انہیں عیب دار کر دیتی ہے اور مخالفین اس عیب کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں اور مذہبی جماعتوں پر خوب کیچڑ اچھالتے ہیں۔ ایسی صورت حال میں قوم کو اپنے بارے میں قائل کرنا مذہبی جماعتوں کے لیے محال ہو جاتا ہے اور ہر بار الیکشن میں انہیں بدترین ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

2۔عالمی طاقتوں کو نامنظور

ہر دور کی طرح آج بھی باطل قوتوں کو اگر سب سے زیادہ کسی سے خطرہ ہے تو وہ اسلام ہے، اس لیے باطل قوتوں نے اسلام کا راستہ روکنے کے لیے ان میں مختلف رجحانات اور طبقات کی نشاندہی کی اور اس کے مطابق بعض کی مدد کر رہی ہیں اور بعض کو مٹانے کی کوشش میں ہیں۔ جو مسلمان اسلام کی بنیادی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش کر رہے ہیں وہ باطل نظام کے لیے خطرہ اور ان کے نشانے پر ہیں اور جو مسلمان اسلام سے جتنے دور ہیں وہ باطل قوتوں کو اتنے ہی عزیز ہیں اور اسی قربت کے تناسب سے ان کی امداد بھی کی جارہی ہے۔

ایک امریکی تحقیقاتی ادارے نے ستمبر 2023 میں مسلمانوں کے حوالے The Muslim World after 9/11[62] کے نام سے ایک رپورٹ شائع کی ہے جس میں مسلمانوں کو چھ گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ یاد رہے کہ اسی نوعیت کی ایک رپورٹ اسی ادارے نے پہلے How to disintegrate Muslim world? کے نام سے شائع کی تھی جس میں مسلمانوں کو چار گروہوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔حالیہ رپورٹ میں Scriptural Fundamentalists اور Authoritarian Secularists کا اضافہ ہوا ہے۔ چھ گروہوں کی تقسیم درج ذیل ہے:

1) Radical Fundamentalists

اس گروہ میں امریکی محقق جہادی گروہوں کو شامل کرتے ہیں جو جہاد کے ساتھ ساتھ اسلام کے سیاسی نظام کو بھی نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ انقلابی نظریہ رکھتے ہیں اور اسلام کا مکمل نفاذ چاہتے ہیں۔ جمہوریت کو کافرانہ نظام سمجھتے ہیں اور یہ نظریہ پیش کرتے ہیں کہ حاکمیت صرف اللہ کی ہے اور حکومت کو مفتیان کے ذریعے اللہ کو جواب دہ ہونا چاہیے۔ مغرب کے پیش کردہ انسانی حقوق کو مسترد کرتے ہیں اور افراد کی مکمل آزادی کے مخالف ہیں اور اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ اسلام کا مکمل نفاذ ہی ایک مثالی معاشرے کو جنم دے سکتا ہے۔ اقلیتوں اور اسلامی فرقوں کے حقوق کا خیال نہیں رکھتے۔ لوگوں پر اسلامی لباس اور آداب زبردستی مسلط کرتے ہیں، لیکن ان میں سے چند ایک عورتوں کی حکمرانی میں شمولیت کی اجازت دیتے ہیں۔ زیادہ تر جہادی گروہ اسی میں آتے ہیں اور ان میں تشدد سب سے زیادہ پایا جاتا ہے۔

2) Scriptural Fundamentalists

اس گروہ میں تبلیغی جماعت وغیرہ کو شامل کیا گیا ہے۔ تحقیق کے مطابق یہ گروہ مذہبی کتابوں کی لغوی تشریح پر عمل کرتے ہیں۔ سیاست کے حوالے سے معتدل ہیں اور مذہبی قوانین کے نفاذ کو زندگی کے ہر پہلو پر لازمی سمجھتے ہیں۔ سیاسی قوانین اللہ تعالیٰ سے ہی لیتے ہیں اور چند جمہوری عوامل کو بھی قبول کرتے ہیں۔ علماء کے زیر سرپرستی، سیاسی رہنماؤں کی حکمرانی قبول کرتے ہیں اور اسلامی قوانین کے نفاذ کا مطالبہ کرتے ہیں، جبکہ اقلیتوں کی حقوق کو بھی مد نظر رکھتے ہیں۔ عورتوں اور مردوں کے لباس اور آداب کے بارے میں زیادہ سخت ہیں۔ بنیاد پرست گروہوں اور انتہا پسندوں سے ان کے روابط ہیں۔ تشدد کی طرف ان کا رجحان حالات کے مطابق ہوتا ہے۔

3) Tradionalists

یہ گروہ سیاسی طور بھی متحرک ہیں لیکن ان کے اولین مقاصد دینی اور سماجی ہیں۔ یہ اسلامی عقائد اور مقامی روایات کو فروغ دیتے ہیں۔ سیاسی طور پر معتدل ہیں۔ ان کا زیادہ دھیان سیاسی معاملات کے بجائے سماجی اور ثقافتی معاملات پر ہے۔ اسلامی قوانین کے نفاذ میں لچکدار ہیں۔ یہ سیاسی قوانین مذہبی اور غیر مذہبی دونوں عوامل سے لیتے ہیں۔ ان کے نزدیک حکمرانوں کو تمام اسلامی قوانین نافذ کرنا لازم نہیں، لیکن کم از کم انہیں اسلامی اقدار کی عزت کرنی چاہیے۔ ان کے مطابق اسلام تمام انسانی حقوق کو یقینی بناتا ہے۔ غیر مسلموں کے ساتھ بردباری کا رویہ اپناتے ہیں اور کچھ کا یہ عقیدہ ہے کہ بحیثیت شہری تمام لوگ برابر ہیں۔ وہ اس چیز کی تلقین کرتے ہیں کہ خواتین باوقار لباس پہنیں لیکن اس کا معیار مقامی رسومات پر منحصر ہے۔ وہ لباس اور اخلاقیات کے زبردستی نفاذ کے خلاف ہیں۔ دہشت گردی اور تشدد کے خلاف ہیں۔ اس گروہ سے ان کی مراد وہ علماء ہیں جو مدارس میں قرآن و حدیث وغیرہ پڑھاتے ہیں لیکن سیاسی معاملات کے بارے میں معتدل ہیں یعنی وہ کسی بھی نظام پر راضی ہیں، چاہے وہ باطل کا ہی ہو۔ ان کا دھیان زیادہ تر معاشرتی معاملات پر ہے۔

4) Modernists

اس گروہ میں ان لوگوں کو شامل کیا گیا ہے جو جدید دور کے لحاظ سے اسلامی اقدار کو بحال کرنا چاہتے ہیں لیکن قانون کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے۔ سیاسی طور پر معتدل ہیں اور عوامی رائے کے مطابق حکومت کے حامی ہیں۔

5) Liberal Securalists

اس میں وہ مسلمان شامل کیے گئے ہیں جن کا مقصد جمہوریت کی بحالی ہے اور وہ لادینیت پر مبنی قوانین اور اداروں کے حامی ہیں۔ لباس اور اخلاقیات کے حوالے سے کسی پابندی کے قائل نہیں ہیں۔

6) Authoritarian Secularists

اس سے مراد مسلمانوں کے وہ گروہ ہیں جو قومی، لسانی، علاقی اور دیگر بنیادوں پر طاقت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی ان کا مقصد اقتدار اور طاقت کا حصول ہے۔ معاشرے کی ترقی کو دبانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور یہ دہشتگردی کو قومی اور ذاتی مفاد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

مسلمانوں کے درج بالا چھ گروہوں کو مجموعی طور پر دیکھا جائے تو آخری دو گروہوں کے علاوہ باقی چاروں گروہ اسلام کے ہمدرد اور حامی ہیں۔ اس تحقیق کے مطابق اور زمینی حقائق کی بنیاد پر ان ہمدرد گروہوں کی اگر خامیاں دیکھی جائیں تو تین گروہوں (Radical and Fundamentalists, Scriptural Fundamentalists, Modernists) میں معمولی خامیاں ہیں جو با آسانی دور کی جاسکتی ہیں اور اسلامی نظام کے لیے ان خامیوں کا اتنا منفی اثر بھی نہیں ہے۔ نظام کے حوالے سے سب سے بڑی خامی جس گروہ میں ہے وہ روایتی علماء (Traditionalists) کا گروہ ہے اور مزید افسوس یہ کہ یہ گروہ اکثریت میں پایا جاتا ہے اور معاشرے میں اس گروہ کا اثر ورسوخ بھی سب سے زیادہ ہے۔

جیسے اس تحقیق میں مذکور ہے کہ یہ گروہ اسلامی قوانین کے نفاذ میں لچکدار ہے اور سیاسی قوانین مذہبی اور غیر مذہبی دونوں عوامل سے لیتا ہے۔ اس گروہ کے نزدیک حکمرانوں کو تمام اسلامی قوانین نافذ کرنا لازم نہیں، لیکن کم از کم انہیں اسلامی اقدار کی عزت کرنی چاہیے۔ اس گروہ کے زمینی حقائق بھی یہی ہیں کہ فاسق حکمرانوں کو قبول کرتا ہے اور لوگوں کو بھی یہی درس دیتا ہے۔ ایسے میں کسی بھی انقلاب کے لیے نہ ہی لوگوں کو ذہنی طور پر تیار کیا

جا سکتا ہے اور نہ ہی حکمرانوں کو کوئی خطرہ ہوتا ہے اور وہ اپنے فسق و فجور میں آگے سے آگے بڑھتے جاتے ہیں۔ ایسے میں ہمارے روایتی علماء کو اس بارے میں سوچنے کی ضرورت ہے کہ وہ کہیں اپنی علمی خطا، ذاتی مفادات، آرام پرستی اور حکمرانوں سے مراسم و روابط کی بنا پر عالمی ظلم و بربریت سے اپنے ہاتھ تو نہیں رنگ رہے اور اللہ کی اس سنت "کہ وہ بعض کو بعض کے ذریعے دفع کرتا ہے" کے آگے کہیں رکاوٹیں تو نہیں کھڑی کر رہے۔ روایتی علماء کو اس بارے میں سوچنا چاہیے تاکہ قیامت کے دن انہیں کمر توڑ دینے والی رسوائی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

عالمی سطح پر مسلمانوں کا تجزیہ اور گروہ بندی کرنے اور پاکستان کے حالات پر نظر دوڑانے کے بعد یہ تحقیقاتی ادارہ دیگر مذہبی جماعتوں (تحریک نفاذ فقہ جعفریہ اور متحدہ مجلس عمل وغیرہ) کے علاوہ تین اہم جماعتوں (جماعت اسلامی، جمیعت علماء پاکستان اور جمیعت علماء اسلام) پر تفصیلی تجزیہ کرتا ہے۔

Islam and Politics in Pakistan کے موضوع کے تحت یہ ادارہ جماعت اسلامی کو بنیادی طور پر ایک سیاسی جماعت قرار دیتا ہے جو اپنے اہداف کے حصول کے لیے مذہب کو بنیاد بناتی ہے۔ جمیعت علماء پاکستان کو مذہبی حکومت کے قیام کے لیے کوشاں پاتا ہے، جبکہ جمیعت علماء اسلام کے بارے میں تحقیق کہتی ہے کہ یہ اسلامی ریاست قائم کرنا چاہتے ہیں اور مغربی اور غیر اسلامی اقدار کے سخت مخالف ہیں۔

یہی تحقیق پاکستان آرمی کے بارے میں کہتی ہے:

"This army, in particular, is perhaps the **most secular army** since Zia's tenure (RAND)[63]

"یہ فوج، خاص طور پر، ضیاء کے دور سے شاید سب سے زیادہ سیکولر (لادین) فوج ہے۔"

RAND کی ایک اور تحقیق سے پاکستانی فوج کا مذہبی جماعتوں کے حوالے سے خدشہ ہمارے سامنے آتا ہے، جس کے مطابق:

"The army, which views itself as the chief pillar of Pakistani stability and security, would be extremely reluctant to let a fundamentalist party

achieve power in Pakistan and thereby gain control over the army." (RAND)[64]

"فوج، جو خود کو پاکستانی استحکام اور سلامتی کا اہم ستون سمجھتی ہے، ایک بنیاد پرست جماعت کو پاکستان میں اقتدار حاصل کرنے اور اس طرح فوج پر کنٹرول حاصل کرنے کے معاملے میں انتہائی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کرے گی۔"

پاکستان کے طاقتور ادارے کی نشاندہی کرنے کے بعد امریکی محققین حکومت کو گزارشات پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"Although these considerations are surely important, one cannot lose track of the fact that the military will control the state in the policy-relevant future. Therefore, military engagement is particularly important." (RAND)[65]

"اگرچہ یہ تحفظات یقینی طور پر اہم ہیں، لیکن کوئی بھی اس حقیقت کو نہیں ٹھکرا سکتا کہ مستقبل میں فوج ریاست کو کنٹرول کرے گی۔ اس لیے فوج سے تعلق خاص طور پر اہم ہے۔"

ان باتوں کا جائزہ لینے سے پہلے یہ جان لیجیے کہ یہ صرف ایک تحقیق ہی نہیں بلکہ دراصل امریکہ کی خفیہ خارجہ پالیسی ہے۔ امریکہ (RAND) پر کڑوروں روپے اس لیے نہیں خرچ کرتا کہ غیر ضروری معلومات مہیا کرتا رہے بلکہ اس کی گزارشات پر عمل کیا جاتا ہے۔ اس تحقیق کا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ پہلے مسلمانوں کا عالمی سطح پر جائزہ لیا گیا اور اس میں گروہ بندی کی گئی کہ کون سے افکار رکھنے والا گروہ مغربی اقدار اور نظام کے لیے خطرے کا باعث ہے اور کون سے گروہ ان کے ہم خیال اور حامی ہیں۔ دوسرے مرحلے میں ملکی سطح پر مذہبی سیاسی جماعتوں کی نشاندہی کی گئی جو مغربی نظام کے لیے خطرے کا باعث ہو سکتی ہیں۔ تیسرے مرحلے میں ملکی معاملات کو سنبھالنے والی قوت کی نشاندہی کی گئی۔ اور پھر بالآخر یہ گزارش پیش کی گئی کہ اس قوت (یعنی فوج) کے ساتھ تعلق خاص طور پر اہم ہے۔

جب ہم دیکھ رہے ہیں کہ امریکہ بطور سپر پاور، پوری دنیا کی اور خاص کر عالم اسلام کی سیاست پر نگاہ رکھے ہوئے ہے اور اس نے یہ بھی منصوبہ بنا رکھا ہے کہ کس ملک میں کیسے سیکولر حکومتوں کو اقتدار میں لانا اور مذہبی جماعتوں کو کیسے اقتدار سے دور رکھنا ہے تو اس کے باوجود اگر مذہبی جماعتیں اپنی حکمت عملی میں مسلسل ناکامی کے باوجود کوئی تبدیلی نہیں کرتیں تو پھر دروازہ ڈھونڈنے کی بجائے دیوار پر سر مار مار کر مر جانا شہادت نہیں بلکہ خودکشی کہلائے گا۔ دنیوی معاملات میں یہ بات ہمیں بہت اچھی طرح سمجھ آتی ہے کہ جس دکان سے ایک دفعہ معیاری چیز نہ ملے تو ہم دوسری دفعہ وہاں سے کچھ نہیں خریدتے۔ جمہوریت اور الیکشن سے ہمیں ستر سال سے سوائے دھوکے کے اور کچھ نہیں ملا پھر بھی ہم اسی سے چمٹے ہوئے ہیں کیونکہ یہ ہمارا ذاتی معاملہ نہیں بلکہ دین کا معاملہ ہے۔ ذاتی معاملہ ہوتا تو ہم فوراً کوئی نیا اور بہتر راستہ دیکھتے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد ان کے لیے آتی ہے جو دین کے لیے علم و حکمت اور جدّ و جُہد سے کم از کم اس طرح کام لیں جس طرح ذاتی معاملات میں لیتے ہیں۔ موجودہ حالات میں الیکشن کے ذریعے نظام کو بدلنے کی کوشش کرنا سوائے اپنے آپ کو دھوکے میں رکھنے کے، کچھ بھی نہیں۔

2۔ ملکی طاقتوں کو نامنظور

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

- "قوم کا سردار، سفر میں ان کا خادم ہوتا ہے۔" (مشکاۃ المصابیح)[66]
- "قوم کا سردار ان کا خادم ہوتا ہے۔" (شاہ ولی اللہ کی چالیس احادیث)[67]

اسی بات کو رسول اللہ ﷺ کی عملی زندگی میں تلاش کریں تو بے شمار واقعات سامنے آتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک مرتبہ دودھ کا تحفہ آیا تو آپ ﷺ نے اصحابِ صفہ کو جمع کیا اور فرمایا: اباہر (ابوہریرہ)! میں نے عرض کیا: لبیک یا رسول اللہ! فرمایا: اسے لو اور سب حاضرین کو دے دو۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے پیالہ پکڑ لیا اور ایک ایک کو دینے لگا۔ ایک شخص دودھ پی کر جب سیر اب ہو جاتا تو مجھے پیالہ واپس کر دیتا تو میں دوسرے شخص کو دیتا۔ اس طرح باری باری سب لوگ پی کر سیر اب ہو گئے۔ آخر میں نبی کریم ﷺ نے پیالہ پکڑا اور اپنے ہاتھ پر رکھ

کر آپ ؐ نے میری طرف دیکھا اور مسکرا کر فرمایا: اباہر! میں نے عرض کیا: لبیک یا رسول اللہ ﷺ! فرمایا: اب میں اور تم باقی رہ گئے ہیں۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے سچ فرمایا۔ آپؐ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ اور پیو۔ میں بیٹھ گیا اور میں نے دودھ پیا۔ آپؐ برابر فرماتے رہے: اور پیو، اور پیو۔ آخر مجھے کہنا پڑا: نہیں! اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، اب بالکل گنجائش نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: پھر مجھے دے دو۔ میں نے پیالہ آپؐ کو دے دیا تو آپ ؐ نے اللہ کی حمد بیان کی اور بسم اللہ پڑھ کر بچا ہوا خود پی گئے۔ (صحیح بخاری)[68] (طوالت سے بچنے کے لیے مذکورہ بالا حدیث کو مختصر کر کے بیان کیا گیا ہے)

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے (جنگ خندق کے دوران) رسول اللہ ﷺ سے بھوک کی شکایت کی اور اپنے پیٹ سے کپڑا اٹھایا جن پر ایک ایک پتھر بندھا ہوا تھا تو آپؐ نے اپنے مبارک پیٹ سے کپڑا اٹھایا تو اس پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ (ترمذی)[69]

رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ سفر پر تھے چنانچہ ایک بکرے کو ذبح کرنے کی بات طے پائی۔ ایک صحابیؓ نے کہا: اس کو ذبح کرنا میرے ذمے ہے۔ دوسرے نے کہا: اس کی کھال نکالنے کا کام میں کروں گا۔ تیسرے نے کہا: میں اسے پکاؤں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں ایندھن کی لکڑیاں جمع کروں گا۔ صحابہؓ نے عرض کیا: آپؐ کا کام ہم کر دیں گے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ تم لوگ میری طرف سے کفایت کر دو گے، لیکن مجھے پسند نہیں ہے کہ میں تم لوگوں کے مقابل میں امتیاز اور بڑائی اختیار کروں، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو اپنے ساتھیوں میں بڑا بنتا ہو۔ (کشف الخفاء)

اصحابِ رسولؐ کی زندگیوں پر اگر نگاہ دوڑائی جائے تو جرنیل صحابہ حضرت معصب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسلام سے پہلے شاہانہ طرزِ زندگی تھا لیکن اسلام لانے کے بعد انہوں نے دنیا کو کیسے خیر آباد کہا، درج ذیل روایت سے ملاحظہ کیجیے:

"حضرت خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اللہ کے راستے میں ہجرت کی۔ ہم اللہ کی رضا چاہتے تھے تو

(اس کے وعدے کے مطابق) ہمارا اجر اللہ پر واجب ہو گیا۔ ہم میں سے کچھ لوگ چلے گئے، انہوں نے (دنیا میں) اپنے اجر میں سے کچھ نہیں لیا۔ ان میں سے ایک مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ وہ اُحد کے دن شہید ہوئے تو ان کے لیے ایک دھاری دار چادر کے سوا کوئی چیز نہ ملی جس میں ان کو کفن دیا جاتا۔ جب ہم چادر کو ان کے سر پر ڈالتے تو ان کے پاؤں باہر نکل جاتے اور جب ہم اسے ان کے پیروں پر رکھتے تو سر نکل جاتا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "چادر کو ان کے سر والے حصے پر ڈال دو اور پاؤں پر کچھ گھاس ڈال دو۔ اور ہم میں سے کوئی ایسا ہے جس کے لیے پھل پک چکا ہے اور وہ اس کو چن رہا ہے۔" (صحیح مسلم)[70]

رسول اللہ ﷺ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ بننے کے دوسرے دن کندھے پر کپڑے کے تھان رکھ کر بیچنے کے لیے نکلے، کیونکہ خلافت سے پہلے یہی ان کا ذریعہ معاش تھا۔ راستے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملے اور انہوں نے کہا: یہ آپ کیا کرتے ہیں؟ جواب دیا: اپنے بال بچوں کو کہاں سے کھلاؤں؟ انہوں نے کہا: اب آپ کے اوپر مسلمانوں کی سرداری کا بار آ پڑا ہے، یہ کام اس کے ساتھ نہیں نبھ سکتا۔ چلیے، ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ناظم بیت المال) سے مل کر بات کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہؓ سے گفتگو کی گئی۔ انہوں نے کہا: ہم آپ کے لیے مہاجرین میں سے ایک عام آدمی کا معیار سامنے رکھ کر ایک وظیفہ مقرر کیے دیتے ہیں جو نہ ان کے سب سے زیادہ دولت مند کے برابر ہو گا اور نہ سب سے غریب کے برابر۔ اس طرح ان کے لیے ایک وظیفہ مقرر کر دیا گیا جو تقریباً چار ہزار درہم سالانہ تھا۔ مگر جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے وصیت کی کہ میرے ترکے میں سے 8 ہزار درہم بیت المال کو واپس کر دیے جائیں۔ یہ مال جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لایا گیا تو انہوں نے کہا: اللہ، ابو بکرؓ پر رحمت فرمائے، اپنے بعد آنے والوں کو انہوں نے مشکل میں ڈال دیا ہے۔ (خلافت و ملوکیت)[71]

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے پہلے خطبے میں اُمراء اور غرباء کے حوالے سے اسلام کا مزاج واضح کرتے ہوئے فرمایا:

"تمہارے درمیان جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ میں اس کا حق اس کو دلواؤں، اگر اللہ چاہے اور تم میں سے جو طاقتور ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے یہاں تک کہ میں اس سے حق وصول کروں، اگر اللہ چاہے۔" (خلافت وملوکیت)[72]

جب اسلام کا یہ مزاج ہے کہ قوم کے سردار کو ان کا خادم قرار دیتا ہے، امام الانبیاء ﷺ کے شکم اطہر پر دو پتھر بندھوا دیتا ہے، حضرت معصب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پورا کفن بھی نہیں دیتا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کندھے پر خلیفہ ہونے کے باوجود کپڑوں کا تھان لاد کر بازار میں لا کھڑا کرتا ہے۔ ایسا اسلام آج کے اُمراء و وزراء، اداروں اور فوجی افسروں کو کہاں قبول ہے؟ یہ اسلام تو ان سے تمام عیش و عشرت کے سامان چھین لے گا۔ وہ عیاشی پھر کہاں رہے گی کہ ایک افسر کے گھر پر دس دس ملازم سرِ تسلیم خم کیے پھرتے ہوں۔ وہ سہولت کہاں ہو گی کہ فیلڈ (ٹریننگ ایریا) میں سپاہی افسروں کے خیمے لگا کر، ان میں قالین بچھا کر اور ہر طور سے سجا کر خود خاموشی سے زمین پر بستر بچھا کر سو جائے گا۔ مخلوط محافل کا لطف کہاں برقرار رہ سکے گا، گیریژن ہال میں پروٹوکول کے ساتھ ہفتہ وار فلمیں کیسے دیکھ سکیں گے، گانے والیاں اور گانے والے گیریژن میں کیسے مدعو کیے جا سکیں گے، ٹروپے شو میں ناچ اور گانے سے کون لطف اندوز ہونے دے گا۔ نوکر، مالی، باورچی، ڈرائیور اور دیگر عملے کا کیا ہو گا۔ اس کے علاوہ ایک طویل فہرست ہے عیش و عشرت کے سامان کی، اسلامی نظام کے آنے سے جس کے منقطع ہونے کا اندیشہ ہے۔ پھر جس نظام سے اس قدر خطرات جڑے ہوں، قوت رکھنے کے باوجود کون ایسے نظام کو نہ روکے گا؟

ایسے رویے کو جو مذہبی پابندیوں سے آزاد ہو، جدید دور کی اصطلاح میں اسے سیکولرازم کہتے ہیں۔ امریکی تحقیقاتی ادارہ پاکستانی فوج کے لیے یہی اصطلاح استعمال کرتا ہے۔ اس کے مطابق:

"This army, in particular, is perhaps the **most secular army** since Zia's tenure (The Muslim World after 9/11)[73]

"یہ فوج، خاص طور پر ضیاء کے دور سے شاید سب سے زیادہ سیکولر (لادین) ہے۔"

پاک فوج بطور ایک سیکولر ادارہ کبھی مذہبی جماعتوں کو اقتدار میں نہیں آنے دے گی۔ اس کی وجہ وہی خدشات ہیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا۔ امریکی محققین 49 صفحاتی تحقیق میں اسی نتیجے پر پہنچے ہیں کہ:

"The army, which views itself as the chief pillar of Pakistani stability and security, would be extremely reluctant to let a fundamentalist party achieve power in Pakistan and thereby gain control over the army." (Islamic Fundamentalism in Pakistan)[74]

"فوج، جو خود کو پاکستانی استحکام اور سلامتی کا اہم ستون سمجھتی ہے، ایک بنیاد پرست جماعت کو پاکستان میں اقتدار حاصل کرنے اور اس طرح فوج پر کنٹرول حاصل کرنے کے معاملے میں انتہائی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کرے گی۔"

یہاں Fundamentalists (بنیاد پرست) سے مراد مذہبی جماعتیں ہیں اور انگریزی میں اس کا بہتر متبادل لفظ Practicing Muslims ہو سکتا ہے۔ دنیا کے ہر شعبہ، ہر کام میں Fundamentalists ہونا ایک خوبی ہے لیکن بدقسمتی سے اسلام کے معاملے میں ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت اسے خامی کا روپ دے دیا گیا ہے۔

بہر حال اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اس ملک کے طاقتور ادارے اور لوگ کسی صورت مذہبی جماعتوں کو الیکشن کے ذریعے نہیں آنے دیں گے۔ ستر سال سے یہ ڈرامہ چلتا آرہا ہے کہ مذہبی جماعتیں ہر الیکشن سے پہلے نظام بدلنے کے دعوے کرتی ہیں اور الیکشن کے بعد ہار کر چند دن شور مچا کر خاموش بیٹھ جاتی ہیں اور پھر اگلے الیکشن کا انتظار شروع ہو جاتا ہے۔ اگلا الیکشن آتے ہی پھر وہی دعوے اور بعد میں وہی شور۔ یہ ایک پرانا ڈرامہ ہے جو لگاتار چل رہا ہے اور اگر ہم نے چینل تبدیل نہ کیا تو یہ سین یونہی چلتا رہے گا۔

3۔ موجودہ نظامِ تعلیم

انسان جو علم سیکھتا ہے، اسی کے مطابق اس کی سوچ مرتّب ہوتی ہے۔ آگے بڑھ کر یہی سوچ انسان سے عمل کا تقاضا کرتی ہے۔ اب جو علم شریعت کی مطابق ہو گا، وہ انسان کے اندر اچھی سوچ پیدا کرے گا جو اسے نیک عمل کرنے کے لیے ابھارے گی۔ اس کے برعکس انسان اگر غیر شرعی علم حاصل کرے گا تو اس سے بری سوچ پروان چڑھے گی جو اسے باطل اعمال کے لیے ابھارے گی۔ مغربی مفکرین نے اس راز کو سمجھا اور مسلمانوں کے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کیا۔ اس کی گواہی علامہ اقبالؒ کے کلام سے بھی ملتی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے ایک سیکولر حلیہ اپنا کر اس باطل نظام کو قریب سے جا کر دیکھا اور اپنی شاعری میں اس کے حقائق بیان کیے۔ تعلیم کے حوالے سے علامہ اقبالؒ "نصیحت" نامی نظم ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں جس میں ایک انگریز اپنے بیٹے کو مسلمانوں کے حوالے سے نصیحت کرتے ہوئے کہتا ہے:

سینے میں رہے رازِ ملوکانہ تو بہتر
کرتے نہیں محکوم کو تیغوں سے کبھی زیر!
تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے، اسے پھیر!
تاثیر میں اِکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب
سونے کا ہمالہ ہو تو مٹّی کا ہے اک ڈھیر!

یعنی مسلمانوں کو جنگ کے ذریعے زیر کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ تعلیم کے ذریعے ان کی سوچ ہی بدل ڈالو۔ جب ان کی سوچ بدل جائے پھر تم انہیں جس راہ پر لگانا چاہو تو تمہارے لیے مشکل نہیں ہو گا۔ وہ یہ حقیقت بھی بتاتا ہے کہ تعلیم کا اثر اتنا شدید ہے کہ اگر سونے کا پہاڑ بھی ہو گا تو وہ بھی مٹی کا ڈھیر بن جائے گا۔

انگریز نے اس وقت یہ بیج بویا تھا۔ اب فصل پک کر تیار ہو چکی ہے اور انگریز اس کا پھل کھا رہا ہے۔ یعنی مسلمانوں کی تعلیم کے ذریعے سوچ بدلی جا چکی ہے۔ اب انہیں برائی میں اچھائی اور اچھائی میں برائی نظر آتی ہے۔ مسلمانوں کی سوچ کے اس ٹیڑھ پن کو علامہ قبال یوں بیان کرتے ہیں:

تھا جو ناخُوب، بتدریج وہی 'خُوب' ہُوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر!

ظریف لکھنوی نظروں کے پھرنے کو ایک اور انداز میں بیان کرتے ہیں:۔

وحشت میں ہر اک نقشہ الٹا نظر آتا ہے
مجنوں نظر آتی ہے لیلیٰ نظر آتا ہے

اب قوم جب اس نہج پر پہنچ چکی ہے کہ انہیں "مجنوں نظر آتی ہے لیلیٰ نظر آتا ہے" تو پھر جو انہیں یہ پڑھانے کی کوشش کرے گا کہ "مجنوں نظر آتا ہے، لیلیٰ نظر آتی ہے" یقیناً وہ ان کا دشمن ہو گا۔ قوم اس کی اس کاوش کو سازش جانیں گے اور اس کے خلاف میدانِ عمل میں اُتر آئیں گے۔ اور یہ ڈرامہ اس ملک میں ہم بارہا دیکھ چکے ہیں کہ جو بھی مذہبی تحریک اٹھتی ہے اسے سازش کے طور پر لیا جاتا ہے اور ظلم و جبر کے ذریعے دبا دیا جاتا ہے۔ پھر ان مظلوموں کے حق میں سوائے مذہبی طبقے کے کوئی آواز اٹھانے والا بھی نہیں ہوتا۔

ایسی فضا میں مذہبی جماعتوں کے لیے بہت مشکل ہے کہ وہ عوام کی رائے (ووٹ) کے ذریعے اقتدار میں آسکیں اور اگر کسی طرح اقتدار حاصل کر بھی لیں تو عوام انہیں قبول نہیں کریں گے۔ اس غیر مقبولیت کو میڈیا کے ذریعے باطل قوتیں ہوا دے کر بہت جلد ہی اسلامی حکومت کا تختہ الٹ دیں گی جو کہ پاکستان اور خاص کر اسلام کے لیے انتہائی نقصان دہ ہو گا اور پھر اس علاقے میں دوبارہ سے اسلامی نظام کی ماضی قریب میں تمام تر امیدیں دم توڑ دیں گی کیونکہ مخالفین کو اسلام کی نااہلیت کا جواز مل جائے گا اور عوام بھی شکوک و شبہات کا شکار ہو جائیں گے۔

4۔ میڈیا کا منفی کردار

میڈیا کے بارے میں پہلے مختصر ساذکر کر دیا گیا ہے کہ یہ کتنا طاقتور ہتھیار ہے اور عالمی طاقتیں اسے کیسے کنٹرول کر رہی ہیں۔ اب مذہبی جماعتوں کے حوالے سے میڈیا کے مسائل کا جائزہ لیتے ہیں۔

"جس کی لاٹھی اس کی بھینس" کے کلیہ کے مطابق جہاں باقی بھینسیں لاٹھی والوں کے پاس ہیں وہاں میڈیا کی بھینس کیسے کسی اور کے پاس جا سکتی ہے۔ لاٹھی والے عوام کو ان بھینسوں کا صرف تھوڑا بہت دودھ دیتے ہیں اور جن سے انہیں خطرہ ہو کہ اگر دودھ پی کر طاقتور ہو گئے تو ہم پر حملہ آور ہو جائیں گے، انہیں تو بالکل محروم رکھتے ہیں۔ لاٹھی والوں سے تو سب واقف ہیں لیکن انہیں خطرہ کس سے ہے، اس بارے میں علامہ اقبال کی زبانی سن لیجیے۔ علامہ اقبالؒ "ابلیس کی مجلس شوریٰ" میں بیان کرتے ہیں کہ ابلیس اپنے مشیروں سے خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے:

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اُس اُمت سے ہے

جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو

اسی وجہ سے آپ دیکھتے ہیں کہ اُمّتِ مسلمہ اس وقت لاٹھی والوں (طاغوتی طاقتیں) کے نشانے پر ہے۔ اس اُمّت کے خلاف جب لاٹھی والے ہر ہتھیار استعمال کر رہے ہیں تو پھر دورِ حاضر کا طاقتور ترین ہتھیار (میڈیا) وہ کیسے چھوڑ دیں گے۔ ہر کوئی جانتا ہے کہ عالمی طاقتیں بھرپور طریقے سے اس کا استعمال کر رہی ہیں۔ عراقی جنگ میں میڈیا کے استعمال کے حوالے سے Wiki Leaks کا بانی Julian Paul Assange کہتا ہے:

"The Iraq War was the biggest issue for people of my generation in the West. It was also the clearest case, in my living memory, of media manipulation and the creation of a war through ignorance."

"مغرب میں میرے دور کے لوگوں کے لیے عراقی جنگ سب سے بڑا مسئلہ تھا اور یہ میری یادداشت میں میڈیا کی ہیرا پھیری اور جہالت کے ذریعے جنگ کی تخلیق کا سب سے واضح معاملہ بھی تھا۔"

افغان جنگ کے معاملے میں بھی ہم نے میڈیا کا کردار ملاحظہ کیا جس نے طالبان کو جابر خلائی مخلوق کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کیا اور ان کی خوبیوں سے لوگوں کو حجاب میں رکھا۔ 2001ء میں خفیہ طور پر ایک انگریز رپورٹر Yvonne Ridley افغانستان گئی اور وہاں پکڑی گئی۔ 10 دن بعد طالبان نے اسے رہا کر دیا۔ رہائی کے بعد جب وہ پاکستانی سرحد پر پہنچی تو اس وقت صحافی کیا دیکھنا اور سننا چاہ رہے تھے، اس بارے میں وہ خود بتاتی ہیں:

"Reporters on the other side wanted to see her wounds and were incredulous when she told them she had been treated with respect and kindness, even when she had been rude."

"دوسری طرف رپورٹرز اس کے زخموں کو دیکھنا چاہتے تھے اور وہ حیران تھے جب اس نے انہیں بتایا کہ اس کے ساتھ عزت اور مہربانی کے ساتھ برتاؤ کیا گیا ہے، یہاں تک کہ جب وہ بدتمیزی کا مظاہرہ کرتی تھی تب بھی۔"

جب 2003 میں اس خاتون رپورٹر نے اسلام قبول کیا تو مغربی میڈیا نے اس پر پابندی عائد کر دی اور اب وہ ایک ہفتہ وار اخبار The Muslim Weekly میں کالم لکھتی ہیں۔ (Washington Report)[75]

حال ہی میں ہم نے ایران میں دیکھا کہ حجاب نہ پہننے پر ایک عورت کو جب گرفتار کیا گیا تا کہ اس کی تربیت کی جا سکے تو دل کا دورہ پڑنے کی وجہ سے اس کی موت واقع ہو گئی۔ بین الاقوامی میڈیا نے اسے اتنا اچھالا کہ لوگ ایرانی حکومت کے خلاف سڑکوں پر نکل آئے اور کئی دن تک مظاہرے چلتے رہے جن میں تقریباً 500 لوگوں کی موت واقع ہوئی۔ (الجزیرا نیوز)[76]

میڈیا کے ذریعے اتنا بڑا اثر کیسے پیدا ہوتا ہے؟ اس بارے میں ایک امریکی شاعر Jim Morrison لکھتا ہے:

“Whoever controls the media, controls the mind.”

"جو میڈیا کو کنٹرول کرتا ہے، وہ دماغ کو کنٹرول کرتا ہے۔"

معروف امریکی مسلمان سماجی کارکن Malcolm X میڈیا کے بارے میں لکھتا ہے:

> "Media is the most powerful entity on earth. They have the power to make the innocent guilty and to make the guilty innocent, and that's power. Because they control the minds of the masses."

> "میڈیا زمین پر سب سے طاقتور ادارہ ہے۔ ان کے پاس بے گناہ کو مجرم بنانے اور مجرم کو بے گناہ بنانے کی طاقت ہے، اور یہی اصل طاقت کہلاتی ہے۔ کیونکہ وہ عوام کے ذہنوں پر قابض ہوتے ہیں۔"

ان تمام حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے با آسانی یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ملکی و عالمی میڈیا، انتخابی عمل میں اور آگے چل کر حکومتی امور میں نہ صرف یہ کہ مذہبی جماعت کی مدد سے اپنا ہاتھ کھینچ لے گا بلکہ سازش بھی کرے گے۔ اور یہ سازش لازمی نہیں ہے کہ اپنے نظریات کی بنیاد پر کرے گا بلکہ Carrot and stick approach کے ذریعے جیسے پوری دنیا کے میڈیا کو چلایا جا رہا ہے، اسی پر عمل ہوتا رہے گا۔

پھر جو میڈیا اتنا بااثر ہے کہ ایک ہیرو کو زیرو اور زیرو کو ہیرو بنا دیتا ہے، تو مذہبی جماعتوں کی کتنی بھی اچھی کارکردگی ہو، میڈیا کی سپورٹ کے بغیر زیرو ہو جائے گی۔

الیکشن کے حوالے سے تو یہ بات سب پر واضح ہے کیونکہ برسوں سے ہم یہ ڈرامہ دیکھتے آرہے ہیں کہ مذہبی جماعتوں کو کس طرح نظر انداز کیا جاتا ہے۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ حکومت کے حوالے سے کسی کے ذہن میں یہ شبہ ہو کہ مذہبی جماعت کے پاس جب اقتدار ہو گا تو میڈیا خود بخود اس کے کنٹرول میں آجائے گا؟ لیکن عملاً ایسا بالکل بھی ممکن نہیں کیونکہ آج کے دور میں سب سے بڑی طاقت پیسہ ہے اور جو پیسہ پھینکتا ہے تماشہ اسی کے لیے لگایا جاتا ہے۔ مذہبی جماعت قانونی طریقے سے تو میڈیا پر ضرورت سے زیادہ بجٹ نہیں لگا سکتی اور نہ ہی حزب اختلاف اسے ایسا کرنے دے گی۔ خفیہ طور پر میڈیا کو جو اکثر حکومتیں فنڈز دیتی ہیں ، وہ اسلامی اقدار کے منافی ہے اور مذہبی جماعت ایسا نہیں کرے گی۔ دوسری طرف ملک میں ستر سال سے پیسہ پھینک کر تماشہ دیکھنے والے سرمایہ دار موجود ہیں جنہیں میڈیا کو نوازنا

اچھی طرح آتا ہے۔ اس کے علاوہ عالمی طاقتیں علیحدہ سے اس معاملہ میں سرگرمِ عمل ہیں۔ حقائق کی بنیاد پر دیکھا جائے تو مذہبی جماعتوں کے لیے موجودہ جمہوریت کے سفر میں کافی رکاوٹیں ہیں۔

5۔ عوامی حمایت کا فقدان

عوامی حمایت کے حوالے سے پاکستان میں تین قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں: ایک وہ لوگ جو دین کے ساتھ مخلص ہیں۔ انہیں دیکھ کر دورِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ وہ اپنا سب کچھ دین پر نچھاور کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں، ان میں علماء بھی شامل ہیں اور عوام بھی۔

دوسرے وہ لوگ ہیں جو دین کے ساتھ جزوی طور پر مخلص ہیں۔ ان میں سے اکثریت کا دین عبادات اور رسومات تک محدود ہے۔ اپنے مفادات کو دین پر ترجیح دینا ان کے ہاں کوئی عیب نہیں ہے۔ عوام تو ان میں شامل ہے ہی، اکثر علماء بھی اس میں شامل ہیں۔ اور یہ تینوں گروہوں میں سے اکثریت میں ہیں۔

تیسرا وہ گروہ ہے جنہیں یا تو دنیوی مفادات کی دوڑ نے بالکل اندھا کر دیا یا جدید دور کی تعلیم و تہذیب نے اسلام کے بارے ان کے ذہنوں میں زہر گھول دیا ہے۔ ان کے سامنے دین کی اچھی سے اچھی بات بھی پیش کر دو اس میں بھی کوئی نہ کوئی عیب ڈھونڈ نکالیں گے۔ یہ گروہ تعداد میں پہلے گروہ کے تقریباً برابر ہے۔

الیکشن میں پہلا اور تیسرا گروہ اپنی اپنی جگہ قائم رہتے ہیں۔ یعنی پہلا گروہ مذہبی سیاسی جماعتوں کے لیے دن رات محنت کرتا ہے تاکہ دین تخت پر آجائے اور دوسری طرف تیسرا گروہ سیکولر جماعتوں کی حمایت اور مذہبی جماعتوں کی مخالفت میں مگن نظر آتا ہے۔ یہ دونوں گروہ، وہ اوزان ہیں جو ترازو کے دونوں پلڑوں کو تقریباً برابر رکھتے ہیں۔ اصل فرق دوسرے گروہ کی وجہ سے پڑتا ہے جو اکثریت میں ہے۔ چونکہ یہ مفادات کو دین پر ترجیح دیتے ہیں اس لیے جو ان کی رائے (ووٹ) کی زیادہ قیمت لگاتا ہے، اسی کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے ہیں۔ اور اس میں سب سے زیادہ اندوہناک بات یہ ہے کہ ان میں علماء کی بھی ایک بڑی تعداد پائی جاتی

ہے۔ اب مذہبی سیاسی جماعتیں نہ یہ غیر اخلاقی و غیر شرعی طریقہ کار اپناتی ہیں اور نہ ہی ان کے پاس اتنا سرمایہ ہے کہ لوگوں کے ووٹ خرید سکیں، اس لیے طاقت اور سرمایہ ہر بار جیت جاتا ہے اور دین ہار جاتا ہے۔ ستر سال سے ہم یہی دیکھتے آرہے ہیں اور لوگ اس روش پر مزید پختہ ہوتے جارہے ہیں۔

اس لیے اسلام پسندوں سے میری یہ التجا ہے کہ اگر ہم نے ابھی فیصلہ نہ کیا اور آرام پسندی کی اسی روش پر قائم رہے (یعنی جو سیاست میں آگیا وہ اسی میں زندگی بھر رہا، جو مدرسہ میں جا بیٹھا اس نے پھر باہر نہ دیکھا کہ کیا ہو رہا ہے اور جو خانقاہ میں داخل ہوا پھر باہر نکلنا بھول گیا) تو بات ہاتھ سے نکل جائے گی۔ کفر کی آندھی اس قدر تیز ہے کہ ہر پل لوگ پہلے سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے گروہ کی طرف منتقل ہو رہے ہیں۔ آج جن لوگوں کے ذریعے اسلامی انقلاب برپا کیا جاسکتا ہے کل انہی لوگوں کے ہاتھوں اسلام پسند قتل ہوں گے اور سولی چڑھا دیے جائیں گے۔ اس لیے فیصلہ آپ کا ہے کہ آج اس عوام کے ذریعے انقلاب لے کر آنا ہے یا کل انہی کے ہاتھوں قتل ہونا ہے۔

6۔الزام تراشی

ہماری تہذیب اور نظامِ تعلیم پر جب مغربی افکار کا غلبہ ہے تو ایسے میں ایک عام شخص کے ذہن میں جو اسلام کی تصویر بنتی ہے وہ حقیقت سے بہت دور ہے۔ کسی کا یہ تصوّر ہے کہ اسلام کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں۔ کوئی یہ عقیدہ بنا بیٹھا ہے کہ مذہبی جماعتیں سیاست کے لیے دین کو استعمال کر رہی ہیں۔ کسی نے یہ سوچ لیا کہ مذہبی جماعتیں حکومت نہیں چلا سکتیں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ سارے تصوّرات غلط اور بے بنیاد ہیں، مگر جو انہیں پھیلا رہے ہیں وہ طاقتور ہیں اور وسائل کے حامل ہیں۔ نظام تعلیم ان کا ہے، سکول کالج ان کے ہیں، صحافی، اخبار اور ٹیلی وژن، سب کچھ ان کا ہے۔ اس طرح ان الزامات کو نہ خاموش رہ کر مٹایا جاسکتا ہے اور نہ جواب دے کر کیونکہ ایسے حالات میں خاموشی مجرم کی طرف سے ہوتی ہے اور جواب طاقتور کا سنا جاتا ہے اور اسے اہمیت دی جاتی ہے۔ پھر جب ان الزامات کو موجودہ حالات میں باآسانی دور کرنا ممکن نہیں تو ان کے ساتھ عوام کی رائے (ووٹ) حاصل کرنا بھی محال ہے۔

7۔اتحاد کا فقدان

پاکستان میں تین، چار بڑی سیاسی جماعتیں ہیں جو باریاں بدل بدل کر ملکی اقتدار کے مزے لوٹ رہی ہیں۔ اس بارے میں ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے درست فرمایا تھا کہ "پاکستان کی سیاست تو میوزیکل چیئرز گیم ہے، جاگیر داروں کا ایک مشغلہ ہے۔" سرمایہ اور طاقت کے اس کھیل میں کوئی نیا کھلاڑی تب ہی میدان مار سکتا ہے جب پرانے کھلاڑیوں کے مقابلے میں کئی گنا بڑی طاقت کے ساتھ میدان میں اترے گا۔ جہاں تک مذہبی جماعتوں کا معاملہ ہے تو ان کے پاس نہ تو سرمایہ ہے اور نہ ہی طاقت۔ ایسے میں ان کے پاس ایک ہی ہتھیار ہے اور وہ ہے عوامی حمایت۔ اور یہ حمایت اس درجے کی ہو کہ مخالفین کے تمام تر حربے ناکام ہو جائیں۔ جیسے مشرقی پاکستان کے 1971ء کے الیکشن میں شیخ مجیب الرحمٰن نے 162 میں سے 160 نشستیں جیتی تھیں۔ اب مذہبی سیاست کو ایسی حمایت اسی صورت میں حاصل ہو سکتی ہے جب اس کی نمائندگی صرف ایک جماعت کے پاس ہو اور اس کا منشور ہر مسلمان کو قبول کرتا ہو چاہے وہ کسی بھی مسلک سے ہو۔ پاکستان میں مذہبی سیاست کو ایسی فضا نہ پہلے کبھی ملی ہے اور نہ آگے کی امید ہے بلکہ تقسیم اور بڑھتی جارہی ہے۔ پاکستان میں اس وقت چار بڑے مسالک ہیں؛ بریلوی، دیوبندی، اہل حدیث اور اہل تشیع اور ہر مسلک کے اندر کئی کئی سیاسی جماعتیں ہیں۔ ایسے میں ایک بھی ایسی مذہبی جماعت نہیں ہے جس سے یہ امید کی جاسکے کہ وہ اکثریت حاصل کرے گی۔ مسلکی تقسیم کی وجہ سے اسلام پسندوں کی رائے (ووٹ) کئی گروہوں میں تقسیم ہو کر ضائع ہو جاتی ہے اور سرمایہ داروں کا راستہ صاف ہو جاتا ہے۔ مجموعی طور پر مذہبی جماعتوں کے آٹھ دس لوگ قومی یا صوبائی اسمبلی تک پہنچ جاتے ہیں جن کی رائے کو کوئی اہمیت نہیں دے جاتی اور وہ آٹے میں نمک کے برابر بھی تبدیلی نہیں لا پاتے۔ اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ مذہبی جماعتیں مطمئن ہو جاتی ہیں کہ ہم نے الیکشن میں بہت محنت کی یا باقی مذہبی جماعتوں کے بنسبت زیادہ ووٹ حاصل کیا۔ اور مستقبل میں مزید بہتری کی امید پال کر اگلے الیکشن تک غفلت کی نیند سوئی رہتی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انقلاب کی کوئی امید باقی نہیں رہتی کیونکہ جنہوں نے انقلاب برپا کرنا ہے انہیں سیاست کے پُر فریب دھندے میں لگا کر ٹھنڈا کر دیا جاتا ہے۔

الغرض مسلکی بنیادوں پر قائم ہونے والی مذہبی جماعتیں کبھی بھی دین کو تخت پر نہیں لاسکتیں بلکہ سیاسی پنڈتوں اور اداروں کے ہاتھوں استعمال ہو کر پاکستانی عوام کو اسلام سے مزید متنفر کرتی رہیں گی۔

باب پنجم

کیا ہماری سمت درست ہے؟

رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ اور بعد میں خلفاء راشدین کا دور رہتی دنیا تک کل انسانیت کے لیے تمام معاملات میں رہنمائی کا مکمل پیکج ہے۔ وحی کے نزول سے قبل آپ ﷺ نے مکہ میں مثالی زندگی گزاری جس کی بنا پر مشرکین مکہ آپ ﷺ کو صادق اور امین کہنے پر مجبور ہوئے۔ 610 عیسوی میں پہلی وحی کا جب نزول ہوا تو آپ ﷺ نے سب سے پہلے اپنی زوجہ اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اسلام کی دعوت دی جو انہوں نے قبول کی، پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دعوت دی، یوں جس جس میں آپ ﷺ خیر پاتے اسے اسلام کی دعوت دیتے جاتے۔ خاموش تبلیغ کا یہ سلسلہ تقریباً تین سال تک چلتا رہا۔ اس کے بعد 613 عیسوی میں آپ ﷺ کو اعلانیہ تبلیغ کا حکم ہوا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: "(اے نبی ﷺ!) آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے۔" (الشعراء:214) تو رسول اللہ ﷺ صفا پہاڑی پر چڑھ گئے اور پکارا: یاصباحاہ! اس پر سب لوگ وہاں جمع ہو گئے۔ نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے، اگر میں تمہیں بتاؤں کہ ایک لشکر اس پہاڑ کے پیچھے سے آنے والا ہے، تو کیا تم مجھ کو سچا سمجھو گے؟ انہوں نے کہا کہ ہمیں آپ سے جھوٹ کا تجربہ کبھی بھی نہیں ہوا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: پھر میں تمہیں اس سخت عذاب سے ڈراتا ہوں جو تمہارے سامنے آرہا ہے۔" (صحیح البخاری)[77]

نبوت کے اعلانِ عام کے دو سال بعد 615 عیسوی میں تقریباً سو مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم پر حبشہ کی طرف ہجرت کی جہاں کا بادشاہ ایک عادل عیسائی تھا۔ مشرکین مکہ نے جب اسلام کو مسلسل پھیلتے اور رسول اللہ ﷺ کی حکمت عملیوں کو کامیاب ہوتے دیکھا تو رکاوٹیں کھڑی کرنا شروع کر دیں۔ آپ ﷺ کے قبیلہ بنو ہاشم کو شعب ابی طالب

میں محصور کر دیا گیا اور یہ محاصرہ تقریباً تین سال تک جاری رہا۔ 619 عیسوی میں محاصرہ کا امتحان ختم ہوا۔ مشرکین مکہ کے جب تمام حربے ناکام ہوئے تو انہوں نے دارالندوہ میں ایک اجلاس بلایا اور اس میں متفقہ طور پر رسول اللہ ﷺ کے (نعوذ باللہ) قتل کا منصوبہ بنایا۔ اس پر حضرت جبرائیلؑ وحی لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور مشرکین کی سازش سے مطلع کیا اور ساتھ ہی ہجرت کا حکم بھی صادر فرمایا۔ 622 عیسوی میں آپ ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ ہجرت کے بعد آپ ﷺ نے مدینہ میں مسجد نبوی کی تعمیر کروائی۔ اس کے علاوہ مہاجرین وانصار اور یہودیوں کے درمیان ایک مثالی معاہدہ تحریر کیا جو میثاق مدینہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے مدینہ میں ایک مثالی معاشرہ قائم کیا۔ 624 عیسوی میں آپ ﷺ نے 313 جانثار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ہمراہ مشرکین مکہ سے مقام بدر پر جہاد کیا اور شکست دے کر ان کے غرور کو خاک میں ملا دیا۔ اگلے ہی سال مشرکین مکہ غزوہ بدر کی شکست کا بدلہ لینے اُحد کے میدان پر اترے۔ آپ ﷺ ایک ہزار جانثاروں کو لے کر میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر آپ ﷺ نے اُحد پہاڑ پر 50 تیر انداز مقرر کیے لیکن وہ یہ سمجھتے ہوئے کہ مسلمان جنگ جیت چکے ہیں، پہاڑ سے اتر آئے۔ کفار مکہ نے پہاڑ کی طرف سے حملہ کیا جس کی وجہ سے مسلمانوں میں افراتفری مچ گئی لیکن پھر مسلمانوں نے دوبارہ جمع ہونا شروع کیا، تو مشرکین نے میدان جنگ سے مکہ کی راہ اختیار کی۔

اس کے بعد 627 عیسوی میں مشرکین مکہ نے مختلف قبائل کو جمع کیا اور دس ہزار کا لشکر تیار کر کے ابوسفیان کی قیادت میں مدینہ کی طرف روانہ کیا۔ آپ ﷺ نے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مشورہ کر کے مدینہ کے گرد پانچ کلومیٹر لمبی دفاعی خندق کھود دی۔ آپ ﷺ کی یہ حکمت عملی کامیاب رہی اور مشرکین مکہ اپنے عزائم میں ناکام رہے اور آخر ذلت اور پشیمانی کے ساتھ واپس لوٹ گئے۔ اس مرتبہ مسلمانوں کے لشکر کی تعداد تین ہزار تھی۔ اور یہ جنگ غزوہ خندق کے نام سے جانی جاتی ہے۔

اس سے اگلے سال 628 عیسوی میں مسلمان مکہ کی طرف عمرہ کے غرض سے روانہ ہوئے اور حدیبیہ کے مقام پر مسلمانوں اور مشرکین مکہ کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جسے صلح

حدیبیہ سے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ مسلمانوں کی ایک عظیم فتح تھی کیونکہ مشرکین مکہ نے انہیں پہلی دفعہ ایک طاقت کے طور پر تسلیم کر لیا تھا اور اسی لیے معاہدہ کرنے پر راضی ہوئے اور قرآن نے بھی اسے فتح مبین قرار دیا۔

صلح حدیبیہ کے دو سال بعد وہی مکہ جہاں سے مشرکین مکہ نے آپ ﷺ کو ہجرت پر مجبور کیا تھا، 630 عیسوی میں آپ ﷺ فاتح کی حیثیت سے اس میں داخل ہوئے۔

رسول اللہ ﷺ کی یہ تیئیس سالہ جدّوجُہد تا قیامت اہل حق کے لیے مشعل راہ ہے۔ آپ ﷺ کی جدّوجُہد کا ایک ایک لمحہ مثالی ترتیب میں مرتب ہے۔ یعنی کفروشرک میں ڈوبے ہوئے معاشرے میں پہلے خفیہ تبلیغ، تین سال کے بعد اعلانیہ تبلیغ، پھر ہجرت حبشہ، اسکے بعد ہجرت مدینہ، وہاں مثالی ریاست کا قیام، پھر 313 ساتھیوں کے ساتھ جنگ بدر میں باطل کو شکست دینا، اس کے بعد ایک ہزار جانثاروں کو لے کر میدان اُحد میں دشمن کا سامنا کرنا، پھر مزید بڑا لشکر (تین ہزار) لے کر غزوہ خندق میں مشرکین کا سامنا کرنا، مشرکین مکہ کے ساتھ صلح حدیبیہ اور آخر میں فتح مکہ۔

جدّوجُہد کی یہ ترتیب سیڑھی کے قدم ہیں۔ منزل پر وہی پہنچے گا جو پہلے کے بعد دوسرا اور پھر تیسرا اور چوتھا قدم اٹھائے گا یعنی ترتیب کو ملحوظ رکھے گا لیکن جو ترتیب ہی الٹ پلٹ دے گا وہ ہمیشہ دائروں میں سفر کرتا رہے گا۔ پاکستان میں نفاذِ شریعت کے لیے جدّوجُہد کرنے والے افراد اور جماعتوں کا یہی حال ہے کہ وہ ستر سال سے دائروں میں سفر کر رہے ہیں۔ محنت، لگن اور ایثار دیکھو تو بے مثال، نتیجہ دیکھو تو صفر۔

ذاتی معاملات میں کبھی ہم ایسا نہیں کرتے۔ جس کھیت میں ایک سال فصل نہ لہلہائے، اگلے سال ہم اس میں اُس وقت تک بیج نہیں ڈالتے جب تک مسئلہ کا تدارک نہ کر لیں۔ ہم جانچ پڑتال کرتے ہیں کہ کیا زمین خراب ہے، بیج ٹھیک نہیں تھا، کھاد غیر معیاری تھی، پانی کڑوا تھا یا کوئی اور مسئلہ تھا تاکہ دوبارہ ہماری محنت ضائع نہ ہو جائے۔ دین کے حوالے سے ہم ستر سال سے مسلسل اپنی محنت ضائع کر رہے ہیں لیکن کسی کو فکر ہی نہیں۔ بس سب دیوار کے ساتھ ٹکریں مار رہے ہیں اور خوش ہیں کہ ہم دین کے لیے کام کر رہے ہیں۔ یہ کس قدر افسوسناک معاملہ ہے کہ ہم ایسی سمت میں محوِ سفر ہیں جہاں کوئی مقام ہے، نہ منزل۔

باب ششم

ناکامی کا اصل ذمہ دار کون؟

پاکستان میں اسلام کی اس مغلوبیت کا اصل ذمہ دار کون ہے، یہ بھی واضح کرتا چلوں۔ آپ کے ذہن میں فوراً ملکی و غیر ملکی طاقتیں آ رہی ہوں گی؟ لیکن یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ دنیا کے اس سفر کا اصول ہے کہ باطل قدم بقدم حق کی راہ میں روڑے اٹکاتا ہے۔ منزل پر وہی مسافر پہنچتا ہے جو باطل کا ڈٹ کر مقابلہ کرتا ہے اور اپنی راہ پر برابر چلتا جاتا ہے۔ اگر مخالف طاقتوں ہی کا صرف مسئلہ ہوتا تو پھر جان لو کہ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کسی ہستی نے مخالفتوں کا سامنا نہیں کیا۔ آپ ﷺ کو کوئی طاقت راہِ حق سے نہ روک سکی۔

آپ کے ذہن میں شاید آ رہا ہو کہ عوام اس مغلوبیت کے ذمہ دار ہیں تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ عوام کو جب جب پکارا گیا، جان ہتھیلی پر رکھ کر حاضر ہو گئے۔ 1947ء سے قبل قائداعظم نے پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ کا نعرہ لگایا تو مسلمان اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کے لیے نکل آئے۔ پاکستان بننے کے بعد تحریک ختم نبوت 1953، تحریک ختم نبوت 1974، نظام مصطفیٰ تحریک 1977، سوویت افغان جنگ 1979، تحریک نفاذ شریعت محمدی 1992، تحفظ ناموس رسالت فیض آباد دھرنا 2017، تحفظ ناموس رسالت مارچ یتیم خانہ چوک 2021 اور دیگر موقعوں پر عوام نے مال و جان کا نذرانہ پیش کیا۔ اس کے علاوہ آج بھی جو مذہبی تحریکیں کسی بھی صورت میں کام کر رہی ہیں، عوام غربت و تنگی کے باوجود اپنی جان و مال نچھاور کر رہے ہیں۔ لیکن اس جانثاری کا کوئی مثبت نتیجہ سامنے نہیں آ رہا۔ باطل کی گرفت دن بدن مضبوط ہوتی جا رہی ہے۔ لوگ دین کے حوالے سے شدید شکوک و شبہات کا شکار ہوتے جا رہے ہیں۔ ایسے میں اگر لادین قوتیں اس بدحالی کی ذمہ دار نہیں اور نہ ہی عوام تو پھر کون ہے وہ اصل مجرم؟

علماء حق سے معذرت کے ساتھ جو ہر دور میں اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے سر بکف لڑے اور آج بھی لڑ رہے ہیں؛ پاکستان میں اسلامی نفاذ کے اصل مجرم وہ مذہبی رہنما ہیں جن کے سپرد عوام نے اپنے جان و مال کر دیے، لیکن انہوں نے غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے عوام کے مال و جان کا درست استعمال نہیں کیا۔ ایسے میں کل روز قیامت عوام اللہ کی عدالت میں بریٔ الذمہ ہو جائیں گے لیکن مذہبی رہنما مجرموں کی صف میں کھڑے کر دیے جائیں گے۔ ناکامی کے اصل ذمہ دار وہ مذہبی رہنما ہیں جو یہ جانتے ہوئے کہ اللہ نے تفرقہ بازی سے منع فرمایا ہے، پھر بھی وہ اپنی انا اور نفس پرستی سے باہر نہیں آتے۔ خود بھی گمراہی کا راستہ اختیار کیے ہوئے ہیں اور لاکھوں مسلمانوں کی محنت، جان اور مال اسی گمراہی کی راہ میں ضائع کر رہے ہیں۔ اور شیطان نے انہیں اس دھوکے میں ڈال رکھا ہے کہ وہ اسلام کی خدمت کر رہے ہیں لیکن وہ دراصل کفر اور باطل کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ اللہ کے حکم کے برعکس باطل قوتیں تو یہی چاہتی ہیں کہ مسلمان فرقوں میں بٹے رہیں تاکہ وہ ایک بڑی قوت کے طور پر سامنے نہ آ سکیں۔ پس فرقہ پرست مذہبی رہنما باطل قوتوں کی اس خواہش کو پورا کرنے میں شب و روز سرگرداں ہیں اور لاکھوں پیروکاروں کو بھی شامل کر رکھا ہے جو اُمّت کے شیرازے میں شگاف ڈال رہے ہیں۔

ناکامی کے اصل ذمہ دار وہ مذہبی رہنما ہیں جنہوں نے صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا اور دین کے قیام کے لیے ملک میں مسلح جدّوجُہد شروع کر دی۔ ایک طرف مفاد پرست اور کم فہم سیاست دان اور دوسری طرف دینی جذبے سے سرشار نوجوان، پاکستانی عوام کے لیے عذابِ جان بن گئے۔ ایسے میں غیر ملکی ایجنسیوں کو اپنا کھیل کھیلنے کا موقع ملا اور اسلامی دنیا کی واحد ایٹمی قوت کو اپنے ہی لوگوں کے ہاتھوں تباہ کر دیا۔ آج بھی مسلح گروہوں اور ملکی سربراہان کے درمیان بھڑکنے والی آگ پر مسلسل غیر ملکی ایجنسیاں تیل چھڑک رہی ہیں تاکہ پاکستان خوشحالی کی طرف نہ بڑھ سکے۔ اس افسوناک حالت میں بڑا حصہ تو ملکی قیادت کا ہے جن کے اکثر فیصلے اغیار کے زیر اثر ہوتے ہیں۔ مسلح گروہوں کے حوالے سے بھی ملکی پالیسی اغیار کے زیر اثر ہے اور اس طرح تشکیل دی گئی ہے کہ تھوڑی بہت فہم رکھنے والا شخص یہ سمجھ جاتا ہے کہ اس پالیسی کا مقصد دہشتگردی ختم کرنا نہیں بلکہ اسے جاری رکھنا

ہے۔ ایسے میں ریاست کے ٹھیکے دار مجرم ہیں ہی، ساتھ ساتھ وہ مذہبی رہنما بھی مجرم ہیں جو یہ دیکھ چکے ہیں کہ ملک میں مسلح جدّ و جُہد کا اسلام یا پاکستان کو کوئی فائدہ نہیں، الٹا نقصان ہے لیکن پھر بھی وہ اپنی روش پر ڈٹے ہوئے ہیں۔

ناکامی کے اصل ذمہ دار وہ درباری علماء ہیں جو جس حکومت کے ساتھ ہوتے ہیں اسی کا مذہب اختیار کر لیتے ہیں۔ وہ ہر برائی کو دیکھنے کے باوجود نہیں دیکھتے اور حکمرانوں کے اقدام کا دفاع کرتے اور ان کے کاموں کو سراہتے ہیں۔ سودی نظام کے ذریعے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ پاکستان حالت جنگ میں ہے، لیکن ان کے مطابق ملک میں سب ٹھیک چل رہا ہے۔ بے حیائی اور عریانی دن بدن بڑھتی جارہی ہے لیکن انہیں کچھ فکر نہیں۔ فلمیں اور ڈرامے فحاشی کا رنگ اختیار کر چکے ہیں مگر مولانا صاحب پاکستان کی ترقی کے گن گا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار اور پرچار اسلام کی بنیاد ہے لیکن مذہبی ہم آہنگی کے نام پر علامہ صاحب 25 دسمبر کو کیک کاٹ کر عیسائیوں کے انکار وحدانیت میں شریک ہوتے ہیں۔ اور یہ میں الزام تراشی نہیں کر رہا بلکہ دونوں باتیں آپ کے سامنے ہیں۔ درباری علماء کے علاوہ کسی بھی عالم سے پوچھ لیں وہ آپ کو بتائے گا کہ کرسمس کا کیک کاٹنا جائز نہیں، پھر انٹرنیٹ پر ہر سال کیک کاٹنے والوں کے چہرے ملاحظہ کیجیے۔ ہو سکتا ہے ان میں آپ کا کوئی استاد نکل آئے اور پھر آپ اس کے حق میں دلائل ڈھونڈنے لگیں۔ لیکن کل قیامت کے دن اللہ کی عدالت بھی تو لگنی ہے۔ اللہ رب العزت نے رسول اللہ ﷺ کو شرک اور دیگر برائیوں کے خاتمے کے لیے مبعوث فرمایا اور آپ ﷺ نے کعبے کے بت توڑے اور مشرکین کے خلاف جہاد کیا۔ آج اسی دین کے وارث مشرکوں کی شرکیہ تقاریب میں شامل ہو کر مذہبی ہم آہنگی کا پیغام دنیا کو دے رہے ہیں۔ یہ کتنی شرمناک بات ہے۔ اب یہاں کوئی مجھ پر یہ فتویٰ نہ لگائے کہ یہ اقلیتوں کا مخالف ہے یا شدت پسند ہے۔ بلکہ قرآن پڑھ لیجیے تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے کس شدت کے ساتھ شرک کی نفی کی ہے اور اسے ناقابل معافی جرم قرار دیا ہے۔

اس معاملے میں اگر کہیں مصلحت کی گنجائش ہو سکتی تھی تو حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے استعمال کرتے۔ جب آپؓ نے دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سمیت

مشرکین مکہ کے مظالم سے تنگ آکر حبشہ ہجرت کی۔ وہاں کیفیت یہ تھی کہ سامنے ایک عیسائی بادشاہ تھا جس کے پاس آپ پناہ لینے کے لیے آئے تھے اور پیچھے مشرکین مکہ تھے جن کے مظالم سے تنگ آکر آپ نے ہجرت کی تھی۔ اس مشکل گھڑی میں بھی جب نجاشی نے آپؐ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے عقیدے کے بارے میں دریافت کیا تو آپؐ نے بلا جھجک جواب دیا کہ ہماری کتاب کی رو سے وہ اللہ کے بندے اوراس کے رسول اور روح تھے۔ لیکن آج اسلام کے نام پر بننے والے ملک پاکستان میں ایسی کون سی مجبوری اور مصلحت ہے جس کے تحت درباری مولوی ہر سال 25 دسمبر کو عیسائیوں کے ساتھ کیک کاٹتے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اس دن آگاہی مہم چلاتے اور عیسائیوں کے مشرکانہ عقائد کی نفی کرتے۔ اس کی توفیق نہ ہوئی تو ان کے ساتھ شرک میں شامل ہوگئے۔ کیسا یہ افسوس کن معاملہ ہے۔ اس کے علاوہ ایک طویل فہرست ہے خلافِ شرع معاملات کی لیکن کسی کے ماتھے پر بل تک نہیں آتا۔ درباری مولوی بس اسی بات پر خوش ہیں کہ اسلام ہے یا نہیں کم از کم تنخواہ اور مراعات تو اچھی مل رہی ہیں۔

ناکامی کے اصل ذمہ دار درگاہوں میں بیٹھے پیر ہیں جنہوں نے لاکھوں مرید قید کر رکھے ہیں۔ ملک میں اسلامی قوانین کی دھجیاں اڑائی جا رہی ہیں مگر پیر صاحب کی نگاہ بس اپنے مریدوں پر جمی ہوئی ہے اور مرید منزل پہ منزل طے کرتے جا رہے ہیں۔ انہیں باہر کی دنیا کی فکر ہی نہیں۔ مگر یہ انہیں ضرور بتایا جاتا ہے کہ اپنے پیر سے بہتر کسی کو سمجھو گے تو بیعت باطل ہو جائے گی تاکہ گاہک نہ کم ہوں۔ کچھ نے درگاہوں کو ذریعہ معاش بنا لیا ہے، کوئی سیاسی جماعتوں کے لاڈلے بن گئے اور کوئی صبح شام ذکر و مراقبہ میں مگن ہیں۔ علامہ اقبال نے اس طرزِ عمل کو "ابلیس کی مجلس شوریٰ" میں بیان کیا تھا، جس میں ابلیس اپنے مشیروں سے خطاب کرتے ہو کہتا ہے کہ

مست رکھو ذکر و فکرِ صُبح گاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے

یعنی مسلمانوں کو ذکر، فکر، مراقبہ اور منازل وغیرہ میں ہی لگائے رکھو تاکہ اصل مسئلہ کی طرف ان کی نگاہ جائے ہی نہ۔

درگاہوں کو اگر وسائل کے تناظر میں دیکھا جائے تو لاکھوں افراد اور کروڑوں روپے کا سرمایہ ہے جو اکثر جگہوں پر فضول خرچ ہو رہا ہے۔ اگر یہی پیسہ، محنت، لگن اور قابلیت دین کے لیے لگائے جائیں تو قوم کے آدھے مسائل خانقاہوں سے ہی حل ہو جائیں۔ علامہ اقبال اسی لیے مسلمانوں کو خانقاہوں سے نکل کر میدانِ عمل میں اترنے کا درس دیتے ہوئے فرماتے ہیں:ؔ

نکل کر خانقاہوں سے اَدا کر رسمِ شبیری
کہ فقرِ خانقاہی ہے فقط اندوہ و دل گیریِ

ناکامی کے اصل ذمہ دار وہ علماء ہیں جنہوں نے تبلیغ ہی کو سارا دین سمجھ لیا ہے اور مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد کو اسی کام پر لگایا ہوا ہے۔ انہیں کوئی فکر نہیں ہے کہ ملک پر روس قبضہ کر لے یا امریکہ۔ ان کا فخر اس بات پر ہے کہ میں نے تبلیغ پر اس سال چار مہینے لگائے، پچھلے سال دو چلے لگائے، سہ روزہ ہر مہینے لگاتا ہوں، شبِ جمعہ تو کبھی قضا ہی نہیں کیا۔ بس اسی پنجرے میں بند ہیں اور اسی کو کل کائنات سمجھ بیٹھے ہیں۔ اکثر یہ بات فخر سے بیان کی جاتی ہے کہ انٹیلی جنس والے مخبری کرنے تبلیغ والوں کے پاس آتے ہیں تو واپس جا کر کہتے ہیں: "ہمیں کچھ نہیں ملا، تبلیغ والے یا تو زمین سے نیچے کی بات کرتے ہیں یا آسمان سے اوپر کی۔"

درحقیقت اس میں فخر والا کوئی پہلو نہیں بلکہ افسوس کا مقام ہے کہ آپ نے دین کا ایک بڑا حصہ بالکل ترک ہی کر دیا ہے۔ اتنے بڑے پیمانے پر تبلیغ ہو رہی ہے لیکن معاشرے میں اس کے کچھ اثرات نظر نہیں آتے، لادینیت تیزی سے ترویج پا رہی ہے اور کفر آگے ہی آگے بڑھ رہا ہے۔

ناکامی کے اصل ذمہ دار وہ علماء ہیں جنہوں نے مدرسے کی چار دیواری کو ہی کل دین سمجھ لیا ہے۔ انہیں کفر کے پھیلتے ہوئے غلبہ سے کچھ سروکار نہیں۔ وہ بس اس بات پر خوش ہیں کہ ہمارے مدرسے کے اتنے حافظ ہیں، اتنے قاری ہیں، فلاں وزیر آج مدرسے میں آیا

تھا، فلاں نے اتنا چندہ دیا ہے۔ اس کے علاوہ آپس میں ایک دوسرے کو بڑے بڑے القابات سے پکار کر خوش ہوتے رہتے ہیں حالانکہ دنیا ان کے احوال پر ہنستی ہے۔

میری اس تنقید سے کوئی یہ تاثر نہ لے کہ میں علماء سے بغض رکھتا ہوں بلکہ میں جب سیکولر لوگوں میں بیٹھتا ہوں تو علماء حق کا دفاع کرتا ہوں۔ علماء کو اس ناکامی کا ذمہ دار ٹھہرانا اس خلوص اور امید سے ہے کہ وہ اپنی خطاؤں اور اناؤں کو ترک کر کے دین کے غلبے کے لیے میدانِ عمل میں اتریں اور ظلم کی طویل شب میں قوم کو نویدِ سحر دیں۔

باب ہفتم

درست سمت کا تعین

موجودہ ملکی صورت حال اور تاریخ کے مختصر جائزہ سے یہ حقیقت ہمارے سامنے آتی ہے کہ پاکستان میں اسلامی نظام نہ جمہوریت کے ذریعے ممکن ہے، نہ بغیر ریاست مسلح جدّو جُہد سے، نہ مدرسوں کے قیام سے، نہ مساجد کی تعمیر سے اور نہ ہی ادھوری تبلیغ سے۔ یہ کاوشیں اپنی اپنی جگہ اہمیت کی حامل ضرور ہیں لیکن موجودہ حالات میں ان سے نظام نہیں بدل سکتا۔ اس حقیقت کے پیشِ نظر ہم یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کا واحد راستہ کون سا ہے؟ تاکہ اس کے مطابق اگلا لائحہ عمل پیش کیا جاسکے۔

زندگی کے ہر پہلو کی رہنمائی ہمیں رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ سے ملتی ہے۔ آپؐ کی زندگی کے حالات و واقعات پر غور کریں تو یہ راز عیاں ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کو اللہ تعالیٰ نے آنے والے تمام ادوار کے لیے نمونہ بنایا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اکثر لوگ میری بات پر تعجب کریں کہ یہ کون سی نئی بات ہے، یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہمارے لیے مثالی نمونہ ہے۔ مگر کسی شے کی خوبصورتی اپنی آنکھوں سے دیکھنے اور اس کے بارے میں دوسروں سے سننے میں بہت فرق ہے۔ ایک شخص نے صرف سن رکھا ہے کہ شہد میٹھا ہوتا ہے اور دوسرے کو خالص شہد کھانا نصیب ہوا۔ اب دونوں کے شہد کے بارے میں جو احساسات ہیں ان میں زمین آسمان کا فرق ہوگا۔ یہی معاملہ رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ کے بارے میں لوگوں کا ہے۔ جنہیں آپ ﷺ کی صحبت نصیب ہوئی، ان کی کیا کیفیت تھی، سنیے حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی۔ آپؓ فرماتے ہیں:

"ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ہوتے ہیں اور آپؐ ہمیں جنت و دوزخ کی یاد دلاتے رہتے ہیں گویا ہم انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔" (صحیح مسلم)[78]

پھر دوسرے وہ ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کا مبارک زمانہ نہیں پایا اور آپ ﷺ کے بارے میں دوسروں سے سنا اور تصورات کی دنیا میں جا کر آپ ﷺ کو دل کی آنکھ سے دیکھا۔ ان کی کیفیت آپ ﷺ نے خود بیان فرمائی:

"میری اُمّت میں میرے ساتھ سب سے زیادہ محبت کرنے والوں میں وہ لوگ (بھی) ہیں جو میرے بعد ہوں گے، ان میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہو گا کہ کاش! اپنے اہل و عیال اور مال کی قربانی دے کر مجھے دیکھ لے۔" (صحیح مسلم)[79]

اب اس حدیث کے آئینے میں ہم اپنے آپ کو بھی دیکھ سکتے ہیں اور اس فرق کو بھی محسوس کر سکتے ہیں کہ جنہوں نے صرف زبان اور کان سے حدیث کو پڑھا اور سنا، وہ تو چہرے پر سنت رسول ﷺ بھی نہ سجا سکے اور جنہوں نے پڑھ سن کر غور و فکر کیا، وہ آپ ﷺ پر اپنے اہل و عیال تک قربان کرنے کو تیار ہو گئے۔

اب اسی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے اس نکتہ پر آجایئے کہ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ قیامت تک کے لیے کیسے مثالی نمونہ ہے؟ ایک حدیث مبارکہ ملاحظہ ہو:

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ لوگوں میں تشریف فرما تھے کہ آپؐ کے پاس ایک شخص آیا اور پوچھنے لگا کہ ایمان کسے کہتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تم اللہ عزوجل کے وجود اور اس کی وحدانیت پر ایمان لاؤ اور اس کے فرشتوں کے وجود پر اور اس (اللہ) کی ملاقات کے برحق ہونے پر اور اس کے رسولوں کے برحق ہونے پر اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر ایمان لاؤ۔ پھر اس نے پوچھا کہ اسلام کیا ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: اسلام یہ ہے کہ تم خالص اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، نماز قائم کرو، فرض زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو۔ پھر اس نے احسان کے متعلق پوچھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: احسان یہ کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، اگر یہ درجہ نہ حاصل ہو تو پھر یہ تو سمجھو کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔ پھر اس نے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے بارے میں جواب دینے والا پوچھنے والے سے کچھ زیادہ

نہیں جانتا۔ البتہ میں تمہیں اس کی نشانیاں بتلا سکتا ہوں۔ وہ یہ ہیں کہ جب لونڈی اپنے آقا کو جنے گی اور جب سیاہ اونٹوں کے چرانے والے (دیہاتی لوگ ترقی کرتے کرتے) مکانات کی تعمیر میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کریں گے۔ یاد رکھو کہ قیامت کا علم ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: اللہ ہی کو قیامت کا علم ہے کہ وہ کب ہو گی (آخر آیت تک) پھر وہ پوچھنے والا پیٹھ پھیر کر جانے لگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے واپس بلا کر لاؤ۔ لوگ دوڑ پڑے مگر وہ کہیں نظر نہیں آیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ وہ جبرائیلؑ تھے جو لوگوں کو اللہ کا دین سکھانے آئے تھے۔"

(صحیح البخاری)[80]

اس حدیث میں آپ ﷺ نے خود ہی واضح کر دیا کہ حضرت جبرائیلؑ کے ساتھ آپ ﷺ کی یہ گفتگو لوگوں کو دین سکھانے کے لیے تھی۔ اور یہ سکھانا صرف اس دور کے لوگوں کے لیے ہی نہ تھا بلکہ قیامت تک کے لیے تھا۔ اسی لیے تو اللہ نے قرآن کریم کے ساتھ حدیث مبارکہ کے بھی تحفظ کا بندوبست کیا اور آج ہم 1400 سال بعد ان احادیث سے مستفید ہو رہے ہیں۔

اسی طرح ایک اور روایت ملاحظہ ہو:

"رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب یمن (کا گورنر) بنا کر بھیجنے کا ارادہ کیا تو آپؐ نے ان سے پوچھا: جب تمہارے پاس کوئی مقدمہ آئے گا تو تم کیسے فیصلہ کرو گے؟ معاذؓ نے عرض کیا: اللہ کی کتاب کے موافق فیصلہ کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر اللہ کی کتاب میں تم نہ پا سکو؟ تو معاذؓ نے عرض کیا: رسول اللہ ﷺ کی سنت کے موافق۔ آپؐ نے فرمایا: اگر سنت رسول ﷺ اور کتاب اللہ دونوں میں نہ پاؤ تو کیا کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا: پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کوئی کوتاہی نہ کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے معاذ کا سینہ تھپتھپایا اور فرمایا: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں

جس نے رسول اللہ ﷺ کے قاصد کو اس چیز کی توفیق دی جو اللہ کے رسول ﷺ کو راضی اور خوش کرتی ہے۔" (ابو داؤد)[81]

اس روایت میں بظاہر تو آپ ﷺ حضرت معاذ کو گورنری سے متعلق ہدایات دے رہے ہیں لیکن اگر اس بات کو بغور دیکھا جائے تو ذہن میں یہ سوال جنم لیتا ہے کہ اگر حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس مسئلہ کا پہلے ہی علم تھا تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے دریافت کیوں کیا؟ کیونکہ حدیث کے مطالعے سے صحابہ کرامؓ کا ایک طرزِ عمل ہمارے سامنے آتا ہے کہ جب انہیں کسی چیز کے بارے میں علم نہ ہوتا تو وہ کہہ دیتے کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں، لیکن حضرت معاذؓ نے یقین و اطمینان کے ساتھ جواب دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے ہی اس کا علم رکھتے تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ کا ان سے سوال کرنا اس دور اور بعد کے لوگوں کی تعلیم کے لیے تھا۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ذریعے آنے والے ادوار کے لیے مثالی نمونہ چھوڑا ہے۔ رسول اللہ ﷺ، اہل بیت اطہار اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زندگیوں کے ہر پہلو میں ہمیں یہی جھلک نظر آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی زندگیوں کو قیامت تک کے لیے رہنمائی کا ذریعہ بنایا ہے۔

اسلامی تاریخ کا بغور مطالعہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ حکومت کے معاملے میں مسلمانوں کے پاس سات مثالی اور منظور شدہ ماڈل (نمونے) موجود ہیں۔ پہلا اور سب سے اعلیٰ ماڈل دور نبوی ﷺ کا ہے۔ اگلے چار ماڈلز خلفاء راشدین کے جن کا عرصہ تیس سال پر محیط ہے۔ اس ماڈل کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

- "خلافت علی منہاج النبوۃ (نبوت کے طریقے پر خلافت) تیس سال ہے، پھر اللہ تعالیٰ اپنی سلطنت جسے چاہے گا، دے گا۔" (ابو داؤد)[82]
- "تم میں سے آئندہ جو زندہ رہے گا وہ (اُمّت کے اندر) بہت سارے اختلافات دیکھے گا تو تم (باقی رہنے والوں) کو میری وصیت ہے کہ نئے نئے فتنوں اور نئی نئی بدعتوں میں نہ پڑنا، کیونکہ یہ سب گمراہی ہیں۔ چنانچہ تم میں سے جو شخص ان حالات کو پالے تو اسے چاہیے کہ وہ میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی

سنت پر قائم اور جمارہے اور میری اس نصیحت کو اپنے دانتوں کے ذریعے مضبوطی سے دبالے"۔(ترمذی)[83]

- "میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، تم ان میں سے جس کی بھی اقتدا کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔"(مشکاۃ المصابیح)[84]

چھٹا ماڈل حسنی (حضرت حسن کا) ماڈل ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"میرا یہ بیٹا سید ہے اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے میری اُمّت کے دو گروہوں میں صلح کرائے گا۔"(ابوداؤد)[85]

ساتواں ماڈل حسینی (حضرت حسین کا) ماڈل ہے جس کے بارے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

- "حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں۔"(ترمذی)[86]
- "حسن و حسین جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔"(ترمذی)[87]
- "جس نے حسن و حسین سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان دونوں سے دشمنی کی اس نے مجھ سے دشمنی کی۔"(ابن ماجہ)[88]
- "میری اُمّت عنقریب میرے اس بیٹے کو شہید کر دے گی۔"(مشکاۃ المصابیح)[89]
- "میں تمہیں اپنے اہل بیت کے معاملے میں اللہ سے ڈراتا ہوں۔"(صحیح مسلم)[90]

ان سات حکومتی ماڈلز میں سے پہلا ماڈل دورِ نبوت ﷺ کا ہے۔ عام طور پر رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کا ایک ایک پہلو تمام نوعِ انسانیت اور مذکورہ بالا دیگر چھ حکومتی ماڈلز کے لیے ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ اور خاص کر ایسے ماحول کے لیے اس میں عملی نمونہ ہے جہاں کفر کا غلبہ ہو اور کوئی فرد یا جماعت بالکل ابتدا سے وہاں دین کی جدّ و جُہد شروع کرے۔ جیسے مغربی ممالک میں بعض مذہبی تنظیمیں جدّ و جُہد کر رہی ہیں۔

اگلے چار ماڈلز (خلفاء راشدین کے تیس سال) اسلامی حکومتوں کے لیے رہنمائی کا ذریعہ ہیں۔ یعنی اسلامی حکومت قائم ہے اور اسے کیا کیا ممکنہ مسائل پیش آسکتے ہیں اور ان سے کیسے نمٹا جاسکتا ہے؟ اس کے علاوہ دیگر حکومتی امور مثلاً معیشت، معاشرت، عدالت،

فوج، فتوحات، خارجہ پالیسی، الغرض ہر معاملے کے بارے میں رہنمائی ملتی ہے۔ موجودہ دور میں یہ ماڈل خاص کر افغانستان کے لیے کارآمد ہے، جہاں ایک طویل جنگ کے بعد باطل قوتوں کو شکست ہوئی اور لوگ ایک اسلامی حکومت بنانے میں کامیاب ہوئے۔ اب وہ خلفاء راشدین کے ماڈل پر چلتے ہوئے پیش آمدہ مسائل سے باآسانی نمٹ سکتے ہیں اور ملک کو ترقی کی راہ پر گامزن کرسکتے ہیں۔ مگر اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ میں رہنمائی کو کسی خاص ماڈل تک محدود کررہا ہوں بلکہ اصل سرچشمہ رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ ہی ہے۔ یہ مختلف ماڈلز آپ ﷺ کے ہی تیار کردہ ہیں اور ہم نے حالات و واقعات کے مطابق ان سے رہنمائی لینی ہے۔ مثلاً افغانستان کو اس وقت حسینی ماڈل یا طرزِ عمل کی اس لیے ضرورت نہیں ہے کیونکہ ان پر کوئی فاسق حکمران مسلط نہیں ہے بلکہ وہاں اسلامی حکومت قائم ہوچکی ہے۔ اب ان کے لیے رہنمائی کا بہترین ذریعہ ریاست مدینہ اور خلافتِ راشدہ ہے۔

طوالت سے بچنے کے لیے میں نے ان چاروں ماڈلز پر علیحدہ علیحدہ بات نہیں کیونکہ پاکستان کو اس وقت ان ماڈلز کی ضرورت نہیں۔ یہاں پہلے اسلامی حکومت قائم کرنے کی ضرورت ہے، پھر ان ماڈلز کو اپنانے کی نوبت آئے گی۔

چھٹا ماڈل حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریقہ کی نشاندہی کرتا ہے۔ شہادتِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد اُمّت نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی لیکن چھ مہینے کے بعد آپؓ قتل وخوں سے بچنے اور اُمّت کے مفاد کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر خلافت سے دست بردار ہوگئے۔ یہ ماڈل اس حال میں کارآمد ہے جہاں ایک سے زیادہ لوگ یا جماعتیں حکومت کی دعویدار ہوں۔ ایسی حالت میں کسی ایک شخص یا جماعت کا اس وجہ سے پیچھے ہٹ جانا کہ اس کے پیچھے ہٹنے سے اُمّت کا نقصان سے زیادہ فائدہ ہو۔

اس ماڈل کی ہمیں موجودہ دور میں بھی مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً حزب اسلامی افغانستان کے امیر گلبدین حکمت یار۔ آپ نے افغان سویت جنگ میں حصہ لیا۔ اس کے بعد 1996ء میں افغانستان کے پرائم منسٹر بنے۔ آپ کے دور حکومت میں ہی طالبان نے کابل کا کنٹرول سنبھالا۔ اس کے بعد طالبان کا اصرار تھا کہ گلبدین حکمت یار، امیر المؤمنین ملا عمر کی غیر مشروط بیعت کریں اور اپنے آپ کو ان کے فیصلے پر چھوڑ دیں۔ حکمت یار اور ان کے قریبی

ساتھیوں کو غالباً اس میں تشویش تھی، وہ پہلے معافی کا اعلان چاہتے تھے، پھر بیعت کا معاملہ۔ کچھ نہ ہو پایا۔ طالبان حکومت کے خاتمے (2001ء) تک حکمت یار اور طالبان ایک دوسرے سے دور ہی رہے۔ (روزنامہ 92 نیوز)[91] 2001ء میں جب غیر ملکی افواج نے افغانستان پر حملہ کیا تو گلبدین حکمت یار کے بعض ساتھی کرزئی حکومت کا حصہ بن گئے۔ باقی ماندہ ساتھیوں کے ساتھ حکمت یار غیر ملکی افواج سے معرکہ آرا ہوئے اور یہ معاملہ 2017ء تک جاری رہا۔ 2017ء میں آپ نے جنگ بندی کا اعلان کر کے افغان حکومت کے ساتھ امن معاہدہ کیا اور سیاست میں قدم رکھا۔ (ایکسپریس نیوز)[92] 2019ء کے صدارتی انتخابات میں حصہ لیا۔ 2021ء جب امریکہ اپنی فوجیں افغانستان سے نکال رہا تھا اور طالبان کابل کی طرف تیزی سے پیش قدمی کر رہے تھے، اشرف غنی حکومت نے حالات ہاتھ سے نکلتے دیکھ کر گلبدین حکمت یار کو طالبان سے لڑنے کی پیشکش کی۔ 15 جولائی 2021 کی خبر کے مطابق گلبدین حکمت یار نے کہا کہ "ہمیں افغان حکومت نے طالبان کے خلاف اسلحہ دینے کی پیشکش کی، ہم نے اسلحہ لینے اور طالبان سے جنگ کرنے سے انکار کر دیا۔" (جنگ نیوز)[93]
پھر جب اگست 2021ء میں طالبان نے کابل کا کنٹرول سنبھال لیا تو ان سے اس بارے میں پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ " ہم طالبان کی حمایت کا اعلان کرتے ہیں، ہم نے طالبان سے کبھی حکومت کا مطالبہ نہیں کیا لیکن اگر انہوں نے کہا تو غور کریں گے۔" (جنگ نیوز)[94]

گو کہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مذکور موصوف کے حالات و واقعات میں کافی فرق ہے لیکن بنیاد وہی ہے کہ اگر ایک سے زیادہ لوگ حکومت کی دعویدار یا امیدوار ہوں تو اس میں سے ایک فریق اُمّت کے مفاد کو مد نظر رکھتے ہوئے پیچھے ہٹ جائے۔ گلبدین حکمت یار کی زندگی کا ایک طویل عرصہ جنگ میں گزرا۔ ان کے پاس ایک منظم جماعت بھی تھی۔ ان پر عالمی پابندیاں بھی کم ہوگئی تھیں۔ ملکی سیاست میں بھی قدم رکھ چکے تھے۔ ماضی میں وہ طالبان کے مدمقابل بھی رہے ہیں۔ 1996ء میں طالبان نے جب کابل کا کنٹرول سنبھالا تو اس وقت آپ پرائم منسٹر تھے۔ آپ کو ایران کی طرف ہجرت کرنی پڑی۔ ان حالات و واقعات کے باوجود 2021ء میں حکومتِ وقت کی طرف سے طالبان کے خلاف اسلحہ کی پیشکش کو مسترد کرنا اور طالبان کی حمایت کا اعلان کرنا، ایک بہت بڑا اقدام تھا۔ اور انسان

ایسا رویہ اسی وقت اپنا سکتا ہے جب اس نے صدق دل سے آخرت کو مقصود بنا لیا ہو اور دنیا اس کے لیے امتحان گاہ سے زیادہ حیثیت نہ رکھتی ہو۔

ساتواں ماڈل حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طرزِ عمل کی نشاندہی کرتا ہے۔ حسینی ماڈل ایسے حالات کے لیے کارآمد ہے جہاں مسلمان رعایا پر فاسق حکمران مسلط ہوں۔ حسینی ماڈل پر بحث سے پہلے میں خلافت راشدہ کے آخری دور کے تلخ معاملات کا ذکر کر دوں کیونکہ ہو سکتا ہے کوئی اس فتنہ کی بنیاد پر یہ نتیجہ اخذ کر رہا ہو کہ حکمران کے خلاف بغاوت کلی طور پر حرام اور نقصان دہ ہے۔ شہادتِ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد جو خانہ جنگی شروع ہوئی، بعض روایات کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے اس کی پہلے ہی پیشن گوئی کی تھی اور حکم دیا تھا کہ اپنی تلواروں کو توڑ ڈالنا یعنی اس خانہ جنگی سے دور رہنا۔ جنگ جمل اور جنگ صفین اسی فتنے کا حصہ ہیں۔ جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صلح ہوئی، جسے حضرت علیؓ کے کچھ حامیوں نے قبول نہ کیا اور وہ خوارج کہلائے۔ حضرت علیؓ نے 658 ہجری میں جنگ نہروان میں انہیں شکست دی۔ بعد میں انہوں نے حضرت علیؓ کو شہید کیا۔ خلفاء راشدین کے دور کا یہ فتنہ ایک مختلف نوعیت کا تھا اور خوارج کا عمل خروج یا بغاوت اس لیے کہلایا کہ وہ خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف نکلے تھے جن کے مقام و رتبے سے ہر مسلمان بخوبی واقف ہے۔

اس کے برعکس سانحہ کربلا میں ایک طرف حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے تو دوسری طرف یزید تھا۔ مولانا مودودیؒ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> "وہ (امام حسین) اہل عراق کی دعوت پر یزید کی حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے تشریف لے جا رہے تھے اور یزید کی حکومت انہیں بر سرِ بغاوت سمجھتی تھی۔ ہم اس سوال سے تھوڑی دیر کے لیے قطع نظر کیے دیتے ہیں کہ اصول اسلام کے لحاظ سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ خروج جائز تھا یا نہیں۔ اگرچہ ان کی زندگی میں اور ان کے بعد صحابہ و تابعین میں سے کسی ایک شخص کا بھی یہ قول ہمیں نہیں ملتا کہ ان کا خروج ناجائز تھا اور وہ ایک فعل حرام کا ارتکاب کرنے جا رہے تھے۔" (خلافت و ملوکیت)[95]

اسی طرح آج کے دور کا جائزہ لیں تو اسلامی دنیا میں "خوارج" کا لفظ فاسق حکومتوں کے خلاف سرگرم عمل مسلح گروہوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ مگر ابن حجر اسقلانی اور اس معاملے میں دیگر ہم فکر علماء کا موقف یہ ہے کہ ایک عادل اور راست گو خلیفہ کی مخالفت کرنے والا گروہ خوارج یا باغی کہلائے گا اور یہی بات حقیقت کے قریب معلوم ہوتی ہے۔ اس ضمن میں فتح الباری میں ابن حجر عسقلانی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت نقل کرتے ہیں جس میں آپؓ خوارج کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

> "اگر کوئی کسی راست باز اور عادل حکمران کے خلاف کھڑا ہو تو اس سے لڑو، لیکن اگر وہ کسی ظالم اور فاسق حکمران کی مخالفت کرے تو اس سے نہ لڑو، کیونکہ اس کے پاس اپنی کارروائی کی معقول وجہ ہے۔" (فتح الباری)[96]

سانحہ کربلا آج سے تقریباً 1400 سال پہلے پیش آیا۔ سب سے پہلے اس واقعہ سے ہم یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ ان حالات کی پاکستان کے موجودہ حالات سے کس قدر مماثلت پائی جاتی ہے؟ اس ضمن میں سانحہ کربلا سے متعلق ایک مختصر مگر جامع روایت کا جائزہ لیتے ہیں، جسے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ، الاصابہ فی تمیز الصحابہ میں نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ متقدمین نے شہادت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بہت کتابیں لکھی ہیں جس میں رطب و یابس بھر دیا ہے۔ لیکن یہ روایت جو میں نے بیان کی ہے تمام تصانیف سے بے نیاز کر دیتی ہے۔

عمار الدہنی روایت کرتے ہیں کہ اس نے محمد بن علی بن حسین (امام محمد باقر رحمہ اللہ) سے عرض کیا کہ میرے لیے واقعہ کربلا ایسے انداز سے بیان فرمائیں گویا آپ خود وہاں موجود تھے اور وہ سامنے ہو رہا ہے۔ اس پر امام محمد باقر رحمہ اللہ نے واقعہ کربلا اس طرح بیان فرمایا۔

امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کے وقت ولید بن عتبہ بن ابی سفیان حضرت معاویہؓ کا بھتیجا اور یزید کا چچازاد بھائی مدینہ منورہ کا گورنر تھا۔ اس کو یزید نے حکم بھیجا کہ وہ میرے لیے بیعت لے۔ جب حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا گیا تو امام حسینؓ نے فرمایا کہ مجھے سوچنے کی مہلت دیں اور نرمی اختیار کریں۔ چنانچہ حضرت امام حسینؓ مہلت لے کر مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔

جب آپ مکہ معظمہ پہنچ گئے تو کوفیوں نے آپؓ کے پاس اپنے قاصد و پیغامات بھیجے اور عرض کی کہ آپؓ کوفہ تشریف لے آئیں، ہم آپ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں۔ ہم نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا ہے اور اس کے گورنر کے پیچھے جمعہ پڑھنا بھی چھوڑ دیا ہے۔ اس وقت کوفہ کے گورنر نعمان بن بشیر تھے۔ جب کوفیوں کی طرف سے اس قسم کے پیغامات آئے تو حضرت حسینؓ نے تحقیق احوال کے لیے پروگرام بنایا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوفہ روانہ کیا تاکہ وہ وہاں کی صورت حال کا اچھی طرح جائزہ لیں۔ پروگرام کے مطابق مسلم بن عقیلؓ مکہ سے پہلے مدینہ منورہ گئے، وہاں سے راستہ کی رہنمائی کے لیے دو آدمی ساتھ لیے اور کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ جس راستہ سے گئے وہ انتہائی خطرناک تھا۔ ریگستانی علاقہ سے گزرتے ہوئے ایک راہبر پیاس کی وجہ سے ہلاک ہو گیا۔ اس صورت حال کو دیکھ کر مسلم بن عقیلؓ نے حضرت حسینؓ کو خط لکھا کہ مجھے اس خدمت سے سبکدوش کر دیا جائے لیکن حضرت امام حسینؓ نے اس کی معذرت قبول نہ فرمائی اور حکم فرمایا کہ کوفہ ضرور جاؤ۔ اس حکم کی وجہ سے امام مسلم بن عقیلؓ کوفہ گئے اور وہاں جا کر عوسجہ کوفی کے پاس ٹھہرے۔

کوفیوں کو جب امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آمد کی خبر ہوئی تو خفیہ طور پر ان کے پاس پہنچے اور بارہ ہزار کوفیوں نے ان کے ہاتھ پر امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے بیعت کی۔

امام مسلم بن عقیلؓ کے ہاتھ پر جب بارہ ہزار کوفیوں نے بیعت کی تو یزید کے ایک بہی خواہ عبداللہ بن مسلم حضرمی نے نعمان بن بشیر کو کہا کہ دیکھو شہر کی صورتِ حال کیا ہے یا تو کوفہ والے آپ کو کمزور سمجھتے ہیں یا آپ واقعتاً کمزور ہیں۔

حضرت نعمان نے جواب دیا: میری ایسی کمزوری جو اطاعتِ الٰہی میں ہو اس طاقت سے بہتر ہے جو خدا کی نافرمانی میں ہو۔ جس کام پر اللہ نے پردہ ڈالا اس کو کیوں ظاہر کروں۔

اس کے بعد عبداللہ بن مسلم حضرمی نے اس کی شکایت یزید کے پاس لکھ کر بھیج دی۔ یزید نے اپنے ایک آزاد کردہ غلام سرحون سے مشورہ کیا۔ اس نے کہا کہ اگر آپ کے باپ

معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ زندہ ہوتے تو آپ اس کے مشورہ پر عمل کرتے۔ یزید نے کہا کہ ضرور عمل کرتا۔ سرحون نے مشورہ دیا کہ فوری طور پر عبید اللہ بن زیاد کو کوفہ کا گورنر مقرر کر دو۔ حالانکہ صورتِ حال یہ تھی کہ یزید ان دنوں ابن زیاد کو بصرہ کی گورنری سے معزول کرنا چاہتا تھا۔ مگر سرحون کا مشورہ قبول کرتے ہوئے نعمان بن بشیر کو معزول کر دیا اور ابن زیاد کو کوفہ کا گورنر بنا دیا اور کہا کہ کوفہ پہنچ کر مسلم بن عقیل کو تلاش کرو۔ اگر مل جائے تو اسے قتل کر دو۔

ابن زیاد بصرہ کے چند ساتھیوں کے ہمراہ اس حالت میں کوفہ آیا کہ اس نے نقاب کر رکھا تھا، وہ جس مجلس سے بھی گزرتا سلام کرتا۔ لوگ جواب میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمجھ کر "وعلیک یا ابن رسول اللہ" (اے رسول کے بیٹے آپ پر بھی سلام ہو) جواب دیتے۔ کوفی سمجھتے تھے کہ حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما تشریف لائے ہیں۔ یہاں تک کہ ابن زیاد قصر امارت میں پہنچ گیا۔

ابن زیاد نے کوفہ پہنچ کر اپنے غلام کو تین ہزار درہم دیے اور کہا: جاؤ اس شخص کا پتا لگاؤ جو کوفہ والوں سے بیعت لیتا ہے۔ لیکن اپنے آپ کو حمص شام کا باشندہ ظاہر کرنا اور بتانا کہ میں بیعت کرنے آیا ہوں۔ یہ رقم پیش خدمت ہے، اسے آپ اپنے مشن میں صرف کر سکیں۔ غلام اس حیلہ سے اس شخص تک پہنچ گیا جو بیعت کا اہتمام کرتا تھا۔ جب اس نے رقم پیش کی اور بیعت کا ارادہ ظاہر کیا تو اس آدمی نے خوش ہو کر کہا کہ تمہیں ہدایت کا راستہ نصیب ہوا ہے، لیکن افسوس کہ ابھی تک ہمارا کام پختہ نہیں ہوا۔ تاہم وہ اس غلام کو مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لے گیا۔ امام مسلمؓ نے اس سے بیعت لی اور رقم بھی قبول کر لی۔ اب وہ یہاں سے نکلا اور سیدھا ابن زیاد کے پاس پہنچا اور سب کچھ اس کو بتا دیا۔ ادھر حضرت مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن زیاد کی کوفہ آمد سے عوسجہ کا گھر چھوڑ کر ہانی بن عروہ کے گھر منتقل ہو چکے تھے اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیغام بھیج دیا تھا کہ بارہ ہزار کوفیوں نے بیعت کر لی ہے، آپؓ کوفہ تشریف لے آئیں۔

جب ابن زیاد کو پتا چل گیا کہ مسلم بن عقیل ہانی بن عروہ کے گھر ہیں تو اس نے کہا: کیا بات ہے کہ ہانی مجھے ملنے نہیں آئے۔ محمد بن اشعث چند ساتھیوں کے ساتھ ہانی کے دروازہ پر

آیا، ہانی اپنے گھر کے دروازے پر کھڑے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ”گورنر نے آپ کو یاد کیا ہے لہٰذا آپ کو گورنر کے پاس جانا چاہیے۔“ چنانچہ ان کے زور پر ہانی ابن زیاد کے پاس پہنچے۔

اتفاق سے اس وقت قاضی شریح بھی ابن زیاد کے پاس موجود تھے۔ ان سے مخاطب ہو کر کہا: دیکھو اس احمق کی قضاء ہمارے پاس لے آئی ہے۔ ہانی نے سلام کہا۔ ابن زیاد بولا: مسلم بن عقیل کہاں ہے؟ ہانی بن عروہ نے کہا: مجھے علم نہیں ہے۔

اس پر ابن زیاد نے تین ہزار درہم والے غلام کو سامنے کر دیا۔ ہانی بالکل لاجواب ہو گیا اور کہا: میں نے ان کو بلایا نہیں، وہ خود بخود میرے گھر میں آ گئے ہیں۔ ابن زیاد نے کہا: اس کو حاضر کرو۔ اس پر ہانی نے پس و پیش کیا جس پر ابن زیاد نے اسے اپنے قریب کر کے اس زور سے چھڑی ماری کہ اس کی بھنویں پھٹ گئیں اور پھر تلوار سے وار کرنا چاہا لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ ابن زیاد نے کہا کہ اب تیرا خون حلال ہے اور اس کو قصر امارت کے ایک حصہ میں قید کر دیا۔

اس واقعہ کی اطلاع پر ہانی کے قبیلہ نے قصر امارت پر حملہ کر دیا۔ ابن زیاد نے قاضی شریح کے ذریعہ ان کو پیغام بھیجا کہ ہانی کو مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پتہ و تحقیق کرنے کے لیے روکا ہے، خطرے کی کوئی بات نہیں۔ قاضی شریح کے ساتھ بھی ایک غلام کو بھیج دیا کہ دیکھو یہ لوگوں کو کیا کہتے ہیں۔ قاضی شریح لوگوں کی طرف جاتے ہوئے ہانی کے پاس سے گزرے تو اس نے کہا: میرے بارے میں اللہ سے ڈرنا، کیونکہ ابن زیاد میرے قتل کے درپے ہے تاہم قاضی شریح نے ابن زیاد کی بات کہہ کر مطمئن کر دیا۔ یہ بات سن کر لوگ مطمئن ہو گئے۔

مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب اس ہنگامے کا علم ہوا تو خروج کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ چار ہزار لوگ ایک روایت کے مطابق چالیس ہزار آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ ان کو جنگی طریقہ سے ترتیب دے کر قصر امارت کی طرف روانہ کر دیا۔ ابن زیاد کو اطلاع ہوئی تو اس نے سردار ان کوفہ کو بلایا، جب لشکر قصر امارت تک پہنچ گیا تو سرداران کوفہ نے اپنے اپنے قبیلہ کو سمجھایا تو وہ آہستہ آہستہ کھسکنا شروع ہو گئے۔ رات کے اندھیرے تک کوئی باقی نہ رہا۔

حضرت مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب دیکھا کہ سب نے دھوکہ دیا ہے اور وہ تنہا رہ گئے ہیں تو راستہ پر چل پڑے، ایک مکان پر پہنچے تو اندر سے ایک خاتون نکلی۔ آپ نے پانی مانگا اس عورت نے پانی پلا دیا اور واپس اندر چلی گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر باہر آئی۔ آپ کو دروازہ پر دیکھ کر کہا: اے اللہ کے بندے! تیرا اس طرح بیٹھنا مشکوک ہے، یہاں سے چلے جاؤ۔ آپ نے کہا: میں مسلم بن عقیل ہوں، تم مجھے پناہ دو گی؟ اس نے کہا آ جایئے۔ آپ اندر چلے گئے۔ جب اس عورت کے لڑکے محمد بن اشعث کو پتا چلا کہ حضرت مسلم بن عقیل ان کے گھر ہیں تو اس نے فوراً ابن زیاد کو اطلاع کر دی۔ ابن زیاد نے اس کے ہمراہ پولیس روانہ کر دی۔ پولیس نے جا کر مکان کا محاصرہ کر لیا۔ مسلم اطلاع ملتے ہی تلوار سونت کر باہر نکل آئے۔ مقابلہ کا ارادہ کیا، لیکن محمد بن اشعث نے روکا اور حفاظت کی ذمہ داری اٹھالی۔ حضرت مسلم کو پکڑ کر ابن زیاد کے پاس لے گئے۔ چنانچہ ابن زیاد کے حکم سے قصر امارت کی چھت پر لے جا کر مسلم کو شہید کر دیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اور ان کی لاش بازار میں لوگوں کے سامنے پھینک دی اور ہانی بن عروہ کو کوڑا کرکٹ کی جگہ گھسیٹتے ہوئے سولی پر ٹکا دیا۔

حضرت مسلم کا خط امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچا کہ بارہ ہزار کوفیوں نے بیعت کر لی ہے لہٰذا آپ جلد کوفہ پہنچ جائیں۔ امام حسینؓ مکہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ قادسیہ سے تین میل کے فاصلے پر تھے کہ حر بن یزید تمیمی حضرت حسینؓ کے قافلے سے ملا۔ اس نے کہا: کہاں جا رہے ہو؟ آپ نے فرمایا: کوفہ! اس نے کہا وہاں کسی خیر کی توقع نہیں ہے، آپ کو یہاں سے واپس ہو جانا چاہیے۔ پھر اس نے کوفیوں کی بے وفائی اور حضرت مسلمؓ کے قتل کا واقعہ سنایا۔ سارا واقعہ سن کر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے واپسی کا ارادہ کر لیا، لیکن مسلمؓ کے بھائیوں نے کہا: ہم بدلہ لیں گے یا شہید ہو جائیں گے۔ اس پر امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تمہارے بغیر زندگی کا کوئی لطف نہیں ہے۔ اب سب کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے جب آپ کو ابن زیاد کی فوج کا ہراول دستہ نظر آیا تو آپ نے کربلا کا رخ کر لیا۔

جب آپ کربلا میں پہنچے، خیمے نصب کر لیے، اس وقت آپ کے ساتھ پنتالیس سوار اور سو کے قریب پیدل تھے۔ اس وقت ابن زیاد نے عمرو بن سعد کو بلایا کہ آپ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے معاملہ میں میری مدد کریں۔ اس نے معذرت کی لیکن ابن زیاد نہ مانا۔ اس

پر عمرو بن سعد نے ایک رات سوچنے کی مہلت لی۔ عمرو بن سعد نے سوچنے کے بعد آمادگی کا اظہار کیا۔ عمرو بن سعد کربلا میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت امام حسینؓ نے کہا کہ تین باتوں میں سے ایک مان لو۔

1. مجھے کسی اسلامی سرحد پر جانے دو۔
2. مجھے موقع دو کہ میں براہِ راست یزید کے پاس پہنچ جاؤں۔
3. جہاں سے آیا ہوں وہاں واپس جانے دو۔

ابن سعد نے تجویز قبول کر کے ابن زیاد کے پاس بھیج دی مگر اس نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ بس ایک بات کی کہ حسینؓ بیعت کریں۔ عمرو بن سعد نے یہ بات امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچا دی۔ انہوں نے فرمایا: ایسا نہیں ہو سکتا، اس پر لڑائی چھڑ گئی۔ آپ کے سب ساتھی مظلومانہ شہید ہو گئے۔ دس سے زائد جوان گھر کے تھے۔ اسی اثنا میں ایک تیر آیا جو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چھوٹے بچے پر لگا جو گود میں تھا۔ اس سے خون کو صاف کرتے ہوئے آپؓ نے فرمایا: اے اللہ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ فرما جنہوں نے پہلے بلایا، اب ہمیں قتل کر رہے ہیں۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود تلوار ہاتھ میں لی اور مردانہ وار مقابلہ کیا اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ اور جس شخص کے ہاتھ سے حضرت امام حسینؓ شہید ہوئے وہ قبیلہ مذحج کا آدمی تھا۔ اگرچہ اس کے بارے میں اور بھی اقوال ہیں۔ مذحج ہانی بن عروہ کا وہی قبیلہ ہے جس نے قصر امارت پر چڑھائی کر دی تھی۔ یہ شخص آپؓ کا سر تن سے جدا کر کے ابن زیاد کے پاس لے کر گیا۔ اس نے سر مبارک یزید کے پاس بھیج دیا۔ ادھر عمرو بن سعد بھی حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اہل خانہ کو لے کر ابن زیاد کے پاس پہنچ گیا۔ ان کے صرف ایک صاحبزادے علی بن حسین زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بچے تھے جو اس روایت کے راوی ابو جعفر امام محمد باقر کے والد ماجد تھے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے افراد خانہ یزید کے دربار میں پہنچے تو درباریوں نے فتح کی مبارکباد دی۔ دربار میں سے ایک شخص نے جرات کر کے ایک صاحبزادی کی طرف اشارہ کر کے کہا: امیر المؤمنین یہ مجھے دے دو، یہ سن کر زینب بن علی

رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: اللہ کی قسم یہ نہیں ہو سکتا کہ بجز اس کے یزید دین الٰہی سے نکل جائے۔ جب دوبارہ اس شخص نے کہا تو یزید نے اس کو ڈانٹا اور ان سب کو اپنے محل میں بھیج دیا۔ (اس کے بعد) یزید نے سب کو تیار کرا کر مدینہ روانہ کر دیا۔ (ابن حجر عسقلانی)[97]

واقعہ کربلا کی اس مختصر اور جامع روایت کے بعد ہم اپنے سوال کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ پاکستان کے موجودہ حالات، یزیدی دور سے کس قدر مماثلت رکھتے ہیں؟

1۔ کلمہ حق کو بغاوت قرار دینا

اللہ تعالیٰ نے جہاں قرآن و حدیث کے ذریعے نوعِ انسانی کو مثالی ضابطہ حیات دیا، وہیں ریاستِ مدینہ، خلافتِ راشدہ، مصالحتِ حضرت حسن اور سانحہ کربلا کے ذریعے حکومت کے مختلف مثالی نمونے دیے تاکہ قیامت تک کے لیے ان سے رہنمائی لی جاسکے۔ ہر خلیفہ راشد کے دورِ خلافت کے مختلف حالات تھے اور ہر ایک سے مختلف رہنما اصول ملتے ہیں۔ ان اصولوں کی روشنی میں کسی بھی دور میں، کیسے بھی حالات ہوں، ایک مثالی حکومت قائم کی جاسکتی ہے۔

خلافتِ راشدہ کے بعد جب ان اصولوں سے انحراف شروع ہوا تو بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس کی مخالفت کی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بوڑھے ہوئے تو انہوں نے مدینہ کے گورنر مروان بن الحکم کو یزید کی جانشینی کے لیے رائے لینے کا کہا۔ مروان نے اہل مدینہ کے سامنے یہ بات پیش کی تو حضرت حسین بن علی، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت عبد اللہ بن زبیر اور حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یزید کی ولی عہدی سے انکار کر دیا۔ (خلافت و ملوکیت)[98]

اس کے علاوہ بھی تاریخ کی کتب بھری پڑی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگوں نے بیعتِ یزید کے معاملے میں خاموشی اختیار کی اور بعض سے بالجبر قبول کروایا گیا۔ یزید جب خلیفہ بنا تو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تب بھی اپنے مؤقف پر قائم رہے اور تمام تر دباؤ کے باوجود یزید کی بیعت نہیں کی۔

نواسہ رسول ﷺ کے اس عمل اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول سے کہ "کوئی ظالم اور فاسق حکمران کے خلاف بغاوت کرے تو اس سے نہ لڑو کیونکہ کہ اس کے پاس معقول وجہ ہے" سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ایک خلیفہ کی موجودگی میں دوسرے کے قتل کا حکم، ایک عادل اور راست گو حکمران کے بارے میں تھا، نہ کہ ظالم اور فاسق حکمران کے بارے میں۔ مولانا کوثر نیازی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ "خود ائمہ فقہاء نے بھی ایسی غیر قانونی حکومت کے خلاف خروج کو جائز سمجھا ہے۔ عباسی خلیفہ منصور کے خلاف نفس ذکیہ نے خروج کیا تو امام ابو حنیفہ نے اس کی اخلاقی حمایت کی۔" (ذکر حسین)[99]

اس کے برعکس سانحہ کربلا میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حمایت میں کوئی کھڑا نظر نہیں آتا بلکہ یزیدی جبر کے خوف سے اکثر لوگ یزید اور ابن زیاد کی حمایت کرتے نظر آتے ہیں۔ جیسے امام باقر کی مذکورہ بالا روایت میں قاضی شریح کا دو مواقع پر ذکر آتا ہے اور دونوں دفعہ آپ ابن زیاد کے ہی حامی نظر آتے ہیں۔ ہو سکتا ہے ان کے بارے میں بعد کے لوگوں نے ایسی باتیں شامل کر دی ہوں، ایسی صورت میں ہم اللہ سے معافی کے طالب ہیں۔ لیکن اس کے علاوہ حالات بھی چیخ چیخ کر گواہی دیتے ہیں کہ امام حسینؓ تنہا تھے، ورنہ کسی کی جرأت نہ ہوتی کہ اہل بیعت کا ایسا حشر کرتا۔ بد قسمتی سے آج پھر ہم اسی موڑ پر کھڑے ہیں۔ سُنّتِ حسین پر عمل کرنے والوں کو تنہا چھوڑ دیا جاتا ہے اور وقت کے یزید اِن کے ساتھ وہی حشر کرتے ہیں جو یزید نے حضرت حسینؓ کے ساتھ کیا تھا۔ ان کے خلاف فتوے جاری کیے جاتے ہیں اور کربلا والوں کی طرح انہیں بے دردی سے شہید کیا جاتا ہے۔

2۔ حکومتی مفتیان کی منافقت

یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ حکومت کے ماتحت کتنا بھی متقی شخص ہو، حکمرانوں کے زیرِ اثر آ ہی جاتا ہے اِلّا ماشاء اللہ۔ امام باقر کی روایت کے مطابق جب حضرت مسلم بن عقیلؓ کو پناہ دینے والے کوفی "حضرت ہانیؒ" کو ابن زیاد کے پاس پیش کیا گیا تو قاضی شریح بھی اس کے پاس موجود تھے۔ حضرت ہانیؒ کی تفتیش، انہیں چھڑی سے مارنا اور قید کرنا قاضی شریح کے سامنے ہوا لیکن انہوں نے کوئی مزاحمت یا احتجاج نہیں کیا۔

یہی طریقہ آج بھی اپنایا جاتا ہے۔ فاسق حکمران اپنے غیر شرعی کاموں میں حکومتی علماء اور مفتیان کو آڑ کے طور پر استعمال کرتے ہیں تاکہ لوگ سمجھیں کہ یہ کام صحیح ہے۔ آج ایسے بے شمار کام ہو رہے ہیں۔ ایک عام فہم اور واضح معاملہ ملاحظہ کیجیے۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ کچھ عرصے سے حکومتی سربراہان کرسمس کے موقع پر تقریب کا انعقاد کرتے ہیں اور کیک کاٹتے ہیں۔ آپ ان تقاریب کی تصویریں اٹھا کر دیکھ لیجیے، ہر ایک میں ایک معروف حکومتی عالم نظر آئے گا۔ اس طریقے سے دراصل عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکی جاتی ہے اور یزیدی حکومت کو سہارا دینے والے ایسے لوگ ہر دور میں موجود ہوتے ہیں۔

دوسرا جب ہانی کو قید کیا گیا تو آپ کے قبیلہ مذحج نے قصر امارت پر یلغار بول دی۔ تو ابن زیاد نے پھر قاضی شریح کو استعمال کیا اور لوگوں کو ان کے ذریعے کہا کہ خطرے کی کوئی بات نہیں، انہیں صرف تفتیش کے لیے روکا ہے۔ لوگ قاضی شریح کی بات سن کر مطمئن ہو گئے۔

کیا آپ آج یہاں لمحہ بہ لمحہ یہ نہیں دیکھتے کہ حکومت نے بعض عالم رکھے ہی اس لیے ہوئے ہیں کہ جہاں بھی انہیں کوئی شرعی آڑ چاہیے ہو، فوراً ان کو آگے کر دیں۔ اور ان کے علاوہ بھی کچھ ایسے ہوتے ہیں جو حکومت کا حصہ تو نہیں ہوتے لیکن حکومت نے اعزازات اور انعامات کے ذریعے انہیں زیر اثر کیا ہوتا ہے۔ جیسے ہر سال جہاں 23 مارچ اور 14 اگست کو حکومت فوجیوں، فلاحی اداروں، ناچنے اور گانے والیوں وغیرہ کو ملکی اعزازات سے نوازتی ہے، وہاں کچھ علماء پر بھی دستِ شفقت رکھتی ہے۔ پھر یہی اعزاز ان کے گلے کا پھندا بن جاتا ہے اور حق بات کرنا ان کے لیے محال ہو جاتا ہے۔

اس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ کلمہ طیبہ کے نام پر بننے والے ملک میں علماء 76 سال سے سود کو ختم نہیں کرا سکے لیکن حکومتی سرپرستی میں تیار ہونے والی "پیغام پاکستان" جیسی دستاویز پر ضرور آنکھ بند کر کے دستخط کر دیے، بغیر یہ جانے کہ یہ سب کچھ امریکہ کی اسلامی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے کی مہم کا ایک جزو ہے۔ کیا افغانستان کے خلاف امریکہ کی مدد کرتے وقت حکومت نے علماء سے فتویٰ لیا تھا؟ کیا علماء کو کسی اچھے کام کے لیے حکومت نے خود بلایا ہے؟ بلکہ دین کی جو جو باتیں اس ملک میں منظور ہوئیں، علماء اور عوام کی قربانیوں اور شہادتوں کے بعد ہوئیں۔ اس وقت جو فلسطین کا معاملہ ہے جس میں تقریباً 35000 مظلوم شہید ہو چکے

ہیں اور جہاد فرض ہو چکا ہے (مفتی تقی عثمانی)۔ کیا یہ حکومت علماء کو "فتویٰ جہاد" کے لیے بلائے گی؟ کیا 1800 علماء جنہوں نے پیغام پاکستان پر دستخط کیے، ان کا اب فرض نہیں بنتا کہ حکومت سے پوچھیں کہ اب آپ کا اسلام کدھر ہے؟ جہادی تنظیموں پر خوارج کا فتویٰ لگانے والے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یزید کے خلاف عمل بھول گئے ہیں۔

کیا یہ علماء نہیں جانتے کہ عالمی طاقتیں فتنہ قادیانیت کی کیسے سرپرستی کر رہی ہیں؟ دورِ حاضر کی ایک مثال ہم نے 2017 میں دیکھی جب حلف نامہ میں تبدیلی کی گئی۔ لوگ چونکہ تحقیق نہیں کرتے اور دین دشمنی انہیں بلا تحقیق مذہبی جماعتوں پر الزامات کے لیے اکساتی ہے۔ ورنہ راجہ ظفر الحق کی رپورٹ سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ یہ غلطی نہیں تھی بلکہ منصوبہ بندی کے ساتھ تبدیلی کی گئی۔ گو ظفر الحق نے اسے غلطی ہی لکھا ہے۔ اس موضوع پر ان شاء اللہ میرا مستقل کتاب لکھنے کا ارادہ ہے، البتہ یہاں مختصر بیان کر دیتا ہوں۔ راجہ ظفر الحق اس رپورٹ میں لکھتے ہیں:

> Paragraph 8 (k)
> "It appears that during this process of unification/ simplification, the headings **"Declaration and oath by the person Nominated"** in the heading was replaced with **"Declarations by the candidate"** and before the paragraph related to Khatam e Nabuwat, **"solemnly swear"** was changed to **"declare"**.
> Paragraph 9(P)
> "Leader of the House in the Senate, Senator Raja Zafar ul Haq supported the amendment moved by the Senator Hafiz Hamdullah. However, it was defeated by vote 34-13, when put to vote as opposition members from PPP and PTI opposed it.

اس ضمن میں میرے پاس بہت باتیں ہیں مگر طوالت کا خوف مجھے روکتا ہے۔ صرف اتنی عرض ہے کہ مغرب جس کی پیروی میں ہمارے مغرب زدہ لوگ فخر محسوس کرتے ہیں،

کیا وہاں کبھی ایسا ہوا ہے کہ کسی بل میں غلطی ہوئی ہو اور وہ سینٹ میں ظاہر ہو جائے، تو اس پر ووٹنگ ہوئی ہو کہ اسے غلطی سمیت منظور کر لیا جائے یا نہ؟ کیا کسی باشعور شخص کو یہ بات ہضم ہوتی ہے؟ پھر مزید افسوس کی بات یہ کہ اس پر ووٹنگ ہوئی اور 34 لوگوں نے ووٹ دیا کہ اسے غلطی کے ساتھ ہی منظور کیا جائے جبکہ صرف 13 نے اس کی مخالفت کی۔

اس وقت میرے پاس بے بسی، افسوس اور آنسو بہانے کے سوا کچھ چارہ نہیں۔ اللہ کا دین اس وقت لاوارث ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جب یہ بات واضح ہو گئی تو عدالتیں مجرموں کو سزا دیتیں، لیکن افسوس کہ آج 6 سال گزر جانے کے بعد ختم نبوت کے ڈاکوؤں کا تو کچھ نہیں کیا گیا مگر مجاہدین ختم نبوت کا ابھی تک پیچھا کیا جا رہا ہے۔ جنہوں نے نومبر کی یخ بستہ ہواؤں میں سینے پر گولیاں کھا کر نبی ﷺ کی ناموس پر پہرہ دیا اور جنگ یرموک کی یاد تازہ کی۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جب جرم ثابت ہو گیا تو فیض آباد میں ختم نبوت کا دفاع کرتے شہید ہونے والوں کو حکومت شہید قرار دیتی مگر افسوس کہ ان کی الٹا تذلیل کی گئی اور ابھی بھی فیض آباد دھرنے کی تحقیقات چل رہی ہیں، لیکن اصل مجرموں کے بارے میں عدالتیں بالکل خاموش ہیں۔

ایسے میں جب یہ زخم ابھی تازہ ہی تھا تو پھر 2018 میں 1800 علماء نے کیسے "پیغام پاکستان" پر دستخط کر دیے۔ کیا ان کا فرض نہیں تھا کہ حکومت سے مطالبہ کرتے کہ ختم نبوت پر حملہ کرنے والوں کو عبرت کا نشانہ بنایا جائے تاکہ آئندہ کوئی ایسا سوچے بھی نا۔ اب یہاں میرا اصل اعتراض "پیغام پاکستان" پر نہیں بلکہ اعتراض اس منافقانہ رویے پر ہے کہ دین کی وہ چیزیں جن کا اللہ مطالبہ کرتا ہے اس میں مصلحت اور منافقت سے کام لیا جاتا ہے اور جن کا مغرب مطالبہ کرتا ہے یا ملکی مفاد مطالبہ کرتا ہے، اس پر فوراً لبیک کہتے ہیں اور مولویوں سے فتویٰ بھی لے لیتے ہیں۔

ہمیں حکومت اور حکومتی علماء کے اس منافقانہ رویے کی نشاندہی کرنے کی ضرورت ہے، تب ہی ان حالات میں دین کا دفاع ممکن ہے۔

3۔چودھریوں اور وڈیروں کا منفی کردار

موجودہ دور کی تیسری بات جو یزیدی دور سے مماثلت رکھتی ہے وہ ہے سرداروں، چودھریوں اور وڈیروں کا منفی کردار۔ جب حضرت ہانی کو ابن زیاد نے قید کر لیا تو حضرت مسلم بن عقیلؓ نے 40ہزار کوفیوں کو جمع کیا اور قصر امارت کی طرف پیش قدمی کی۔ ابن زیاد نے کوفہ کے سرداروں کو استعمال کیا جنہوں نے اپنے اپنے قبیلے کے لوگوں کو باتوں سے قائل کیا اور وہ ایک ایک کر کے سب بھاگ کھڑے ہوئے اور مسلم بن عقیل تن تنہا رہ گئے جنہیں شہید کر دیا گیا۔

موجودہ دور میں یہ یزیدی روایت مختلف صورتوں میں پائی جاتی ہے۔ سیاست میں اس کا وجود ووٹ (رائے) کی صورت میں پایا جاتا ہے۔ جس سیاسی شخصیت کا چودھری حکم کرے گا، پورے گاؤں کا ووٹ اسی کو جائے گا، چاہے وہ فاسق ہی کیوں نہ ہو۔ پیر صاحب جس سیاسی جماعت کی حمایت کریں گے مریدوں پر بھی اسی کی معاونت فرض ہو جاتی ہے۔ انقلابی تحریکوں کے خلاف آپریشن کرنا ہو تو علاقے کے بڑوں کو جمع کر کے انہیں اس کے لیے پہلے قائل کیا جاتا ہے۔ سرداروں، وڈیروں اور چودھریوں وغیرہ کے اس منفی کردار سے مذہبی و انقلابی تحریکوں کو کافی نقصان پہنچتا ہے۔

4۔مذاکرات سے انکار

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لڑنے والے یزیدی لشکر کا کمانڈر عمرو بن سعد کربلا میں حضرت حسینؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت امام حسین نے کہا کہ تین باتوں میں سے ایک مان لو۔

مجھے کسی اسلامی سرحد پر جانے دو۔

مجھے موقع دو کہ میں برائے راست یزید کے پاس پہنچ جاؤں۔

جہاں سے آیا ہوں وہاں واپس چلا جاؤں۔

ابن سعد نے تجویز قبول کر کے ابن زیاد کے پاس بھیج دی مگر اس نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ بس ایک بات کی کہ حسینؓ بیعت کریں۔ عمرو بن سعد نے یہ پیغام امام حسینؓ تک پہنچا دیا تو انہوں نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔

اب ذرا موجودہ دور میں آ جایئے۔ حکمرانوں میں ایسی انا پرستی آپ کو ہر موڑ پر نظر آئے گی۔ گو کہ واقعہ کربلا سے موجودہ دور کے واقعات مختلف نوعیت کے ہیں مگر بنیادی مسئلہ مشترک ہے۔ اس خاص رویے کو موجودہ دور میں دیکھنے کے لیے ہم لال مسجد واقعہ کا جائزہ لیتے ہیں۔

مفتی رفیع عثمانی جو کہ حکومت اور لال مسجد انتظامیہ کے ساتھ مذاکراتی ٹیم میں موجود تھے، فرماتے ہیں:

"ہماری حکومت کا طریقہ کار یہ ہے کہ جب تک لاقانونیت کا راستہ اختیار نہ کیا جائے، توڑ پھوڑ نہ کی جائے اس وقت تک یہ کوئی مطالبہ سننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ چنانچہ مسجد حفصہ میں یہی ہوا، مسجدیں شہید کی گئیں، لوگوں نے اس پر احتجاج کیا، ذمہ داران سے ملاقاتیں کی، علماء نے بھی افسرانِ بالا سے ملاقاتیں کی مگر ان کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگی۔ تو جامعہ حفصہ کی انتظامیہ نے جواباً کہا کہ تم نے ہمارے اللہ کے گھروں کو شہید کیا ہے، ہم تمہاری لائبریری پر قبضہ کرتے ہیں۔ اب سوال یہ کہ حکومت کے نزدیک ان کے کتنے جرائم تھے؟ چار جرائم تھے کہ شمیم کو پرامن طریقے سے لے کر آئے اور پھر پرامن طریقے سے واپس پہنچا دیا۔ چینی عورتوں کو بھی پرامن طریقے سے لے کر آئے اور پرامن طریقے سے واپس پہنچا دیا۔ پولیس والوں کو پرامن طریقے سے اپنے پاس رکھا، پرامن طریقے سے واپس کر دیا، ان کی خاطر مدارت بھی کرتے رہے۔ چلڈرن لائبریری پر قبضہ کیا، اس میں کوئی تخریب کاری نہیں کی، کوئی عمارت کو نقصان نہیں پہنچایا، کسی کو تکلیف نہیں پہنچی، ان کاموں میں کسی کو ایک کانٹا تک نہیں چبھا، کسی کو ایک تھپڑ تک نہیں لگایا۔ ڈنڈوں کا شور تو پوری دنیا میں ہو گیا کہ ڈنڈا بردار شریعت! ڈنڈا بردار شریعت، لیکن کوئی ایک مثال بتلایئے کہ ان طلبہ نے

کوئی ڈنڈا استعمال کیا ہو۔ ہمیں بتایا جائے کہ ان چار میں سے کوئی ایک جرم بھی ایسا ہے جس کی سزا پاکستان کا قانون سزائے موت تجویز کرتا ہو؟ لیکن قانون سے بالاتر ہو کر ماورائے عدالت صرف اس جرم پر سینکڑوں طلبہ و طالبات اور حفاظِ قرآن کا خون کر دیا گیا۔ بتایئے یہ کہاں کا انصاف ہے؟" (مفتی رفیع عثمانی)[100]

سانحہ لال مسجد کا مختصر سا پس منظر آپ کے سامنے رکھ دیا ہے تا کہ بات آپ کے سامنے واضح ہو جائے کیونکہ اکثر لوگوں نے اس سانحہ کے مطلق جھوٹا حکومتی بیانیہ ہی سن رکھا ہے کہ لال مسجد میں دہشتگرد موجود تھے۔

اب یزیدی گورنر ابن زیاد کی طرح، پرویز مشرف کا انتظامیہ لال مسجد کے ساتھ مذاکرات سے انکار آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ مفتی رفیع عثمانی بیان فرماتے ہیں:

"عبد الرشید غازی (نائب خطیب لال مسجد) نے مجھ سے فون پر بار بار کہا کہ میں گرفتاری دینے کے لیے تیار نہیں ہوں، ہر گز تیار نہیں ہوں، میں جان دے دوں گا، گرفتاری نہیں دوں گا۔ البتہ اس کے لیے تیار ہوں کہ مجھے، میری بیوی بچوں کو، میرے ضروری سامان سمیت میرے گاؤں میں پہنچا دیا جائے۔ میں جامعہ حفصہ کو بھی چھوڑتا ہوں، جامعہ فریدیہ کو بھی چھوڑتا ہوں، لال مسجد کو بھی چھوڑتا ہوں، جتنا اسلحہ ہے وہ بھی آپ کے سپرد کر دوں گا، مجھے اپنے گھر جانے دیا جائے۔ البتہ جامعہ حفصہ کو اور جامعہ فریدیہ کو میں وفاق المدارس کی تحویل میں دوں گا تا کہ مدرسوں کو نقصان نہ پہنچایا جائے، مسجد محکمہ اوقاف سنبھال لے، وہ اس کا انتظام چلائے۔ چنانچہ یہ معاہدہ طے پایا، زبانی بات بھی ہو گئی اور وزیر اعظم نے کہا کہ اس پر عمل شروع کیجیے۔

معاہدہ لکھنے کے بعد یہ حضرات (حکومتی ٹیم) یہ کہہ کر صدر جنرل پرویز کے پاس چلے گئے کہ ہم آدھے گھنٹے میں واپس آجائیں گے۔ تقریباً ڈھائی گھنٹے بعد وہ واپس آئے تو ان کا رنگ بدلا ہوا تھا، وہ ایک صفحے پر تین نکات لکھ کر لائے۔ الفاظ تو خوبصورت تھے جیسے کہ آج کل سرکاری لوگوں کے ہوا کرتے ہیں۔ لیکن حاصل

ان کا یہ تھا کہ جن باتوں کی پیش کش عبد الرشید غازی کو کی گئی تھی، ان تمام باتوں سے انکار کر دیا گیا تھا۔" (مفتی رفیع عثمانی)[101]

جیسے ہم نے اوپر ذکر کیا کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مذاکراتی ٹیم (عمر و بن سعد) کے ذریعے ابن زیاد کے سامنے تین مطالبات رکھے تھے اور ابن زیاد نے ان تینوں سے انکار کر دیا تھا اور کہا کہ امام حسین یزید کی بیعت کریں۔ دورِ حاضر کے زیرِ بحث واقعہ میں بھی تقریباً ایسا ہی ہوا کہ غازی عبد الرشید کے تمام مطالبات مسترد کر دیے گئے۔

اب دیکھتے ہیں کہ مطالبات کے رد ہونے کی کیا وجہ بنی؟

کوفہ کے گورنر حضرت نعمان بن بشیر تھے لیکن انہوں نے جب حضرت مسلم بن عقیلؓ کے خلاف کاروائی نہ کی تو یزید نے انہیں معزول کر دیا اور ابن زیاد کو کوفہ کا گورنر بنا دیا اور کہا کہ کوفہ پہنچ کر مسلم بن عقیل کو تلاش کرو، اگر مل جائے تو اسے قتل کر دو۔

یزید کے حکم کی تعمیل میں ابن زیاد نے مسلم بن عقیل کو تلاش کر کے شہید کر دیا۔ دوسری طرف یزید کی خوشنودی اور اس کی بالا دستی کو قائم رکھنے کے لیے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مطالبات مسترد کر دیے اور صرف یزید کی بیعت کا مطالبہ رکھا۔ عین اسی طرح کا معاملہ سانحہ لال مسجد میں تھا۔ جس طرح ابن زیاد کو یزید کی خوشنودی درکار تھی ،اسی طرح مشرف کو مغربی طاقتوں کی خوشنودی درکار تھی۔ ڈاکٹر اسرار اس حوالے سے کہتے ہیں:

"اس پر میں یقین کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ ساری خباثت تھی صدر پرویز کی۔ یعنی ایک چھوٹی سے پھنسی نکلی ہو تو دو تین ٹیکے پینسلین کے لگائے جائیں، ٹھیک ہو جائے گی۔ اس نے کہا: اسے بڑھنے دو، بڑھنے دو۔ اگر ان کا پہلے ہی روز بجلی اور پانی بند کر دیا جاتا تو مسئلہ ختم ہو جاتا۔ نکل جاتے باہر کہ نہیں۔ بڑھایا اس کو اور بعض روایات یہ ہیں کہ گورنمنٹ ایجنسیوں نے انہیں سپورٹ کیا تاکہ بڑا پھوڑا بن جائے اور پھوڑے کو میں چیر دوں گا اور دنیا سے شاباش لوں گا۔ صدر بش بھی شاباش دے گا، گورڈن بھی شاباش دے گا، چائینہ نے بھی شاباش دی، روس نے بھی شاباش دی، کیونکہ اسلام کے تو سب دشمن ہیں، کہ تم نے بڑا کارنامہ کیا۔ اس

کے لیے اس بدمعاش نے یہ سارا معاملہ کروایا۔ اب کہتا ہے غلطی تھی، غلطی ہو گئی ہے لیکن اصل میں تو اس کی نیت خراب تھی۔ میں اس کے بارے میں صاف کہہ رہا ہوں کہ نیت خراب تھی۔ "(ڈاکٹر اسرار احمد)[102]

اس حوالے سے بہت سے اہل علم کی آراء موجود ہیں لیکن طوالت سے بچنے کے لیے صرف ڈاکٹر اسرار احمد ہی کی رائے آپ کے سامنے رکھی ہے۔ سانحہ لال مسجد کے مذاکرت میں جبری ردوبدل اور انکار، یزیدی رویے کی تصویر پیش کرتا ہے۔

5۔ طاقت کا اندھا استعمال

امام باقر کی مذکورہ بالا روایت کے مطابق عمرو بن سعد نے یزید کی بیعت کا مطالبہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے رکھ دیا۔ آپ نے فرمایا: ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس پر لڑائی چھڑ گئی اور آپ کے سب ساتھی مظلومانہ شہید ہو گئے۔ دس سے زائد جوان گھر کے تھے۔ قبیلہ مذحج کے ایک شخص نے حضرت امام حسین رضی اللہ کو شہید کیا اور آپ کا سر تن سے جدا کر کے ابن زیاد کے پاس لے کر گیا۔ اس نے سر مبارک یزید کے پاس بھیج دیا۔ ادھر عمرو بن سعد بھی حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اہل خانہ کو لے کر ابن زیاد کے پاس پہنچ گیا۔ ان کے صرف ایک صاحبزادے علی بن حسین (زین العابدین) رضی اللہ تعالیٰ عنہ بچے تھے جو اس روایت کے راوی ابو جعفر امام محمد باقر کے والد ماجد تھے۔

اسی طرح ہم اگر دورِ حاضر کے زیرِ بحث سانحہ (لال مسجد) کو اس تناظر میں دیکھیں تو خبر رساں اداروں کے مطابق ایک سو کے قریب اساتذہ، طلبہ و طالبات شہید ہوئے، لیکن حقیقت میں شہداء کی تعداد اس سے زیادہ ہے۔ طاقت کے اس اندھے استعمال نے یزیدی دور کی یاد تازہ کر دی جہاں یزید کی حاکمیت کو منوانے کے لیے اہل بیت کو شہید کیا گیا۔

اس کے برعکس اصل اسلامی حکومت کا مزاج یہ ہوتا ہے کہ چند اعتراضات کی بنیاد پر کوفہ اور بصرہ کے دو ہزار لوگوں نے پورے عالم اسلام کے خلیفہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ وہ تمام صوبوں سے فوجیں بلا کر محاصرین کی تکا بوٹی کر سکتے تھے، مگر انہوں نے اس سے پرہیز کیا۔ کئی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ کے پاس لڑائی کی

اجازت مانگنے آئے لیکن آپ نے منع کر دیا کہ میں قتل وخون نہیں چاہتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس انتہائی نازک موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ طرزِ عمل اختیار کیا جو ایک خلیفہ اور بادشاہ کے فرق کو صاف صاف نمایاں کر کے رکھ دیتا ہے۔ ان کی جگہ کوئی بادشاہ ہوتا تو اپنے اقتدار کو بچانے کے لیے کوئی بازی کھیل جانے میں بھی اسے باک نہ ہوتا۔ (خلافت وملوکیت)[103]

خلافتِ راشدہ کو سامنے رکھا جائے تو حکومت کا عوام کے خلاف طاقت کے بے دریغ استعمال کا جواز بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ موجودہ حکومتیں، یزیدی دور کی طرح، عوامی آواز کو دبانے کے لیے بے دریغ طاقت کا استعمال کرتی ہیں۔

6۔خوشامدی درباری

امام باقرؒ کی مذکورہ بالا روایت کے مطابق جب سانحہ کربلا پیش آچکا اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کا کٹا ہوا سر) اور افراد خانہ یزید کے دربار میں پہنچے تو درباریوں نے فتح کی مبارکباد دی۔

آج کے دور میں بھی کوئی شخص اہل بیت کی اس مظلومیت کا تصور کرتا ہے تو اس کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں، پھر یہ کیسے ہو گیا کہ یزید کے درباریوں نے حسینؓ کا کٹا ہوا سر دیکھ کر اسے مبارکباد دی؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان جب اللہ کی رسی تھامے بغیر بادشاہ کے دربار میں داخل ہوتا ہے تو وہ اسی کو خدا بنالیتا ہے، چاہے زبان سے کچھ بھی اقرار کرے۔ یعنی اپنے قول و فعل میں بادشاہ کی خوشی ملحوظ رکھتا ہے۔ یزید کے درباری جب جانتے تھے کہ یزید کو اہل بیت کی شکست مطلوب ہے تو وہ حاصل ہو جانے پر اسے مبارکباد دینا، درباریوں نے اپنے اوپر لازم سمجھا۔

موجودہ دور میں بھی یہی روش عام ہے۔ نہ حکمران سچ سننے کے لیے تیار ہیں اور نہ درباری علماء سچ بول کر حکمرانوں کی ناراضگی مول لینے کے لیے تیار ہیں۔ نتیجتاً یزیدی رویہ پورے جوبن پر ہے۔ حق مغلوب ہے اور باطل غالب ہے۔ دینی جدّ و جُہد کی غلط تعریفیں گھڑ

کر علماء خوش ہیں کہ ہم دین کی خدمت کر رہے ہیں اور باطل قوتیں ان کی اس خود فریبی سے خوش ہیں۔

سانحہ کربلا کے اثرات

خلافتِ راشدہ کے بعد ظلم کا وہ دور شروع ہوا جس کی رسول اللہ ﷺ نے پیشن گوئی کی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

> "اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق کچھ عرصہ تک نبوت قائم رہے گی، پھر اللہ تعالیٰ جب چاہیں گے اسے اٹھالیں گے۔ نبوت کے بعد اس کے منہج پر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق کچھ عرصہ تک خلافت ہو گی، پھر اللہ تعالیٰ اسے ختم کر دیں گے۔ پھر اللہ کے فیصلے کے مطابق کچھ عرصہ تک بادشاہت ہو گی جس میں ظلم ہو گا، بالآخر وہ بھی ختم ہو جائے گی۔ پھر جبری بادشاہت ہو گی جو کچھ عرصہ کے بعد زوال پذیر ہو جائے گی۔ اس کے بعد منہج نبوت پر پھر خلافت ہو گی اور پھر آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔" (مسند احمد)[104]

خلافتِ راشدہ کے بعد ظلم کا یہ دور مسلمانوں کو اس درجے تک لے آیا تھا کہ وہ زبان سے مجبوراً بادشاہوں کی تعریفیں کرتے اور ان کے افعال کو صرف دل میں برا مناتے۔ "یزید کی ولی عہدی کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مختلف علاقوں سے وفود طلب کیے اور یہ معاملہ ان کے سامنے رکھا۔ جواب میں لوگ خوشامدانہ تقریریں کرتے رہے، مگر حضرت احنف بن قیس خاموش رہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: "ابو بحر! تم کیا کہتے ہو؟" انہوں نے کہا: "ہم سچ کہیں تو آپ کا ڈر ہے، جھوٹ بولیں تو اللہ کا ڈر ہے۔" (خلافت وملوکیت)[105]

ظلم کے اس ماحول میں بھی چند جرأت کے پہاڑ موجود تھے۔ "حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ کے گورنر مروان بن حکم کو یزید کی ولی عہدی کے بارے میں اہل مدینہ سے رائے لینے کا کہا۔ مروان نے جب اہل مدینہ کے سامنے یہ بات رکھی تو اس مجلس میں حضرت عبدالرحمٰن کی طرح حضرت حسین بن علی، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی یزید کی ولی عہدی ماننے سے انکار کر دیا۔"
(خلافت وملوکیت)[106]

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد جب یزید نے اقتدار سنبھالا تو حق کی آواز بالکل دب کر رہ گئی۔ بظاہر جو خلیفہ کی پسند تھی وہی حق بن گیا اور جو اسے ناپسند تھا وہ منکر اور باطل بن گیا۔ مگر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حق کا ساتھ نہ چھوڑا اور کربلا میں اپنی اور اہل خانہ کی قربانی پیش کر کے اس دور کے لیے خاص کر اور عموماً رہتی دنیا کے لیے روشن مثال قائم کی۔ سانحہ کربلا کے بعد اہل کوفہ کو اپنی بے وفائی پر پشیمانی ہوئی اور انہوں نے خوف کے بت توڑے اور سلیمان بن صرد کی قیادت میں یزیدی جبر کے خلاف تحریک شروع کی اور ان کے ساتھ جنگ بھی لڑی۔ تاریخ انہیں توابین کے نام سے جانتی ہے۔ اس کے علاوہ سانحہ کربلا کے بعد لوگ حضرت عبداللہ بن زبیر کی طرف متوجہ ہوئے جنہوں نے یزید کی بیعت نہیں کی تھی۔ یزید نے فوجیں بھیج کر سرکوبی کی کوشش کی مگر آپؓ نے برابر مقابلہ کیا اور یزید کی وفات کے بعد اکثریت نے یزید کے بیٹے کی بجائے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت کی۔ اس کے علاوہ عباسی تحریک کے لیے بھی سانحہ کربلا نے راہ ہموار کی جس کی وجہ سے 132 ہجری میں خلافت بنواُمیہ کا بالکل خاتمہ ہو گیا۔ یہ چند مثالیں تھی اس فوری انقلاب کی، جو شہادتِ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے برپا کیا اور اُمّت کا رخ درست سمت میں موڑا۔

حسینیت و یزیدیت

کچھ کو زندگی عزیز، کچھ موت سے ڈرے ہیں
الغرض سبھی یزید کی حمایت میں کھڑے ہیں
یزید کو امیر المؤمنین کے منصب پر فائز کیا ہے
قاضی نے حسین کو باغی و خارجی لکھ دیا ہے
نعمان کو کوفہ کی گورنری سے ہٹا دیا گیا ہے

انکی جگہ یزید سے وفا نبھانے ابن زیاد آگیا ہے
ابن زیاد نے آتے ہی ہانی کو شہید کر دیا ہے
اپنا ہاتھ اہل حق کے خوں سے بھر دیا ہے
اپنوں کی ایسی بے وفائی کہ زمیں شرما گئی ہے
مسلم بن عقیل کو گرفتار کرنے پولیس آگئی ہے
مسلم کو صرف گرفتار نہیں کیا گیا ہے
بلکہ ان کو بے دردی سے شہید کر دیا گیا ہے
ابن سعد ، ابن زیاد کا اچھا کمانڈر بنا ہے
لے کر لشکر حسین سے لڑنے آگیا ہے
شمر اعلیٰ عسکری اعزاز کا مستحق ٹھہرا ہے
اس نے نواسہ رسولؐ کا سر کاٹ دیا ہے
ابن زیاد کے فوجی فتح کا جشن منا رہے ہیں
اہل حق کی شہادتوں کا تمسخر اڑا رہے ہیں
ایسے میں تجھ پر لازم ہے کہ باطل سے جدا ہو جا
حق مغلوب سہی ، اسی کے ساتھ صف آرا ہو جا
چھوڑ دے گورنری نعمان بن بشیر کی مانند
کر لے فوج سے بغاوت حر بن یزید کی مانند
یزید کی حکومت تسلیم کرنے سے انکار کر دے
اس ظالم کا تختہ الٹنے کے لیے لشکر تیار کر لے
قبیلہ مذحج کی طرح ظالموں کی جانب پیش قدمی کر

پھر خالی واپس نہ لوٹ، نہ کسی طرح کی نرمی کر
حق کی حمایت میں اگر کوئی بھی تیرے ساتھ نہ نکلے
پھر تجھ پر لازم ہے کہ حسین کی سنت کو اپنا لے
تیری کامیابی اسی میں کہ گھر بار لوٹا دے
دے کر لہو اپنا، دین و ملت کو بچا لے

باب ہفتم

پاکستان میں اسلامی نظام کا واحد راستہ

کتاب کے ابتدا میں ہم نے جمہوری نظام کے مسائل کو واضح کیا۔ اس کے بعد انتخابی عمل کے زمینی حقائق اور ملکی تاریخ کے آئینے میں ہم نے دیکھا کہ مذہبی جماعتوں کے لیے تقریباً ناممکن ہے کہ وہ انتخابی عمل کے ذریعے ملک کی قیادت سنبھال سکیں۔ اور اگر کسی جائز و ناجائز طریقے سے کوئی مذہبی جماعت ملک کی قیادت سنبھالنے میں کامیاب ہو بھی جاتی ہے تو وہ چند دن کی مہمان ہی ہو گی۔ اس کے بعد ہم نے یہ جاننے کی کوشش کی کہ کیا مذہبی شخصیات اور جماعتیں درست سمت میں محنت کر رہی ہیں تو جواب ہمیں نفی میں ملا۔ پھر ہم نے دیکھا کہ اس 76 سالہ ناکامی کا سب سے زیادہ ذمہ دار کون ہے تو حقائق نے مذہبی رہنماؤ ں کی طرف اشارہ کیا۔ ان تمام مسائل میں خود کا جکڑا پا کر ہم نے نجات کا راستہ تلاش کرنا شروع کیا۔ ہم نے شریعت کے ساتھ متعین کردہ راستوں کو پرکھا اور جاننے کی کوشش کی کہ اس لٹے ہوئے قافلے کو کون سی راہ منزل تک پہنچا سکتی ہے؟ ہم نے اس تحقیق میں سرِ فہرست "حسینی راستہ" پایا۔ اب ہم "حسینی راستہ" کو مدنظر رکھتے ہوئے جاننے کی کوشش کریں گے کہ موجودہ حالات میں یہ راستہ کیسی حکمتِ عملی اور کس قسم کے زادِ راہ کا متقاضی ہے۔ یہ اس لیے ضروری ہے کہ آج کے بعض معاملات اس وقت کے معاملات سے مختلف ہیں۔ ہمیں اسی طریقہ کار کو بنیاد بناتے ہوئے اپنی حکمتِ عملی میں تبدیلیاں کرنے کی ضرورت ہے۔ خلافتِ راشدہ کے حوالے سے ڈاکٹر اسرار ایسا ہی مؤقف اپناتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

> "اس دور میں حالات کی تبدیلی کے پیشِ نظر ایک ایسا نظام بنانے پر غور کرنا ہو گا جس میں اصول تو وہی (یعنی خلافتِ راشدہ کے) رہیں، لیکن طریقہ کار کو تمدن کے ارتقاء کے ساتھ ہم آہنگ کیا جائے۔" (منہجِ انقلابِ نبوی ﷺ)[107]

1۔ گرینڈ اسلامک الائنس

ملکی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ ہم نے اگر کچھ پایا ہے تو وہ اتحاد کی بدولت اور اگر کچھ کھویا ہے تو وہ تفریق کی وجہ سے ہے۔ یہ تفریق ہی کی وجہ سے ہے کہ آج 76 سال گزر جانے کے بعد بھی اسلام کے نام پر بننے والے ملک میں اسلامی قوانین کا نفاذ نہیں ہو سکا۔ یہ تفریق ہی کہ وجہ سے ہے کہ اس اسلامی ملک میں آج تک کوئی اسلامی جماعت اقتدار میں نہ آسکی۔ یہ تفریق ہی کی وجہ سے ہے کہ سود جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ ہے، آج تک ختم نہ ہو سکا۔ یوں ایک طویل فہرست ہے محرومیوں کی جو اس تفرقہ بازی کا نتیجہ ہے، مگر ہم بدقسمتی سے اس سے باز نہیں آتے، یہ جانتے ہوئے بھی کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے تفرقہ بازی سے سختی سے منع کیا ہے اور ایک ہو کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم دیا ہے۔

اب اس ملک کا بڑے سے بڑا عالم، پیر، مبلغ اور مصنف، چاہے پیروکار اسے مجدد و مجتہد کہیں، وہ اللہ کے اس حکم سے باغی ہے۔ اس بغاوت کا ہمیں دنیا میں یہ عذاب مل رہا ہے کہ اُمّت مجموعی طور پر مغلوب ہے اور کفر بلا کسی محنت کے ہمارے اوپر مسلط ہے۔ ہم نے ایک دوسرے کا گریبان پکڑا ہوا ہے اور کفر اسلام کی جڑیں کاٹ رہا ہے۔ ایسے میں یہ دنیا کی ذلت تو ہم کاٹ رہے ہیں لیکن حیف کہ آخرت میں بھی ہمارا کوئی حصہ نظر نہیں آتا۔ جب پوچھا جائے گا کہ کیا کر کے آئے ہو تو ہم جواب دیں گے کہ میں فلاں مسلک کا معروف عالم تھا، میں نے مسلک کے دفاع میں اتنی کتابیں لکھیں، میرے اتنے مرید تھے، میرے اجتماع میں اتنے لاکھ لوگ شریک ہوتے تھے۔ اس طرح اپنے قصیدے پڑھنے پر ہمیں جھڑک کر پوچھا جائے گا کہ دین کے لیے کیا کیا، کفر کے ترویج کو روکنے کے لیے کیا اقدام اٹھائے؟ تو ایسے میں ہمارے پاس سوائے پشیمانی کے کچھ پیش کرنے کو نہیں ہو گا۔

چنانچہ آخرت کی پشیمانی سے بچنے اور دنیا میں اسلام کو غالب کرنے کے لیے ہمیں متحد ہونے کی ضرورت ہے اور مسالک کو اس طور پر لینے کی ضرورت ہے کہ یہ ایک دوسرے کو اعتدال پر رکھنے کے لیے ہیں۔ مثلاً اگر ایک مسلک وحدانیت کے دفاع میں نبوت کی توہین پر اتر آتا ہے اور دوسرا مسلک اسے اس بات پر ٹوکتا ہے اور انبیاء کی تعظیم یاد دلاتا ہے تو یقیناً یہ

ٹوکنے والا مسلک، ٹوکے گئے مسلک کا دشمن نہیں بلکہ خیر خواہ ہے کیونکہ وہ اسے کسی ایسی بات سے روک رہا ہے جو اس کے لیے کل قیامت والے دن عذاب کا باعث بن سکتی ہے۔ دوسری طرف اگر ایک مسلک انبیاء کی تعظیم میں اس حد تک چلا جاتا ہے کہ عیسائیوں کی طرح انہیں اللہ سے ملا دیتا ہے اور دوسرا مسلک اسے ٹوکتا ہے اور وحدانیت کا سبق یاد دلاتا ہے تو یقیناً یہ اس کا خیر خواہ ہے کہ اسے نادانی میں نارِ جہنم میں گرنے سے بچا رہا ہے۔ اسی طرح اہل بیعت و صحابہ کرام و اولیاء عظام کے معاملے میں اعتدال کے لیے مسالک ایک دوسرے کے معاون ہو سکتے ہیں۔

اب اگر ہمیں شریعت کے اس حکم "اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ میں نہ پڑو" کی اہمیت و حکمت سمجھ آ گئی ہو تو پھر اگلے ہدف کی طرف قدم اٹھانا چاہیے۔ وہ قدم یہ ہے کہ نظام بدلنے کے لیے ہم ایک اسلامی اتحاد قائم کریں جو تمام تر مذہبی جماعتوں پر مشتمل ہو، چاہے ان کا تعلق سیاست، مدارس، فلاحی اداروں یا دیگر شعبہ ہائے زندگی سے ہو اور یہ امر عین شریعت اور ملکی قانون کے مطابق ہے۔ جب ملکی آئین میں ہم نے یہ طے کر لیا کہ کوئی بھی قول و فعل شریعت کے منافی نہیں ہو گا تو پھر اس پر عمل کا مطالبہ عین آئینی عمل ہے۔ دوسرا اگر ملک میں سیاسی اتحاد بن سکتے ہیں، جیسے ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف 1977ء کا پاکستان قومی اتحاد، 9 سیاسی جماعتیں جس کا حصہ بنیں، سندھ میں پاکستان پیپلز پارٹی کے خلاف 2017ء کا گرینڈ جمہوری اتحاد، 8 سیاسی جماعتیں جس کا حصہ بنیں اور عمران خان کے خلاف 2020ء کی پاکستان ڈیموکریٹک موومنٹ، 13 سیاسی جماعتیں جس کا حصہ بنیں تو پھر مذہبی اتحاد کیوں نہیں بن سکتا۔ افسوس ناک بات یہ ہے کہ ملکی تاریخ کے تقریباً تمام تر سیاسی اتحادوں میں مذہبی جماعتوں کو بھرپور استعمال کیا گیا جس کی وجہ سے لوگ ان جماعتوں سے مزید بد دل ہو گئے۔

مذکورہ بالا مطلوب اسلامی اتحاد کے لیے ماضی کے تلخ تجربات سے حاصل شدہ سبق اور موجودہ حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے قواعد و ضوابط طے کرنے ہوں گے۔ اس میں سب سے پہلے اکابرین کو جو اتحادِ اُمّت کی اہمیت سے واقف ہیں اور پہلے ہی اس کے حامی ہیں، انہیں اپنی تقریروں سے نکل کر میدان میں آنا پڑے گا اور دیگر ہم فکر علماء کو ایک ایک کر کے جمع کرنا

ہو گا۔ جب اس اتحاد میں معقول تعداد ہو جائے تو پھر مل بیٹھ کر علماء باہمی مشاورت سے لائحہ عمل طے کریں اور ساتھ ساتھ باقی مذہبی جماعتوں کو جو اتحاد میں شامل نہ ہوئی ہوں، دعوت دیتے رہیں۔

نفاذِ شریعت کی اس تحریک کا بنیادی طریقہ کار یہ ہو گا کہ ایک منظم صورت میں حکومتِ وقت سے نفاذِ شریعت کا مطالبہ کیا جائے گا۔ الیکشن کی بنسبت اس کا یہ فائدہ ہو گا کہ عمومی طور پر مذہبی جماعتوں پر جو الزامات ہوتے ہیں کہ یہ مذہب کو سیاست کے لیے استعمال کر رہی ہیں، اس سے بچا جاسکے گا۔ اگر صرف الزامات کا ہی مسئلہ ہو تو اس میں کچھ عار نہیں کہ اللہ کی رضا کے لیے انسان کچھ بھی برداشت کر لے، لیکن دراصل یہی الزامات مذہبی جماعتوں کے راستے کی رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ مخالفین ان الزامات کے ذریعے عوام کو مذہبی جماعتوں سے متنفر کرتے ہیں اور اسی بنا پر اپنے حق میں لوگوں کی حمایت سمیٹتے ہیں۔

نفاذِ شریعت کے مطالبے کے لیے یہ ضروری ہے کہ بنیادی اجزاء پورے ہوں۔ مجلسِ شوریٰ نے تمام قانونی کمزوریوں کی نشاندہی کر لی ہو، غیر شرعی شقوں کے متبادل شقیں تیار کر لی ہوں، غیر شرعی معاملات جو قانون کے بھی منافی ہیں، لیکن ملک میں رائج ہیں، ان کی فہرست بھی تیار کر لی ہو، پھر نفاذِ شریعت کی مرحلہ وار فہرست تیار کر لی ہو، یعنی کون سے معاملات ہیں جن پر فوراً عمل مطلوب ہو گا اور کون سے امور ہیں جن کے لیے زیادہ وقت درکار ہو گا؟ مجلس شوریٰ جب یہ بنیادی کام کر لے گی تو اس کے بعد اگلہ مرحلہ شروع ہو گا کہ ان مطالبات کو منوانے کے لیے کون سا طریقہ کار اپنایا جائے۔ اس لیے پہلے ہم امیر کی تعیناتی، مجلسِ شوریٰ کا قیام، بیعت و تشکیل اور اسلامی اتحاد کے اہم نکات پر نظر دوڑا لیتے ہیں۔

2۔ امیر کا انتخاب

کسی بھی جماعت کے لیے امیر کی تعیناتی ناگزیر ہے۔ یہ فطرت کا بھی قانون ہے اور شریعت کا تقاضا بھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جب تین افراد کسی سفر میں ہوں تو انہیں چاہیے کہ اپنے میں سے کسی ایک کو امیر بنالیں۔"(سنن ابو داؤد)[108]

امیر کی تعیناتی اس لیے ضروری ہے کیونکہ وہ جماعت کے نظم کو قائم رکھتا ہے اور اس کے لیے راہ و منزل کا تعین کرتا ہے۔ بغیر امیر کے لوگوں کا جمع ہونا ہجوم تو ہو سکتا ہے، جماعت نہیں اور جماعت کے بغیر نفاذِ شریعت جیسا صبر آزما کام ناممکن ہے۔ اسلامی اتحاد کے امیر کے لیے قابلیت و قبولیت کے ساتھ ساتھ خلوصِ نیت کا ہونا انتہائی اہم ہے کیونکہ اس میں کچھ دنیوی مفاد شامل نہیں، نہ اس کی کوئی تنخواہ ہے، نہ یہ الیکشن ہے کہ جیت کر اقتدار کی کرسی حاصل ہو گی بلکہ یہ ایک سخت آزمائش ہے۔ اس آزمائش کو اپنے سر لینے کے لیے متعلقہ شخص کو رسول اللہ ﷺ کی روایت ذہن نشین رکھنی چاہیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"مؤمن کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے آپ کو رسوا و ذلیل کرے۔ لوگوں نے عرض کیا: کوئی اپنے آپ کو کیسے رسوا و ذلیل کرے گا؟ آپؐ نے فرمایا: ایسی مصیبت کا سامنا کرے گا جس کی اس میں طاقت نہ ہو گی۔"(ابن ماجہ)[109]

دوسرا یہ کہ امیر چونکہ عوام کا نمائندہ ہوتا ہے اور جس قدر عوام اور امیر میں فکری ہم آہنگی پائی جائے گی، اس کا حکم اسی قدر مؤثر ہو گا اور عوام کی نمائندگی بھی صحیح انداز میں کر سکے گا۔ اس پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے اکثریتی مسلک کے عالم کو امیر مقرر کرنا زیادہ مناسب اور بارآور ہو گا۔ تیسرا یہ کہ اس امیر پر فرقہ وارانہ سوچ غالب نہ ہو کیونکہ ایسے امیر کے نیچے تمام مسالک کو جمع کرنا اور ان میں اتحاد قائم کرنا مشکل ہو گا۔ اس لیے امیر کے انتخاب میں اس پہلو کو مدِ نظر رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ اس کے علاوہ عموماً مذہبی جماعتیں ایک امیر کے انتخاب کے لیے جو معیارات متعین کرتی ہیں، انہیں بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔

امیر کی تعیناتی کے حوالے سے تمام مسالک سے یہ التجا ہے کہ کسی دوسرے مسلک کے عالم کو بطور امیر قبول کرنے میں عار نہ محسوس کریں کیونکہ مسالک تو آپ کے بنائے ہوئے ہیں جبکہ اتحاد کا حکم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ہے۔ گو نفس کی پیروی سے نکل کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی پیروی کرنا ایک مشکل امر ہے لیکن اجر عظیم کا موجب بھی

ہے۔ اچھے امیر کا انتخاب تحریک کی کامیابی کے لیے اہم ترین قدم ہے اور اس کی بنیاد باہمی محبت کا پایا جانا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس ضمن میں فرمایا:

"تمہارے بہترین امام (خلیفہ) وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں، تم ان کے لیے دعا کرو اور وہ تمہارے لیے دعا کریں اور تمہارے بدترین امام وہ ہیں جن سے تم بغض رکھو اور وہ تم سے بغض رکھیں، تم ان پر لعنت کرو اور وہ تم پر لعنت کریں۔" (صحیح مسلم)[110]

3۔ مجلسِ شوریٰ کا قیام

امیر کی تعیناتی کے بعد مجلسِ شوریٰ کا قیام عمل میں لایا جائے گا، لیکن اس میں یہ بھی گنجائش ہے کہ مجلسِ شوریٰ کا قیام پہلے عمل میں لایا جائے اور اس کے بعد امیر کا انتخاب باہمی مشورے سے کیا جائے۔ امیر کا انتخاب جب باہمی مشورے سے ہو گا تو پھر کسی مسلک کے پاس اعتراض کا جواز باقی نہ رہے گا۔ مجلس شوریٰ میں ہر مسلک یا جماعت کے دو دو اراکین شامل کیے جائیں گے تاکہ تمام امور باہمی مشورے سے طے کیے جائیں جو تمام مکاتب فکر کو قبول ہوں۔ اسلامی اتحاد کا جو بھی فیصلہ ہو گا وہ امیر کی طرف سے جاری کیا جائے گا تاکہ اتفاق کی فضا قائم رہے۔ جنرل ضیاء الحق کے دور میں بغیر مشاورت، شریعت کے نفاذ نے فرقہ واریت کو کافی ہوا دی۔ گو جنرل ضیاء نے پاکستان میں نفاذِ شریعت کے لیے کافی راہ ہموار کی لیکن اگر مسالک کے حوالے سے حکمت سے کام لیا جاتا تو نتائج مزید بہتر آسکتے تھے۔

مجلس شوریٰ حکومتی اداروں کے مدمقابل کوئی ادارہ نہیں بلکہ جس طرح کسی بھی جماعت، ادارے یا تنظیم میں بڑے سر جوڑ کر بیٹھتے ہیں اور ادارے یا جماعت کے امور پر بحث و مباحثہ کرتے ہیں، مجلسِ شوریٰ کا بھی یہی کام ہے۔

نفاذِ شریعت کے حوالے سے شوریٰ کے متواتر اجلاس منعقد ہوں گے جس میں مکمل طریقہ کار متعین کیا جائے گا اور قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے حکومتِ وقت سے شریعت کے نفاذ کا مطالبہ کیا جائے گا۔

4۔ بیعت و تشکیل

بیعت و تشکیل کے حوالے سے ہم ڈاکٹر اسرار احمد کے 1995 ء کے شکاگو میں "اسلامی نظم جماعت میں بیعت کی اہمیت" کے موضوع پر خطاب (انگریزی زبان میں) سے استفادہ حاصل کریں گے، جسے تنظیم اسلامی نے اردو ترجمے کے ساتھ شائع کیا ہے۔

ڈاکٹر اسرارؒ نے اس خطاب میں بیعت کی ضرورت و اہمیت بہت واضح انداز میں بیان فرمائی ہے۔ عموماً ایک عام شخص کے ذہن میں بیعت سے متعلق جو ابہامات پیدا ہوتے ہیں کہ بیعت فرض ہے یا نہیں، بیعت حکمران کی ہوتی ہے یا کسی پیر کی، اور بیعتِ خلافت اور بیعتِ ارشاد میں کیا فرق ہے؟ وغیرہ۔ وہ سب ابہامات ڈاکٹر صاحب کے اس خطاب سے دور ہو جاتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے چونکہ تنظیم اسلامی کی بنیاد "اسلامی انقلاب" ہی کی غرض سے رکھی اور اس میں بیعت کے طریقہ کار کو اپنایا، اس لیے آپ کے خطاب کا اصل ہدف بھی یہی تھا کہ اس بات کو واضح کیا جائے کہ انقلابی تحریک کے لیے بیعت کی ضرورت و اہمیت اور شرعی حکم کیا ہے۔ آپؒ نے گفتگو کے ابتدا میں نظم جماعت کے حوالے سے حدیث بیان فرمائی:

> "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں، اللہ نے مجھے ان کا حکم دیا ہے۔ یعنی جماعت، سننا، اطاعت کرنا، ہجرت اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔" (مسند احمد)[111]

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے آپؒ فرماتے ہیں:

> "یہاں یہ سوال اپنے سامنے رکھیے کہ کیا ہجرت اور جہاد کے یہ فرائض ایک منظم اور متحد جماعت کے بغیر بھی ادا کیے جا سکتے ہیں؟ کیا کوئی شخص اپنی انفرادی حیثیت میں ہجرت اور جہاد کا حق ادا کر سکتا ہے؟ آپ اپنے نفس امارہ کے خلاف تو کشمکش تنہا رہ کر بھی کر سکتے ہیں لیکن کیا اللہ کے دین کی اقامت اس طرح ممکن ہے؟ کیا کوئی فرد اپنی ذاتی حیثیت میں اتنا طاقتور ہو سکتا ہے کہ وہ اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی کو محض اپنے زورِ بازو سے نافذ کر سکے؟ ظاہر ہے اس کا جواب نفی میں ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اگر ہجرت و جہاد فی سبیل اللہ کا حق ادا کرنا ہے تو یہ کام ایک منظم

جماعت کے بغیر ناممکن ہے۔ اگر اقامتِ دین کی جدّوجُہد فرض ہے تو یہ فرض ایک منظم جماعت کے بغیر محض انفرادی طور پر ادا نہیں کیا جا سکتا، اس کے لیے ایک جماعت کا ہونا لازم ہے۔ چنانچہ زیر مطالعہ حدیث میں یہ نکتہ خاص طور پر قابل غور ہے کہ حضور ﷺ نے سب سے پہلے جس بات کا مسلمانوں کو حکم دیا وہ التزامِ جماعت ہے۔ یعنی مسلمانوں کے لیے یہ شے لازم کی گئی ہے کہ وہ اپنے آپ کو ایک جماعت کی شکل میں منظم رکھیں۔ یہ جماعت اور اس کا نظم اس لیے مطلوب ہے کہ آخری دو فرائض یعنی ہجرت و جہاد فی سبیل اللہ کو کماحقہ ادا کیا جا سکے۔" (بیعت کی اہمیت)[112]

ڈاکٹر صاحب کی اس گفتگو کے تناظر میں اگر ہم زیر غور اسلامی انقلاب کو دیکھیں تو جمیعت کی اہمیت اور تفریق کے نقصانات پر ہم پہلے بات کر چکے ہیں اور جماعت بندی کے طریقہ کار کو بھی ہم نے واضح کیا ہے کہ اسلام پسند مقبول شخصیات اس کی ذمہ داری اٹھائیں گے اور لوگوں کو جمع کرنا شروع کریں گے۔ اس سے متعلق آپ کے ذہن میں سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ کیا مذکورہ بالا دو چار باتیں جماعت بندی کی پیچیدگیوں اور طریقہ کار کو واضح کرنے کے لیے کافی ہیں؟ اس کا جواب یقیناً نفی میں ہے کیونکہ یہ صرف ایک پکار ہے لوگوں کو انقلاب کی طرف بلانے کے لیے اور اس میں صرف اتنی ہی بات کی گئی ہے جو ابتدائی طور پر لوگوں کو اس انقلاب کے لیے آمادہ کرنے کے لیے کافی ہو۔ لوگ اس پر آمادہ ہو جائیں تو ہمارے پاس اہل علم موجود ہیں، اکابریں کی کتب موجود ہیں اور خاص کر اسلامی انقلاب کے حوالے سے پورے کے پورے ادارے موجود ہیں جیسے تنظیم اسلامی اور دیگر مذہبی جماعتیں۔ چنانچہ اس حوالے سے ہمیں فکر کی ضرورت نہیں ہے۔

جماعت کی اہمیت کو واضح کرنے کے بعد ڈاکٹر اسرار احمد، اُمراء کی اقسام پر تفصیلی گفتگو کرتے ہیں اور آخر میں خلاصہ پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اب آپ ان چار اقسام کے اُمراء کی نوعیت کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ اولاً وہ امیر جسے کوئی بڑا امیر، کسی خاص علاقے یا کسی مخصوص گروہ کا قائد مقرر کرے۔ مثلاً وہ اُمراء جنہیں رسول اللہ ﷺ نے مقرر فرمایا تھا۔ ثانیاً وہ امیر جسے مسلمان باہمی

مشورے اور رضامندی سے اپنا حاکم منتخب کریں۔ مثلاً خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ ثالثاً وہ شخص جو مسلمانوں کی مرضی کے بغیر حکومت پر قبضہ کر کے ان کا حاکم بن جائے۔ مثلاً مسلمانوں کی تاریخ کے اکثر بادشاہ اور آج کے دور کے فوجی حکمران۔ اربعًا وہ شخص جو اسلام کے لیے کسی جدّوجُہد کا آغاز کرنا چاہے اور اس میں اسے دوسرے مسلمانوں کی مدد اور ان کے تعاون کی ضرورت ہو۔ یہ شخص ابتدا میں داعی کے طور پر کام کرتا ہے اور لوگوں کو جمع کرنے کے لیے پکار لگاتا ہے۔ جب لوگ جمع ہو کر اس کے ساتھی بن جاتے ہیں تو وہ ان کا فطری امیر بن جاتا ہے۔"

زیرِ غور اسلامی انقلاب کے حوالے سے اگر ہم ان اقسام کا جائزہ لیں تو تیسری قسم (حکومت پر جبری قبضہ) کے علاوہ باقی تینوں اقسام کا کہیں نہ کہیں دخل نظر آتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی اس تقسیم میں چوتھی قسم وہ ہے جس میں کوئی شخص اسلام کے لیے جدّوجُہد کا آغاز کرے۔ اب تحریک ھٰذا میں آغاز تو میں کر رہا ہوں لیکن تحریک کے سربراہی (امارت) کے لیے میں کسی بھی طرح سے موزوں نہیں ہوں۔ ایسے میں پھر دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ میری اس پکار سے متاثر ہو کر جو باا ثر عالم، لوگوں کو جمع کرنے کا آغاز کرے، وہ امیر ہو۔ وہ اس چوتھی قسم میں ہی داخل ہو گا۔ یعنی اسلام کے لیے جدّوجُہد کا آغاز کرنے والا اور اس کے لیے لوگوں کو دعوت دینے والا۔

اس میں دوسری صورت یہ ہے کہ جیسے ہم نے پہلے مجلس شوریٰ کا ذکر بھی کیا کہ مجلسِ شوریٰ باہمی مشاورت سے امیر کا انتخاب کرے، تو یہ طریقہ کار ڈاکٹر صاحب کی وضع کردہ اقسام میں سے دوسری قسم میں شامل ہو گا۔ یعنی باہمی مشاورت سے کسی کو امیر منتخب کریں۔ چنانچہ مرکزی امیر کے انتخاب کے حوالے سے ہمارے پاس یہ دو مسلمہ طریقے موجود ہیں اور میرے نزدیک دوسری قسم (یعنی باہمی مشاورت سے انتخاب) زیادہ موزوں ہے کیونکہ اس میں اہم لوگوں کی رائے شامل ہو گی اور یوں اتحاد کی فضا باآسانی قائم کی جا سکے گی۔

اب مرکزی امیر چونکہ اکیلے ہر کام سرانجام نہیں دے سکتا، اس لیے اسے ضرورت پڑے گی کہ مختلف کاموں اور علاقوں کے لیے علیحدہ علیحدہ اُمراء تعینات کرے جیسے عموماً تمام اداروں اور تنظیموں میں ہوتا ہے۔ اب یہ اُمراء ڈاکٹر صاحب کی وضع کردہ اقسام میں

سے پہلی قسم میں آئیں گے۔ یعنی وہ اُمراء جنہیں کوئی بڑا امیر کسی علاقے یا مخصوص گروہ کی قیادت سونپے۔ اب یہ اُمراء دراصل مرکزی امیر کے حکم کے پابند ہوں گے لیکن بعض دفعہ ایسے مواقع پیش آجاتے ہیں جن کے بارے میں کوئی واضح حکم موجود نہیں ہوتا، ایسے میں ان اُمراء کے لیے دلیل وہ روایت ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کا گورنر مقرر کرنے سے پہلے پوچھا تھا کہ اگر کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ میں کوئی حکم نہ پاؤ تو کیا کرو گے؟

"حضرت معاذؓ کے کچھ اصحاب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے معاذ کو جب یمن (کا گورنر) بنا کر بھیجنے کا ارادہ کیا تو آپؐ نے ان سے پوچھا: جب تمہارے پاس کوئی مقدمہ آئے گا تو تم کیسے فیصلہ کرو گے؟ معاذ نے عرض کیا: اللہ کی کتاب کے موافق فیصلہ کروں گا۔ آپؐ نے فرمایا: اگر اللہ کی کتاب میں تم نہ پاسکو تو معاذ نے عرض کیا: رسول اللہ کی سنت کے موافق۔ آپؐ نے فرمایا: اگر سنت رسول اور کتاب اللہ دونوں میں نہ پاسکو تو کیا کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا: پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کوئی کوتاہی نہ کروں گا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے معاذ کا سینہ تھپتھپایا، نیز آپ ﷺ نے فرمایا: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے رسول اللہ ﷺ کے قاصد کو اس چیز کی توفیق دی جو اللہ کے رسول کو راضی اور خوش کرتی ہے۔" (ابوداؤد)[113]

لیکن اجتہاد کی اجازت دینے سے پہلے ایک شرط یہ ہے کہ وہ امیر صحیح فیصلہ کرنے کا اہل بھی ہو۔ اس ضمن میں مذکورہ بالا روایت سے ہمارے لیے یہ رہنما اصول سامنے آتا ہے کہ مرکزی امیر جب مختلف علاقوں اور کاموں کے لیے اُمراء کی تعیناتی کرنے کا ارادہ کرے تو پہلے ان کا امتحان لے اور تسلی کرلے کہ یہ اس ذمہ داری کے اہل ہیں بھی یا نہیں۔ جب ان کی اہلیت کی تسلی کرکے تعینات کرے گا تو ایسی صورت میں ہی ان کی طرف سے نئے پیش آمدہ مسائل کا آزادانہ فیصلہ، درست اور بارآور ہوگا۔

زیرِ غور اسلامی انقلاب کے ضمن میں مرکزی امیر، امراء کی اہلیت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ان کی تعیناتی کرے گا۔ مارچ یا دھرنے کے حوالے سے نظم کو باآسانی قائم رکھنے کے

لیے گروہ بندی کی جائے گی اور ہر گروہ میں اتنے لوگ شامل کیے جائیں گے جن کی باآسانی قیادت اور نگرانی ہو سکے۔ جیسے عموماً فوج میں ایک چھوٹا دستہ "پلاٹون" ہوتی ہے جس میں تقریباً 30 سے 40 لوگ ہوتے ہیں اور ان کا ایک کمانڈر ہوتا ہے۔

اب اگلا سوال یہ ہے کہ یہ گروہ بندی کن بنیادوں پر کی جائے؟ اس میں سب سے موزوں طریقہ یہ ہے کہ مرکزی امیر کی طرف سے منتخب امراء جن علاقوں سے ہوں یا جہاں ان کے پیروکار اور محبین موجود ہوں، وہیں گروہ تشکیل دے کر ان امراء کے زیرِ قیادت کر دیے جائیں۔ چونکہ وہ لوگ ایک دوسرے سے پہلے ہی واقفیت رکھتے ہوں گے اس لیے فائدہ یہ ہو گا کہ باہمی اتفاق کے ساتھ ساتھ ان کے لیے امیر کی بات سننا اور اطاعت کرنا (سمع وطاعت) بھی سہل ہو گا۔

سمع وطاعت کے بارے میں ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

"سمع و طاعت دراصل فوج کے نظم کو ظاہر کرنے کی خاص اصطلاح بھی ہے۔ ایک عام سپاہی کا فرض یہ ہے کہ وہ سنے اور اطاعت کرے۔ یعنی یہ کہ وہ اپنے بالا افسر سے احکامات وصول کرے اور ان پر عمل پیرا ہو۔ اسے اس کا حق نہیں ہے کہ وہ اپنے کمانڈر سے بحث کرے اور اس کے حکم کی علت یا مقصد دریافت کرے۔ ظاہر ہے ایک جنگ کے دوران وہی سپاہی کارآمد ثابت ہوں گے جو کیا اور کیوں کی بحث میں پڑنے کے بجائے اپنے افسر کے احکامات کو سنیں اور عمل کریں۔"

جماعت بندی کے تمام تر لوازمات کو تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کے بعد ڈاکٹر اسرار احمد اپنی تحریک "تنظیم اسلامی" کے حوالے سے فرماتے ہیں:

"جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں نے تنظیم اسلامی بیعت کی بنیاد پر قائم کی ہے۔ تنظیم اسلامی میں شمولیت کے لیے جو بیعت ہے اس کے الفاظ مستند حدیث سے لیے گئے ہیں۔ یعنی بیعتِ عقبہ ثانیہ کے موقع پر یثرب سے آنے والوں نے رسول اللہ ﷺ سے جن الفاظ میں بیعت کی، انہی الفاظ کو ایک تبدیلی کے ساتھ ہم نے اختیار کیا ہے۔ میرا دعویٰ یہ ہے کہ اس حدیث کے الفاظ میں ایک حزب

اللہ قائم کرنے کے لیے پورا منہج اور طریقہ کار موجود ہے، یعنی ایک اصولی اسلامی انقلابی جماعت کو قائم کرنے کا پورا نقشہ اس حدیث سے مستنبط کیا جا سکتا ہے۔ اگر آپ کوئی جماعت بنا رہے ہیں تا کہ سماجی سطح پر فلاح و بہبود کا کام کیا جا سکے تو کسی بھی قسم کا دستوری ڈھانچہ اختیار کیا جا سکتا ہے، لیکن جہاں معاملہ ہو ایک انقلابی جماعت کے قیام کا، جسے غیر معمولی نظم اور اندرونی ہم آہنگی درکار ہوتی ہے، تو یہ جماعت صرف بیعت کی بنیاد پر قائم ہونی چاہیے۔"

پیش نظر حدیث حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی گئی ہے اور امام بخاری اور امام مسلمؒ دونوں نے اسے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ بیعت کے الفاظ ایسے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے ان کے ذریعے تنازعات کے تمام دروازے بند فرما دیے ہیں۔ عبادۃ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"ہم نے اللہ کے رسول ﷺ سے بیعت کی کہ ہم سنیں گے اور اطاعت کریں گے، خواہ آسانی ہو یا مشکل، خواہ ہماری طبیعت آمادہ ہو یا ہمیں اس پر جبر کرنا پڑے، اور خواہ دوسروں کو ہمارے اوپر ترجیح دے دی جائے۔ ہم صاحبِ اختیار سے جھگڑیں گے نہیں، لیکن سچ بولیں گے جہاں کہیں بھی ہم ہوں گے، اور اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے بے پرواہ رہیں گے۔" (صحیح البخاری)[114]

زیرِ غور انقلابی تحریک میں ہمیں بھی انہی بنیادوں پر بیعت لینی ہو گی تا کہ جماعت کا نظم قائم کیا جا سکے۔ تاریخی حوالے سے بات کرتے ہوئے، ڈاکٹر صاحب، فتنہ قادیانیت کے خلاف اٹھنے والی تحریک کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"موجودہ صدی کی ایک اور تحریک جو بیعت کی بنیاد پر منظم ہوئی تھی وہ قادیانیت کے فتنے کا مقابلہ کرنے کے لیے تھی۔ 1930ء کی دہائی میں 500 علماء اکھٹے ہوئے جن میں سے اکثریت کا تعلق دیوبند مکتبہ فکر سے تھا اور انھوں نے مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو "امیر شریعت" مان کر ان سے بیعت کی۔ اگرچہ مولانا بہت

نمایاں مذہبی عالم نہ تھے، اس کے باوجود ان سے بیعت کرنے والوں میں مولانا احمد علیؒ لاہوری اور مولانا انور شاہ کاشمیریؒ جیسے جید علماء بھی شامل تھے۔"

سو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جماعت بندی اور بیعت کا یہ سلسلہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ اس دور کی اکثر انقلابی تحریکیوں نے اسی ہی مسلمہ طریقے کو اپنایا ہے۔ اسلامی اتحاد انہی بنیادوں پر لوگوں سے بیعت لے گا۔

5۔ اسلامی اتحاد کے اہم نکات

مجلسِ شوریٰ کی ذمہ داری میں دیگر معاملات کے علاوہ جماعت کے لیے قواعد وضوابط اور منشور تیار کرنا بھی شامل ہے۔ اسلامی اتحاد کی مجلس شوریٰ اس معاملے میں ایک مکمل لائحہ عمل تیار کرے گی تاکہ نفاذِ شریعت کے مقصد کو باآسانی حاصل کیا جاسکے۔ مجلس شوریٰ کی رہنمائی اور عام قاری کی آگاہی کے لیے چیدہ چیدہ نکات یہاں شامل کیے جارہے ہیں۔ اس حوالے سے دورِ حاضر کی دو اہم انقلابی شخصیات (مولانا مودودیؒ اور ڈاکٹر اسرار احمدؒ) کی کتب سے خاص کر رہنمائی لی گئی ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ اکابرین نے جو انقلابی راستہ اپنے خون پسینے سے ہموار کیا، اسی کو آگے بڑھایا جائے، بجائے اس کے کہ ایک نئی راہ تراش کر وقت اور محنت کا ضیاع کیا جائے۔ ایسی کاوش کا حاصل بھی کچھ نہیں ہوتا، سوائے اس کے کہ آپ اپنے نام سے منسوب ایک ادھوری راہ چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ اسلامی اتحاد کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

1) مقصد

اسلامی اتحاد کا مقصد اور مطالبہ شریعت کا نفاذ ہوگا اور اس میں کوئی دوسرا مقصد شامل نہیں کیا جائے گا کیونکہ جب ایک ہی وقت میں ایک سے زیادہ معاملات کو نمٹانے کی کوشش کی جاتی ہے تو توجہ منتشر ہوجاتی ہے اور نتیجتاً تمام کام ادھورے رہ جاتے ہیں۔ اسلامی اتحاد اپنی تمام تر صلاحیتوں اور کاوشوں کو اس مقصد کے لیے وقف کردے گا جس کے لیے لاکھوں مسلمانوں نے قربانیاں دے کر یہ ملک حاصل کیا تھا۔

2) انسانی حاکمیت کی بجائے خلافت

" نظریہ توحید انسانی حاکمیت کی ہر شکل میں نفی کرتا ہے۔ انسانی حاکمیت نہ تو فردِ واحد کی بادشاہت کی شکل میں قابل قبول ہے نہ کسی قوم کی دوسری قوم پر حاکمیت کی شکل میں، جیسے انگریز ہم پر حکمران ہو گئے تھے اور نہ ہی عوام کی حاکمیت جائز ہے۔ حاکمیت کا حق صرف اللہ تعالیٰ کا ہے اور انسان کے لیے خلافت ہے۔ حاکمیت کی دوسری تمام صورتیں شرک ہیں اور دور حاضر میں حاکمیت جمہوری کا تصور بدترین شرک ہے۔" (ڈاکٹر اسرار احمد)[115]

گو کہ آئین پاکستان میں اللہ کو حاکم اعلیٰ مان لیا گیا ہے لیکن آئین میں کئی چور دروازے ہونے کی وجہ سے اور حکمرانوں کی غفلت اور بدنیتی کی وجہ سے اس پر آج تک عمل درآمد نہ ہو سکا۔ دیگر معاملات کا رونا انسان کیا روئے، سود جو سب سے بڑی بغاوت ہے اللہ کے خلاف، 76 سال سے اسے ہی نہ ختم کیا جا سکا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ جمہوری نظام کی بنیادیں ہی انسانی حاکمیت پر قائم ہیں اس لیے موجودہ جمہوریت میں کوئی کتنا بھی اسلام کا رنگ ملائے، غیر اسلامی اثرات کسی نہ کسی صورت میں موجود رہیں گے۔ اس ضمن میں اسلامی اتحاد کا پہلا مطالبہ یہی ہو گا کہ پاکستان کے ساتھ جمہوریت کا استعمال ختم کیا جائے اور اسی بنیاد پر آئین میں مجموعی طور پر تبدیلی کی جائے تاکہ اسلام میں پورا کا پورا داخل ہونے کے لیے لوگوں کو ماحول مہیا کیا جا سکے۔ اللہ کے ہاں آدھا پونا اسلام کسی صورت قبول نہیں۔ فرمایا:

"مومنو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے پیچھے نہ چلو وہ تو تمہارا صریح دشمن ہے۔" (البقرة:208)

3) ملکیت کے بجائے امانت

"توحید کا دوسرا تقاضا یہ ہے کہ ہر شے کا مالکِ حقیقی اللہ ہے۔ یہ انقلابی نعرہ سیاسی نظام کی جڑوں پر تیشے کی طرح گرتا ہے۔ کوئی شخص کسی شے کا مالک نہیں ہے، نہ انفرادی طور پر نہ قومی طور پر۔ اس طرح سرمایہ داری کی بھی نفی ہو گی اور کمیونزم کی بھی۔" (ڈاکٹر اسرار احمد)[116]

دورِ حاضر کی دو انتہاؤں کے درمیان یہ ایک میانہ رو راستہ ہے۔ کمیونزم میں افراد کی ملکیت بالکل ختم کر دی جاتی ہے جبکہ سرمایہ دارانہ نظام میں افراد کو کھلی چھوٹ دے دی جاتی ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کا اثر یہ ہوا کہ بعض لوگ اتنے امیر ہیں کہ ان کی انفرادی دولت بہت سے ممالک کے جی ڈی پی سے زیادہ ہے۔ سال 2024ء کی امیر ترین افراد کی فہرست کے مطابق 14 افراد ایسے سامنے آئے ہیں جنہوں نے اپنی دولت میں اضافہ کرتے ہوئے 100 ارب ڈالرز کے کلب میں شمولیت حاصل کی ہے۔ لہٰذا ان 14 افراد کی انفرادی دولت بہت سے ممالک کے جی ڈی پی سے بھی زیادہ ہے۔ فوربز میگزین کے سینیئر ویلتھ ایڈیٹر چیز پیٹرسن ودھورن کا کہنا تھا کہ "بہت سے افراد کے لیے معاشی عدم استحکام کے دور میں بھی یہ افراد امیر سے امیر تر ہوئے ہیں۔" فوربز میگزین کا کہنا ہے کہ سال 2024 میں ریکارڈ 2781 لوگ ارب پتی افراد کی فہرست میں شامل ہیں۔ اشرافیہ کا یہ گروہ آج پہلے سے زیادہ امیر ہے اور ان کی دولت کی مجموعی مالیت 14.2 کھرب ڈالرز سے زیادہ بنتی ہے۔ (بی بی سی)[117]

دوسری طرف غربت کا یہ عالم ہے کہ دنیا کے خاصے حصے کو زندگی کی بنیادی ضروریات بھی میسر نہیں۔ اقوام متحدہ کے ترقیاتی پروگرام کی طرف سے 17 اکتوبر 2023 کو عالمی یومِ انسدادِ غربت کے اعلان کردہ عالمی غربت انڈیکس کے مطابق، 110 ممالک میں رہنے والے 6.1 ارب افراد میں سے 1.1 ارب لوگ غربت کے ساتھ جدّوجُہد کر رہے ہیں۔[118] (TRT)

دولت کی یہی غیر مساوی تقسیم دنیا کے دیگر ممالک کی طرح پاکستان میں بھی نظر آتی ہے۔ اس کے برعکس اسلام نے انسان کو امین بنایا ہے اور وہ اللہ کے حکموں کے مطابق، اس کی نعمتوں میں تصرف کرتا ہے۔ وہ دولت اور دیگر امانتوں کو اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ترازو میں برابر ماپ کر اپنے لیے رکھتا ہے اور لوگوں میں تقسیم کرتا ہے۔ اسلامی ماحول میں ایسی بیماریاں پروان نہیں چڑھتی کہ ایک طرف ارب پتی بننے کے لیے مقابلہ ہو رہا ہو اور دوسری طرف لوگ بھوک سے مر رہے ہوں۔ اسلامی اتحاد اس ضمن میں حکومت سے مطالبہ کرے گا کہ تمام تر ملکی قوت اور سرمایہ ملکیت کی بجائے امانت کے طور پر استعمال کیا جائے اور ہر معاملہ میں اللہ کے حکموں کو مدِ نظر رکھا جائے۔

4) کامل معاشرتی مساوات

"سماجی سطح پر توحید کا تقاضا یہ ہے کہ بنیادی طور پر تمام انسان برابر ہیں، کوئی اونچا نہیں، کوئی نیچا نہیں۔ پیدائشی طور پر تمام انسان برابر ہیں۔ شودر ہو یا برہمن، کالا ہو یا گورا، مرد ہو یا عورت، کوئی فرق نہیں۔ مرد اور عورت کے درمیان فرق انتظامی اعتبار سے ہے۔ جیسے کسی محکمے میں ایک انچارج اور ایک باہر کھڑے ہوئے قاصد میں بحیثیت انسان بنیادی طور پر کوئی فرق نہیں، لیکن منصب کے اعتبار سے سربراہِ شعبہ کا منصب اونچا، قاصد کا نیچا ہے۔ یہ انتظامی معاملہ ہے۔"

(ڈاکٹر اسرار احمد)[119]

معاشرتی مساوات کے حوالے سے پاکستان میں دینی تعلیمات سے کافی انحراف پایا جاتا ہے۔ بنیادی حقوق میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ سزا و جزا، غریب و امیر کے لیے مختلف ہے۔ جمہوری پاکستان کے ساتھ لفظ اسلام تو ہم نے شامل کر دیا لیکن آئین کا بڑا حصہ مغربی قوانین کے زیر اثر ہے۔ ایک غریب کے ساتھ معاشرے، عدالت، جیل اور اداروں وغیرہ میں اور سلوک کیا جاتا ہے اور امیر کے ساتھ اور سلوک۔ جس کی وجہ سے ملک میں ایک بہت بحران پیدا ہو چکا ہے۔ اس سے نکلنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اسلامی تعلیمات کی طرف لوٹ آئیں اور انگریز کی غلامی کا طوق گردن سے اتار پھینکیں۔ اسلامی اتحاد اس معاملے میں حکومت سے مطالبہ بھی کرے گا اور ساتھ رہنمائی اور معاونت بھی فراہم کرے گا تاکہ ملک میں معاشرتی مساوات کو یقینی بنایا جا سکے۔

5) عدل و انصاف کا قیام

بدقسمتی سے عدالتوں کا یہ حال ہے کہ ایک شریف انسان بڑا سے بڑا ظلم برداشت کر لیتا ہے لیکن عدالتوں میں نہیں جاتا۔ عدالتوں سے دور بھاگنے کی کیا وجہ ہے، اس سے ہر پاکستانی بخوبی واقف ہے۔ کوئی بھی کیس جب عدالت میں چلا جاتا ہے، مظلوم کوئی بھی ہو، فیصلہ اس کے حق میں آتا ہے جس کے پاس طاقت، پیسہ اور سفارش ہو۔ اور یہ الزام نہیں بلکہ حقیقت ہے جس سے پوری دنیا واقف ہے۔ 2023ء کے سروے کے مطابق اسلامی جمہوریہ

پاکستان میں عدل کا نظام دنیا کے 142 ممالک میں سے 130 نمبر پر ہے۔ (World Justice Project)[120]

غالباً ہماری پستی و ذلت اور گمراہی کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

"اے لوگو! تم سے پہلے کے لوگ اس لیے گمراہ ہو گئے کہ جب ان میں کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے لیکن اگر کمزور چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے تھے اور اللہ کی قسم! اگر (معاذ اللہ) فاطمہ بنت محمد نے بھی چوری کی ہوتی تو محمد (ﷺ) اس کا ہاتھ ضرور کاٹ ڈالتے۔" (صحیح البخاری)[121]

انصاف کے اس نظام کو ترک کر کے ہم ملک و ملت کے ساتھ ظلم کر رہے ہیں۔ اسلامی اتحاد عدلیہ کے نظام کو بہتر کرنے کے لیے تجاویز پیش کرے گا اور ان پر عمل درآمد کا مطالبہ بھی کرے گا۔

6) پارلیمنٹ اور اسمبلیوں کا معیار

جیسے ابتدائی ابواب میں ذکر کیا گیا کہ سیاسی عہدے داران کی اہلیت کا موجودہ معیار بہت کم ہے۔ جب سرکاری و غیر سرکاری اداروں میں معمولی عہدوں کے لیے اہلیت کے اونچے اونچے معیارات رکھے جاتے ہیں تو پھر جن کے ہاتھ میں 22 کروڑ عوام کے امور کا فیصلہ ہے، ان کے بارے میں کیسے غفلت سے کام لیا جا سکتا ہے۔ خاص کر دینی حوالے سے تو بہت ہی حیران کن حالات ہیں جو ایک اسلامی ملک میں کسی بھی صورت قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

اسلامی اتحاد، پارلیمنٹ، قومی اور صوبائی اسمبلی کے اراکین اور دیگر سیاسی عہدوں کی اہلیت کے معیار کو بہتر کرنے کا مطالبہ کرے گا۔ دینی تعلیم کے حوالے سے جب تک تعلیمی نصاب بہتر نہیں ہو جاتا تب تک حکومتی اراکین کے لیے اسلامی تعلیمات میں کم از کم ماسٹرز کو لازمی قرار دیا جائے گا تاکہ ایک اسلامی ملک کے معاملات کا فیصلہ کرنے والے اسلامی کی بنیادی تعلیمات سے آشنا ہوں۔ اسلامی اتحاد، اس ضمن میں حکومت کی رہنمائی اور معاونت کرے گا۔

7) شرعی اداروں کو مؤثر بنانا

اسلامی نظریاتی کونسل 1962ء میں اور وفاقی شرعی عدالت 1980ء میں قائم ہوئی، لیکن پاکستان کے حالات میں ابھی تک کوئی قابل ستائش بہتری نہ آسکی۔ سودی نظام جوں کا توں چل رہا ہے، بے حیائی شدت اختیار کر چکی ہے، رشوت، چوری، قتل و خون، زناکاری اور دیگر بے شمار برائیاں دن بدن بڑھتی جارہی ہیں۔ ایسے میں ان اداروں کے اختیارات اور ان کے عہدے داران کی اہلیت پر نظرِ ثانی کرنے کی ضرورت ہے۔ اسلامی اتحاد، ان اداروں کے حوالے سے خصوصی کام کرے گا اور حکومت سے بھی مطالبہ کرے گا کہ انہیں مؤثر بنایا جائے۔

8) فتویٰ اور اجتہاد کا حق

انسان کو نفس اور شیطان ہر وقت بے اعتدالی کی طرف کھینچتے ہیں اور جب تک انسان کو ملکی و معاشرتی سطح پر ان دشموں سے نمٹنے کے لیے ماحول نہ مہیا کیا جائے، وہ کوشش کے باوجود اعتدال قائم نہیں رکھ پاتا۔ پھر جب افراد میں بے اعتدالی پیدا ہوتی ہے تو اس کا اثر ملک و معاشرے پر پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مؤثر قانون کی عدم موجودگی میں علماء جنہوں نے اُمّت کی رہنمائی کرنی تھی، خود راہ بھولے ہوئے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان کے گریباں پہ مسلمان کا ہاتھ ہے اور عالمِ کفر تماشا دیکھ رہا ہے۔ اس کے علاوہ دنیا تباہی کے دہانے پر کھڑی ہے، لیکن علماء اس قدر مطمئن ہیں جیسے امام مہدیؑ کے دور میں جی رہے ہوں اور دنیا انصاف سے بھر گئی ہو۔ یہ افسوس کن رویہ موجودہ لاقانونیت کا نتیجہ ہے جس نے علماء کو غیر ضروری چیزوں میں الجھا کر ضروری چیزوں سے غافل کر دیا ہے۔

خاص کر فتویٰ و اجتہاد کا حق شریعت ہر شخص کو نہیں دیتی مگر یہاں تو اس معاملے میں کوئی قانون نہیں ہے، جو جی میں آتا ہے، کہہ دیتا ہے جس کی وجہ سے ملک میں مسلکی اختلافات دن بدن بڑھتے جارہے ہیں۔ اسلامی اتحاد اس معاملے میں حکومت سے مطالبہ کرے گا کہ قانون سازی کرے اور اسلامی نظریاتی کونسل اور وفاقی شرعی عدالت میں قابل اور متقی علماء کو شامل کرے اور فتویٰ و اجتہاد کا حق بھی انہی کو دے۔

9) علماء کی تنخواہیں

اسلامی اتحاد اپنے مطالبات میں اس پہلو کو بھی شامل کرے گا کہ جو علماء بھی حکومت کا حصہ ہوں چاہے وہ وفاقی شرعی عدالت ہو، اسلامی نظریاتی کونسل ہو یا کوئی اور ادارہ، سب کی تنخواہیں ایک عام آدمی جتنی ہوں تا کہ وہ ان عہدوں کے حصول کے لیے لالچ نہ کریں اور دوسرا بھاری تنخواہیں اور مراعات، انہیں حق گوئی سے نہ روک دیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ آج اکثر علماء کو اسی چیز نے حق گوئی سے روک دیا ہے اور ان کی تبلیغ عبادات اور رسومات تک محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ اس کے علاوہ مخالفین کے اس الزام کی بنیادیں بھی ختم ہو جائیں گی جو ہر اسلامی تحریک پر لگاتے ہیں کہ یہ دنیوی مفادات کے لیے دین کو استعمال کر رہے ہیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام نے اجرت نہ طلب کرنے کو حق کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے، جس کا قرآن کریم میں جگہ جگہ ذکر ہے۔ فرمایا:

- "کہہ دو کہ میں تم سے اس (کام) کی اُجرت نہیں مانگتا۔" (الفرقان:57)
- "کہہ دو کہ میں اس کا تم سے صلہ نہیں مانگتا۔" (الشوریٰ:23)
- "اور شہر کے پرلے کنارے سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا کہنے لگا کہ اے میری قوم! پیغمبروں کے پیچھے چلو جو تم سے صلہ نہیں مانگتے اور وہ سیدھے راستے پر ہیں۔"

(یٰس:20-21)

غفلت اور کوتاہی کی وجہ سے یہی حق کی دلیل، مذہبی جماعتوں اور شخصیات کے باطل ہونے کی دلیل بن گئی ہے۔ مذہبی شخصیات جو بھی بات کرتی ہیں یا قدم اٹھاتی ہیں، انہیں شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے کہ اس کے پیچھے کوئی دنیوی مقاصد ہوں گے۔

10) آزادیٔ اظہارِ رائے کی وضاحت

اسلامی اتحاد، آزادیٔ اظہار رائے اور دیگر ایسے معاملات کی حدود متعین کرنے کا مطالبہ کرے گا۔ جب کسی کو ٹیلی وژن پر بیٹھ کر حساس اداروں کے بعض امور پر گفتگو کی اجازت نہیں تو پھر دین کے معاملے میں ہر جاہل، گنوار کو کیسے اجازت دی جاسکتی ہے کہ وہ جو

چاہے بولتا جائے۔ مثلاً یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ خواتین کا پردہ فرض ہے۔ اب اگر کوئی شخص بغیر علم کے اس پر بات کرے گا اور اس کے خلاف دلائل تراشے گا تو یقیناً اس کی بات جاہلیت پر مبنی ہو گی اور وہ اپنے ساتھ دوسروں کو بھی گمراہ کرے گا۔ جب کسی کو وبائی مرض لاحق ہوتا ہے تو اسے آزاد گھومنے پھرنے سے منع کیا جاتا ہے تاکہ بیماری دوسروں میں منتقل نہ ہو اور خلاف ورزی کرنے والوں کے خلاف قانونی کارروائی بھی کی جاتی ہے جیسے کرونا وائرس کے معاملے میں پابندیاں عائد کی گئیں تھی اور خلاف ورزی کرنے والوں کو سزائیں بھی دی گئیں تھی۔ پھر کیا جسے مہلک روحانی بیماری لاحق ہو اسے آزاد چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ دوسروں کا ایمان بھی خراب کرتا پھرے؟ یہ بات حکمت کے بھی منافی ہے اور دین بھی اس کی اجازت نہیں دیتا۔

11) نظامِ صلوٰۃ کا قیام

ڈاکٹر اسرار احمد فرماتے ہیں:

"آپ کہیں گے کہ نماز کا نظام تو اب بھی قائم ہے تو حقیقت یہ ہے کہ اس وقت نماز کا نظام قائم نہیں ہے۔ اس لیے کہ اسلام میں دوئی کا کوئی تصور نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ خود مسجد نبویؐ کے خطیب اور امام بھی تھے اور یہی معاملہ خلفاء راشدین کا ہے۔" (پاکستان میں نظام خلافت)[122]

مسندِ خلافت و امامت دونوں ایک ساتھ سنبھالنے کا مقصد یہ ہے کہ جب حکومتی عہدیداران امامت کرائیں گے اور جمعوں اور دیگر مواقع پر خود واعظ و نصیحت کریں گے تو یقیناً اس کا اثر ان کی اپنی زندگیوں پر بھی ہو گا اور عوام بھی ان کی باتوں سے اثر قبول کریں گے۔ دوسرا لوگوں کے لیے حکمرانوں سے ملنا اور ان کو مسائل بتانا بھی آسان ہو گا جو کہ باہمی محبت کا موجب ہو گا۔ اس کے علاوہ متعدد اور فوائد ہیں جو نظامِ صلوٰۃ کے قیام سے منسلک ہیں۔

اسلامی اتحاد، حکومت سے نظامِ صلوٰۃ کے قیام کا مطالبہ کرے گا اور ضروری رہنمائی اور معاونت بھی فراہم کرے گا۔

12) نظامِ زکوٰۃ کی کامل تنفیذ

ہمارے ہاں مسئلہ یہ ہے کہ اسلامی نظام نہ ہونے کی وجہ سے حکومت کی طرف سے غیر شرعی ٹیکسز عائد کیے جاتے جو چاہتے نہ چاہتے ہوئے لوگوں کو ادا کرنے پڑتے تھے۔ دوسری طرف زکوٰۃ کی ادائیگی ہر مسلمان صاحبِ نصاب پر فرض ہے اور کوئی بھی مسلمان جو آخرت پر پختہ یقین رکھتا ہے، اس معاملے میں غفلت سے کام نہیں لے سکتا۔ لیکن ان دونوں ادائیگیوں کو ساتھ ساتھ لے کر چلنا لوگوں کے لیے مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لیے ٹیکسز سے تو وہ بچ نہیں پاتے تو زکوٰۃ کے بارے میں حیلے حوالوں سے کام لیتے ہیں۔

اس ضمن میں ڈاکٹر اسرار احمد فرماتے ہیں:

"یہاں بھی ہر صاحبِ نصاب مسلمان زکوٰۃ دینے کے لیے تیار ہے لیکن آپ انکم ٹیکس کی لعنت کا خاتمہ تو کریں، دوسرے لعنتی قسم کے ٹیکس بھی ختم کر دیں۔ نظامِ خلافت کے تحت زکوٰۃ کا جو نظام قائم ہو گا اس میں ان تمام ٹیکسوں سے لوگوں کو نجات حاصل ہو جائے گی۔" (پاکستان میں نظام خلافت)[123]

اسلامی اتحاد، حکومتِ وقت سے تمام غیر شرعی ٹیکسز کے خاتمے کا مطالبہ کرے گا اور زکواۃ اور دیگر شرعی موصولات کے نظام کو رائج کرنے میں حکومت کی معاونت اور رہنمائی کرے گا۔

13) سود کا فوری خاتمہ

سود کے حوالے سے ڈاکٹر اسرار احمد فرماتے ہیں:

"واقعہ یہ ہے کہ انسانی فضلہ بھی اس قدر گندگی کا حامل نہیں جس قدر گندگی کا حامل سود ہے۔ جتنا بڑا جرم اور گناہ سود ہے اتنا بڑا دوسرا کوئی جرم نہیں۔"

(پاکستان میں نظام خلافت)[124]

اس گناہ کی سنگینی جس قدر زیادہ ہے اسی قدر ہم ٹال مٹول سے کام لے رہے ہیں۔

پاکستان 1947ء میں آزاد ہوا اور قراردادِ مقاصد 1949ء پاس ہوئی جس کا پہلا نکتہ ہی یہ تھا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کل کائنات کا بلا شرکتِ غیرے حاکمِ مطلق ہے۔ اُس نے جمہور کے

ذریعے مملکت پاکستان کو جو اِختیار سونپا ہے، وہ اُس کی مقررہ حدود کے اندر مقدس امانت کے طور پر استعمال کیا جائے گا۔ اس کے تقریباً 30 سال بعد اسی (80) کی دہائی میں، جنرل ضیاء الحق کے دور میں سود کے خاتمے کے لیے قانون منظور ہوا۔ مزید 30 سال کے بعد 2022ء میں فیڈرل شریعت کورٹ نے سود کے حوالے سے اپنا فیصلہ سنایا اور حکومت کو 31 دسمبر 2027 تک سود کے خاتمے کی مہلت دی۔ اس فیصلے کے چند مہینوں بعد چیف جسٹس فیڈرل شریعت کورٹ محمد نور مسکانزئی کا قتل ہو گیا۔ اب موجودہ حکومت 2027ء تک جی بھر کر سود کھائے گی اور پھر کچھ سالوں کی مہلت لے کر اپنا عرصہ پورا کر کے یہ دھوکہ دہی کا کھیل اگلی حکومت کے حوالے کر دے گی۔

اسلامی اتحاد، حکومت سے پرزور مطالبہ کرے گا کہ 31 دسمبر 2027 کی ڈیڈ لائن کے مطابق سود کا مکمل طور پر خاتمہ کرے اور اس تاریخ میں کسی صورت توسیع نہ کرے۔ اس کے علاوہ مثبت پیش رفت کو یقینی بنانے کے لیے حکومت سے ماہانہ اور سالانہ رپورٹس بھی طلب کی جائیں گی۔

عالمی مالیاتی اداروں کے قرضوں اور سود کے حوالے سے دینی تعلیمات کی روشنی میں وفاقی شرعی عدالت اس بات کا جائزہ لے گی کہ آیا صرف اصل رقم ہی واپس کی جائے گی یا سود بھی ساتھ شامل کیا جائے گا۔ اس شرعی مسئلے کے واضح ہو جانے کے بعد حکومت کی ذمہ داری ہو گی کہ آئی ایم ایف اور دیگر ادارے جن سے سود پر قرض لیا ہوا ہے، سے مذاکرات کرے اور انہیں اس پر راضی کرے کہ سود کے بغیر قرضے واپس وصول کریں۔

سودی قرضوں کی واپسی کے حوالے سے علامہ جلال الدین سیوطی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"ابن جریر نے ابن جریج سے اللہ تعالیٰ کے اس قول يَٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ(البقرہ:278) کے بارے میں روایت کیا ہے کہ قبیلہ ثقیف والوں نے نبی اکرم ﷺ سے اس بات پر صلح کی کہ جن لوگوں نے ان کو سود دینا ہے وہ انہیں ملے گا اور جن لوگوں کا ان پر سود ہے وہ ختم ہو جائے گا۔ جب مکہ فتح ہوا تو عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ کا امیر بنایا گیا۔

اس وقت بنو عمرو بن عوف بنو صغیرہ سے سود لیتے تھے اور بنو صغیرہ ان کو زمانہ جاہلیت میں سود دیتے تھے۔ جب اسلام کا دور آیا تو بنو عمرو بن عمیر کی بنی مغیرہ پر بہت زیادہ رقم تھی تو بنو عمرو نے اپنے سود کا مطالبہ کیا۔ بنو صغیرہ نے اسلام (کے زمانہ) میں ان کو سود دینے سے انکار کر دیا۔ یہ معاملہ عتاب بن اسیدؓ کی طرف لے جایا گیا تو عتابؓ نے رسول اللہ ﷺ کی طرف لکھا تو (اس پر) آیت 278 اور 279 نازل ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے عتاب کی طرف یہ آیتیں لکھ کر بھیجیں اور فرمایا کہ اگر وہ لوگ (اللہ کے حکم پر) راضی ہو جائیں (تو ٹھیک ہے) ورنہ ان کے خلاف اعلانِ جنگ کیا جائے۔" (درِ منثور)[125]

علامہ خادم حسین رضویؒ نے حکومتِ وقت کو ایسی ہی تجویز پیش کی تھی:

"سود چونکہ اسلام میں جائز نہیں، سود ہم نے نہیں دینا، اصل پیسے دیں گے لیکن اس وقت دیں گے جب ہوں گے۔ اگر وہ تڑی دکھائیں (یعنی زبردستی کریں) تو انہیں کہو آ ؤ وائی (یعنی جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ)۔" (24 نیوز)[126]

اگر دیکھا جائے تو علامہ صاحب کی بات مذکورہ بالا روایت پر مبنی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ زبان اور الفاظ کا فرق ہے۔ لیکن پاکستان بھر میں علامہ صاحب کی اس بات کا مذاق اڑایا گیا تھا۔ یہ ہے اس تعلیم کا اثر جس کے بارے علامہ اقبالؒ نے کہا تھا:

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو

ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے، اسے پھیر!

بہر حال اسلامی اتحاد حکومت سے سود کے خاتمے کا پُر زور مطالبہ کرے گا۔

14) شراب اور جوئے پر پابندی

سورۃ المائدہ میں ان دونوں امور کو ناپاک شیطانی عمل کہا گیا ہے۔ جوئے کی لعنت ہمارے ہاں لاٹری اور دیگر صورتوں میں قانونی طور پر موجود ہے۔ اس کے علاوہ غیر قانونی طور پر بھی بڑے پیمانے پر جوا کھیلا جاتا ہے، لیکن حکومت اس کی روک تھام کے لیے کوئی مؤثر اقدامات نہیں اٹھاتی۔ شراب قانونی طور پر تو منع ہے، لیکن پاکستان میں شراب کی فیکٹریاں

کھول کر لوگوں کے لیے راہ ہموار کر دی گئی ہے اور دوسرا قانون بھی اس معاملہ میں سست روی سے کام لے رہا ہے۔ اس وجہ سے پاکستان میں بڑے پیمانے پر قانونی اور غیر قانونی طور پر شراب تیار کی جاتی ہے اور بیچی جاتی ہے اور یہی معاملہ دیگر نشہ آور چیزوں کا بھی ہے۔

اقوام متحدہ نے پاکستان میں نشہ آور چیزوں کے استعمال سے متعلق اپنا آخری سروے 2013 میں کیا تھا جس کے مطابق 6.7 ملین (تقریباً 70 لاکھ) لوگوں نے سال 2012ء میں نشہ آور چیزیں استعمال کیں۔ (UNODC)[127]

یہ کتنی افسوسناک بات ہے کہ ایک اسلامی ملک میں اتنی زیادہ تعداد میں لوگ نشہ آور چیزیں استعمال کر رہے ہیں۔ یہ حکومت کی ناقص پالیسیوں اور غفلت کا ہی نتیجہ ہے۔ اسلامی اتحاد، حکومتِ وقت سے اس نجس شیطانی عمل کے فوری روکنے کا مطالبہ کرے گا۔

15) پاک دامنی کی فضا قائم کرنا

مغربی تہذیب ہمارے اوپر اس قدر غالب ہے کہ ہم اہم ترین فرائض کو بھی بلا عذر ترک کرتے جا رہے ہیں۔ اسلام تو عورت کو گھر کے اندر بھی پردے کا حکم دیتا ہے اور بد قسمتی سے اس مملکتِ خداداد میں خواتین بازاروں میں باریک اور چست لباس پہن کر، سر اور سینہ کھول کر پھرتی ہیں۔ اسی طرح اگر میڈیا کا جائزہ لیں تو آپ کو شاید ہی کوئی ٹیلی وژن چینل نظر آئے جس میں خواتین نے پردہ کیا ہو۔ اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ چینلز کا یہ غیر مکتوب معیارِ انتخاب ہے کہ عورت کا بے پردہ ہونا لازمی ہے۔ ورنہ اتفاقاً یہ بات ممکن نہیں کہ 22 کروڑ آبادی والے اسلامی ملک میں چینلز والوں کو صرف بے پردہ عورتیں ہی ملیں۔ اس کے علاوہ ڈراموں، فلموں اور گانوں وغیرہ میں ایسے شرمناک کام بھی ہو رہے ہیں جن کی کسی صورت شریعت اجازت نہیں دیتی۔ اس کے علاوہ ملک میں جگہ جگہ بے حیائی کے اڈے، سڑکوں پر عام جسم فروشی کی دعوت اور دیگر اس طرح کے شرمناک کام، کسی بھی معاشرے کے لیے مہلک ہیں اور خاص کر اسلامی ملک میں ایسے کاموں کی ترویج، اللہ کے عذاب کو کھلی دعوت دینے کے مترادف ہے۔ مخلوط معاشرت کا جو رواج ترویج پاتا جا رہا ہے اس کو بھی روکنے کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد پاکستان میں خلافت کے حوالے سے فرماتے ہیں:

"نظامِ خلافت میں خواتین اور مردوں کے دائرہ ہائے کار علیحدہ علیحدہ ہوں گے، اس لیے کہ یہ آگ اور پانی کا میل ہے۔ ہمیں مخلوط معاشرت کا مکمل خاتمہ کرنا ہو گا۔ سکولوں سے لے کر یونیورسٹی تک ہر جگہ تعلیمی ادارے الگ الگ ہوں۔ اگر ارادہ ہو، ایمان ہو اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی دی ہوئی تعلیم پر کامل یقین ہو تو ہر شے ممکن ہے، ہر مسئلہ کا حل کیا جا سکتا ہے۔" (پاکستان میں نظام خلافت)[128]

اسلامی اتحاد، حکومتِ وقت سے اس بات کا مطالبہ کرے گا کہ لوگوں کو بے حیائی اور بری باتوں سے باز رکھے اور مجموعی طور پر ایسی فضا قائم کرے جس سے معاشرے میں جنسی بے راہ روی کا خاتمہ ہو۔

16) سائبر کرائمز کی روک تھام

ٹیکنالوجی کے اس دور میں ہر شخص یہ جانتا ہے کہ انٹرنیٹ، ٹی وی اور سوشل میڈیا وغیرہ سے دور نہیں رہا جا سکتا۔ یہ چیزیں اب ہر شخص کی زندگی کا حصہ بن گئی ہیں۔ پھر جہاں اس کا استعمال زیادہ ہے، وہاں شرپسند عناصر کے لیے بھی مواقع بڑھ گئے ہیں۔ ایسے میں میڈیا کے حوالے سے تفصیلی قوانین مرتب کرنے کی ضرورت ہے تا کہ ہر شخص کو پتا ہو کہ اگر وہ کوئی غلط کام کرے گا تو اسے یہ یہ سزائیں مل سکتی ہیں۔ قانون نافذ کرنے والے اداروں کو بھی اس حوالے سے تربیت دی جائے تا کہ وہ ان جرائم کو روک سکیں۔ مجھے معلوم ہے کہ اس سے متعلق پہلے بھی قوانین موجود ہیں اور ادارے بھی اس حوالے سے کام کر رہے ہیں مگر وہ قوانین غیر مؤثر ہیں اور لوگوں کو حفاظت دینے میں ناکام ہیں۔ اس لیے اسلامی اتحاد سائبر کرائمز کی روک تھام کے حوالے سے حکومتِ وقت سے مؤثر اقدامات کا مطالبہ کرے گا۔

17) نفاذِ شریعت کے مراحل

دھوکہ دہی کے اس دور میں عموماً یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ حکومتِ وقت کی پہلے ممکنہ کوشش ہوتی ہے کہ جب تک حالات قابو سے باہر نہ ہوں، برسرِ احتجاج لوگوں کا کوئی مطالبہ نہ مانا

جائے۔ جب حالات قابو سے باہر ہوتے ہیں تو اس وقت معاملے کو وقتی طور پر ٹھنڈا کرنے کے لیے مطالبات منظور کر لیے جاتے ہیں اور بعد ازاں اس معاملے میں غفلت برتی جاتی ہے۔ مثلاً اکتوبر 2020ء کے دوران فرانس میں شائع ہونے والے گستاخانہ خاکوں پر ٹی ایل پی نے فرانس کے سفیر کو ملک بدر کرنے اور فرانسیسی اشیاء کی درآمد پر پابندی عائد کرنے کے مطالبے کے ساتھ احتجاج کیا تھا۔ جس پر حکومت نے 16 نومبر کو ٹی ایل پی کے ساتھ ایک سمجھوتہ کیا تھا کہ اس معاملے کا فیصلہ کرنے کے لیے پارلیمان کو شامل کیا جائے گا اور جب 16 فروری کی ڈیڈ لائن آئی تو حکومت نے سمجھوتے پر عملدرآمد کے لیے مزید وقت مانگا۔ چنانچہ ٹی ایل پی نے مزید ڈھائی ماہ یعنی 20 اپریل تک اپنے احتجاج کو مؤخر کرنے پر رضامندی کا اظہار کیا تھا۔

بعد ازاں، مرحوم خادم حسین رضوی کے بیٹے اور جماعت کے موجودہ سربراہ سعد رضوی نے ایک ویڈیو پیغام میں اپنے کارکنان کو کہا تھا کہ اگر حکومت ڈیڈ لائن تک مطالبات پورے کرنے میں ناکام رہتی ہے تو احتجاج کے لیے تیار رہیں، جس کے باعث حکومت نے انہیں 12 اپریل کو گرفتار کر لیا تھا۔ ٹی ایل پی سربراہ کی گرفتاری کے بعد ملک کے مختلف حصوں میں احتجاجی مظاہرے اور دھرنے شروع ہوگئے تھے جنہوں نے بعض مقامات پر پُرتشدد صورتِ حال اختیار کر لی تھی۔ جس کے نتیجے میں پولیس اہلکاروں سمیت متعدد افراد جاں بحق جبکہ سینکڑوں زخمی ہوئے اور سڑکوں کی بندش کے باعث لاکھوں مسافروں کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ (ڈان نیوز)[129]

حکومتِ وقت کی ایسی کسی بھی چال سے نمٹنے کے لیے خاص حکمت عملی اپنائی جائے گی اور تمام امور کو درج ذیل تین مراحل میں نافذ کرنے کا مطالبہ کیا جائے گا:

پہلے مرحلے میں تمام ایسے امور کے فوری نفاذ کا مطالبہ کیا جائے گا جن میں کسی قسم کی انتظامی و تکنیکی رکاوٹ نہیں۔ دوسرے مرحلے میں ایسے امور شامل کیے جائیں گے جن کو ایک مہینے کے اندر اندر نافذ کیا جا سکے۔ تیسرے مرحلے میں ان معاملات کو شامل کیا جائے گا جن کے نفاذ کے لیے زیادہ وقت درکار ہو لیکن کسی بھی معاملے میں سال سے زیادہ عرصے کی مہلت نہ دی جائے گی۔

باب نہم

مطالبات کی منظوری کے لیے حکمتِ عملی

ابتدائی مراحل کا پہلے ذکر ہو چکا۔ یاد دہانی کے لیے دوبارہ ذکر کر دیتا ہوں۔ سب سے پہلا قدم یہ ہے کہ معروف مذہبی شخصیات جو اُمّت کا درد رکھتی ہیں اور اس انقلابی نہج سے متفق ہیں، وہ چاہے ایک ہے، دو ہیں یا دس ہیں، میدانِ عمل میں نکلیں۔ اپنے مسالک کے اندر مخلص لوگوں سے ملیں اور انہیں اس کے لیے قائل کریں۔ دوسرے مسالک کے علماء حق سے ملیں اور ان سے اس موضوع پر بات چیت کریں۔ پھر جب ایک خاصی تعداد اس انقلابی تحریک کے لیے قائل ہو جائے تو انہیں اسلامی اتحاد میں شامل کیا جائے۔ اس کے بعد مجلس شوریٰ کا انتخاب کیا جائے، جس میں تمام جماعتیں اپنے دو دو اراکین نامزد کر سکتی ہیں یا تعداد کم زیادہ کی جا سکتی ہے۔ مجلس شوریٰ شریعت اور قانون کی روشنی میں اسلامی اتحاد کے لیے قواعد وضوابط مرتب کرے گی اور دوسرا اپنے مطالبات کو بھی مع دلائل قلم بند کرے گی۔ جب یہ مرحلہ طے ہو جائے گا اور تمام جماعتیں اس پر متفق ہو جائیں گی تو پھر مطالبات کو منوانے کا سب سے اہم مرحلہ آئے گا۔

اس کے لیے حسینی ماڈل اپنایا جائے گا جس پر پہلے تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے۔ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سب سے پہلا قدم یہ تھا کہ یزید کی بیعت نہ کر کے یزیدی نظام سے بیزاری کا اظہار کیا۔ پاکستان میں اس تحریک کا آغاز حسینؓ کے پہلے قدم کی پیروی ہے کیونکہ یہ بھی موجودہ نظام سے بیزاری کا اظہار ہے۔ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دوسرا قدم عوامی حمایت کے حصول کی امید سے کوفہ والوں کی پکار پر لبیک کہنا اور اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو تصدیق کے لیے روانہ کرنا ہے۔ یہاں مذہبی شخصیات کا انقلاب کے حوالے سے ایک دوسرے سے ملنا، باہمی مشورہ کرنا، امام حسینؓ کے اس قدم کی پیروی میں شامل ہے۔ امام حسین رضی اللہ کا تیسرا قدم، اپنے اہل وعیال سمیت کوفہ کی طرف سفر کرنا تھا جس کے

ردِ عمل میں ابن زیاد کو حر بن یزید کی قیادت میں لشکر روانہ کرنا پڑا۔ اس سانحہ کو تفصیل سے پہلے دیکھ چکے ہیں۔ یزیدی حکومت کو جب تک حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خطرہ نہیں تھا، معمولی اقدامات کے سوا کچھ نہ کر رہی تھی۔ لیکن جب اسے خطرہ ہوا کہ کوفہ میں لوگ جمع ہو رہے ہیں اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی روانہ ہو چکے ہیں تو اس وقت یزید نے حضرت نعمان بن بشیر کو معزول کر کے ابن زیاد کو کوفہ کا گورنر تعینات کیا جس نے مسلم بن عقیل کو گرفتار کر کے شہید کر دیا اور دوسری طرف امام حسین کا راستہ روکنے کے لیے لشکر روانہ کیا۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قدم سے سبق سیکھتے ہوئے اسلامی اتحاد کو بھی ایسی پوزیشن اختیار کرنی پڑے گی کہ حکومتِ وقت، ان کی بات سننے پر مجبور ہو جائے۔ یہ اس لیے ضروری ہے کیونکہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ گزشتہ 76 سال سے منبر و محراب مسلسل مطالبہ کر رہے ہیں کہ شریعت کو نافذ کیا جائے لیکن کسی کے کان پر جوں بھی نہیں رینگتی۔ حالیہ فلسطین کے معاملہ میں ہم حکومت کی بے حسی دیکھ چکے ہیں، نصف سال سے جلسے جلوسوں میں، منبروں سے، سکولوں کالجوں سے، نیز ہر جگہ اور ہر طریقہ سے حکومت سے فلسطین کی حمایت کا مطالبہ کیا گیا لیکن ان پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ الٹا اسرائیل کی حمایت کی جا رہی ہے جس کی ایک ظاہری تصویر ہم پی ایس ایل کی شکل میں دیکھ چکے ہیں۔

ایسی صورت حال میں اس حکومتی بھینس کے سامنے بین بجانے سے پہلے اسے جگانا پڑے گا اور دورِ حاضر کی اس طرز کی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں۔ ان کا مختصر جائزہ لے لیتے ہیں تا کہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ آج حکومت سے مطالبات منوانے کے لیے کن کن اقدامات کی ضرورت پڑتی ہے۔

2017ء میں الیکشن بل میں ختم نبوت کے حوالے سے ایک سازشی ترمیم کی گئی۔ 02 اکتوبر 2017ء کو اپوزیشن کی مخالفت کے باوجود قومی اسمبلی نے اسے منظور کر لیا۔ 04 اکتوبر کو زاہد حامد نے اس کا دفاع کیا جبکہ سپیکر قومی اسمبلی ایاز صادق نے تسلیم کیا کہ یہ کلیریکل غلطی تھی اور تمام جماعتیں اسے بحال کرنے پر رضامند ہو گئیں۔ 05 اکتوبر کو اسے بحال کر دیا گیا اور ساتھ ہی سابق پرائم منسٹر ظفر اللہ خان جمالی نے زاہد حامد کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا جبکہ پی ٹی آئی کے شاہ محمود قریشی نے ذمہ داران کے تعین کا مطالبہ کیا۔ وزیر اعلیٰ شہباز

شریف نے بھی نواز شریف سے مطالبہ کیا کہ ذمہ داران کو برطرف کیا جائے۔ 7 اکتوبر کو نواز شریف نے تحقیقات کے لیے کمیٹی بنائی اور انہیں 24 گھنٹوں کے اندر تحقیقات مکمل کرنے کا حکم دیا۔ تحریک لبیک اور سنی تحریک نے بھی ذمہ داران کو سامنے لانے کا مطالبہ کیا اور عمل درآمد نہ ہونے پر 6 نوبر کو اسلام آباد کی طرف مارچ شروع کیا گیا۔ دوسری طرف ملک میں دفعہ 144 نافذ کر دی گئی اور تحریک لبیک اور سنی تحریک کو نوٹس جاری کیا گیا کہ سیکورٹی خدشات کی وجہ سے ریلی پر پابندی ہے۔ اس کے ساتھ ضلعی انتظامیہ نے دونوں جماعتوں کے سربراہان کو درخواست کی کہ اپنا مطالبہ واضح کریں۔ حالات سے نمٹنے کے لیے اسلام آباد پولیس نے 70 ملین روپے کی منظوری کے لیے وزیر داخلہ کو لکھا اور واضح کیا کہ یہ صرف سات دن کے اخراجات ہیں۔ 8 نومبر کو فیض آباد انٹر چینج بند کر دیا گیا۔ 9 نومبر کو خادم رضوی اور دیگر رہنماؤں پر ایف آئی آر درج کی گئی۔ 10 نومبر کو 2 اور ایف آئی آر درج کی گئیں۔ 11 نومبر کو پیر افضل قادری کی طرف سے وزراء کے اہل خانہ پر حملہ کی دھمکی دی گئی۔ 14 نومبر کو تحریک لبیک کی درخواست پر سماعت میں جسٹس شوکت عزیز نے حکم نامہ جاری کیا کہ بل میں کی گئی تبدیلیوں کو بحال کیا جائے۔ اس روز پولیس اور دھرنے والوں کے درمیان جھڑپیں بھی ہوئیں۔ 16 نومبر کو دھرنے کے رہنماؤں نے اسلام آباد ہائی کورٹ سے راجہ ظفر الحق کی رپورٹ کو سامنے لانے کا مطالبہ کیا اور مجرموں کو سزا کا مطالبہ کیا۔ جسٹس شوکت عزیز صدیقی نے علماء کو ہدایت کی کہ فیض آباد انٹر چینج کو فوری طور پر خالی کریں اور قانون کا احترام کریں۔ 17 نومبر کو اسلام آباد ہائی کورٹ نے اسلام آباد انتظامیہ کو 24 گھنٹوں کے اندر کسی بھی طریقے سے مظاہرین کو انٹر چینج سے بے دخل کرنے کا حکم دیا۔ عدالت کے احکامات کے بعد، حکومت نے احتجاج کے منتظمین کو "آخری وارننگ" جاری کرتے ہوئے کہا کہ وہ جمعہ کی رات 10 بجے تک پُرامن طریقے سے پنڈال خالی کر دیں ورنہ کارروائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اس دوران ضلعی انتظامیہ کو حکم دیا گیا کہ وہ اگلی صبح تک دھرنا ختم کرنے کے لیے تمام ضروری اقدامات کرے۔ شہر کے تمام ہسپتالوں کو حکم دیا گیا کہ ڈاکٹروں اور پیرامیڈیکل

سٹاف کی چھٹیاں منسوخ کر دی جائیں اور انہیں آئندہ ہدایات تک ڈیوٹی پر حاضر رہنے کا کہا جائے۔

پنجاب رینجرز سے ایک ہزار اہلکاروں کو "پولیس کے ساتھ ڈیوٹی کرنے" کی درخواست کی گئی۔ علاقہ خالی کرنے کی پہلی ڈیڈ لائن مظاہرین کی جانب سے کسی عمل درآمد کے بغیر ختم ہو گئی۔

18 نومبر ہفتہ کی صبح اسلام آباد پولیس، فرنٹیئر کور اور رینجرز کے اہلکاروں کی بھاری نفری آنسو گیس اور شیل گن سے لیس فیض آباد انٹر چینج پر پہنچی۔

وزیر داخلہ احسن اقبال نے اسلام آباد ہائی کورٹ سے درخواست کی کہ حکومت کو بات چیت کے ذریعے معاملے کو پر امن طریقے سے حل کرنے کی اجازت دی جائے، اور ضلعی انتظامیہ کو حکم دیا کہ آپریشن 24 گھنٹے تک موخر کیا جائے کیونکہ وزارتی سطح کی حکومتی ٹیم نے احتجاجی رہنماؤں کے ساتھ میراتھن میٹنگز کیں۔

20 نومبر کو مظاہرین کے نمائندوں اور حکومتی وزراء کے درمیان پنجاب ہاؤس میں ہونے والی ملاقات میں کوئی پیش رفت نہ ہو سکی۔ 21 نومبر کو سپریم کورٹ نے دھرنے کا ازخود نوٹس لیتے ہوئے حکومت سے وضاحت طلب کی کہ عوام کے بنیادی حقوق کے تحفظ کے لیے کیا اقدامات کیے گئے، جب کہ آئین کا آرٹیکل 15 عوام کو نقل و حرکت کی آزادی کا حق دیتا ہے۔ 22 نومبر کو پاک فوج کے ترجمان نے کہا کہ اس معاملے پر حکومت جو بھی فیصلہ کرے گی فوج اس کی پاسداری کرے گی۔ البتہ پر امن طریقے سے صورت حال سے نمٹنے کو ترجیح دی جائے گی۔ یہ کہتے ہوئے کہ جب ملکی سلامتی کی بات آتی ہے تو سول اور عسکری قیادتیں ایک صفحے پر ہوتی ہیں، انہوں نے کہا کہ فوج حکومت کی ہدایات پر عمل کرنے کی پابند ہے۔

23 نومبر کو تمام مکاتبِ فکر کے علماء کی ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس کی سربراہی پیر حسین الدین شاہ کر رہے تھے۔ دھرنے کا پر امن حل نکالنے کے لیے کمیٹی کے سربراہ نے متعلقہ حکام کو اپنی سفارشات پیش کیں۔ کمیٹی نے حکومت کو وہی تجاویز پیش کیں جو حکومت پہلے ہی تحریک لبیک کے رہنماؤں کو پیش کر چکی تھی۔ حکومت نے وزیر قانون کے استعفاء

کے مطالبے کو تبدیل کرنے یا انہیں چھٹی پر بھیجنے کی پیشکش کی تھی۔ تاہم دونوں تجاویز کو دھرنا قائدین نے ٹھکرا دیا۔

24 نومبر کو اسلام آباد ہائی کورٹ نے دھرنا ختم کرانے میں ناکامی پر وزیر داخلہ احسن اقبال کو توہین عدالت کا شوکاز نوٹس جاری کر دیا۔ اس کے بعد اسلام آباد کی ضلعی انتظامیہ نے مظاہرین کو ایک اور "حتمی وارننگ" جاری کی۔ ضلعی مجسٹریٹ نے خبردار کیا کہ "اگر شرکاء نے آدھی رات تک علاقہ خالی نہیں کیا تو ان کے خلاف آپریشن شروع کیا جائے گا۔"

انتظامیہ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے اور سپریم کورٹ کی جانب سے شدید تنقید کے بعد دھرنے کے ارد گرد تعینات قانون نافذ کرنے والے اداروں نے دھرنے کے شرکاء کے لیے کھانا ضبط کر لیا۔ کریک ڈاؤن سے قبل پنڈال کے اطراف کی لائٹس بند کر دی گئیں۔ مظاہرین کو ہفتے کی صبح 7 بجے تک منتشر ہونے کی حتمی ڈیڈ لائن دے دی گئی۔

25 نومبر کو اسلام آباد پولیس کی جانب سے ایف سی اہلکاروں اور دیگر قانون نافذ کرنے والے اداروں کی مدد سے آپریشن شروع کیا گیا۔ جڑواں شہروں میں آپریشن شروع ہونے کے فوراً بعد، یہ احتجاج کئی دوسرے شہروں تک پھیل گیا، جہاں مظاہرین نے حکومت مخالف نعرے لگائے اور بڑی سڑکیں بلاک کر دیں۔ کئی علاقوں میں مظاہرین نے قانون نافذ کرنے والے اداروں پر حملہ کیا اور عوامی املاک کو نقصان پہنچایا۔ دن کے اختتام تک، سیکورٹی ایجنسیاں پیچھے ہٹ چکی تھیں کیونکہ مزید مظاہرین شہر میں داخل ہو چکے تھے۔ اس دوران مظاہرین نے فیض آباد پر دوبارہ قبضہ جما لیا۔ فیض آباد انٹر چینج سے مظاہرین کو ہٹانے میں ناکام ہونے والے آپریشن کے دوران 6 افراد ہلاک اور سینکڑوں زخمی ہوئے۔ اسلام آباد پولیس اس وقت تک دھرنے کو منتشر کرنے کے لیے 120 ملین خرچ کر چکی تھی۔ اس کے بعد انتظامیہ نے مظاہرین سے نمٹنے کے لیے دارالحکومت میں فوج کی تعیناتی کی درخواست کی۔

26 نومبر کو اتوار کی صبح تک، فوج دارالحکومت میں تعینات نہیں ہوئی تھی۔ تاہم فوج نے اس درخواست پر 'اتفاق' کر دیا تھا، لیکن انہوں نے کئی مسائل پیش کیے جن پر تعیناتی سے پہلے غور کرنا ضروری تھا۔ عسکری ذرائع کے مطابق ایک اعلیٰ سطحی اجلاس ہوا جس میں

آرمی چیف جنرل قمر باجوہ نے وزیر اعظم شاہد خاقان عباسی کو بتایا کہ وہ فوج کے اپنے ہی لوگوں کے خلاف طاقت کے استعمال کی مخالفت کرتے ہیں کیونکہ عوام کا فوج کے ادارے پر اعتماد ہے۔ معمولی فائدے کے لیے سمجھوتہ نہیں کیا جا سکتا۔ اجلاس میں سول اور عسکری قیادت نے بااثر احتجاجی رہنماؤں کے ساتھ بات چیت کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا کہ سیاسی حل کے حق میں مظاہرین کے خلاف طاقت کا استعمال حوصلہ شکن بات ہے۔ اس کے بعد وفاقی حکومت نے دھرنے سے نمٹنے کے لیے سویلین قانون نافذ کرنے والے اداروں کی قیادت کے لیے پنجاب رینجرز کو طلب کیا۔

26 نومبر کو حکومت نے مظاہرین کے مطالبات تسلیم کر لیے اور زاہد حامد نے وزیر قانون کے عہدے سے استعفاء دے دیا۔ 27 نومبر کو تحریک لبیک کے رہنما خادم حسین رضوی نے احتجاجی مقام پر پریس کانفرنس کرتے ہوئے ملک بھر میں موجود اپنے پیروکاروں کو دھرنا ختم کرنے اور گھر جانے کا حکم دیا۔ فیض آباد میں مظاہرین نے اپنا سامان باندھنا شروع کر دیا اور پولیس نے صبح 8 بجے کے قریب احتجاجی مقام کے ارد گرد رکھے کنٹینرز کو ہٹانا شروع کر دیا۔ (Dawn News)[130]

طوالت کے اندیشے سے اس دھرنے پر تفصیلی بات نہیں کی جا سکتی لیکن میرے نزدیک یہ پاکستانی تاریخ کی کامیاب ترین اسلامی مہم یا تحریک تھی۔ اگر اس طرح قیادت بلند ہمت اور شوریٰ باشعور ہو تو بہت کم قربانیاں دے کر انقلاب برپا کیا جا سکتا ہے۔

حکومت کیسے آپ کی بات سننے کے لیے تیار ہوتی ہے؟ اس کی دوسری مثال سن 2023ء کی تحریک لبیک کی ہی ہے۔ جب اشیاء کی قیمتیں بہت زیادہ بڑھنے لگیں تو 22 مئی 2023 کو تحریک لبیک پاکستان نے کراچی سے اسلام آباد "پاکستان بچاؤ مارچ" کا آغاز کیا۔ 15 جون کو جب مارچ گجرات پہنچا تو انتظامیہ نے جہلم کے قریب مارچ کو روکنے کے لیے خندقیں کھود دیں، لیکن تحریک لبیک کے ماضی سے اس وقت کے وزیر داخلہ رانا ثنا اللہ بڑی اچھی طرح واقف تھے۔ اس لیے انہوں نے ٹی ایل پی کے ساتھ مذاکرات کیے اور ٹی ایل پی کے سارے مطالبات قبول کیے جن میں ختم نبوت کے حوالے سے اقدامات، عافیہ صدیقی کی رہائی کے لیے امریکی حکام کو خط، پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں کمی اور دیگر مطالبات شامل

تھے۔ 2017ء کے دھرنے کے وقت چونکہ نون لیگ ہی کی حکومت تھی اس لیے انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ مارچ اگر اسلام آباد پہنچ گیا تو ان کے لیے کیا مسائل ہو سکتے ہیں۔ اس لیے انہوں نے جہلم میں ہی تحریک لبیک کے تمام تر مطالبات قبول کیے۔

اب لازمی نہیں کہ لبیک کے ان دھرنوں یا مارچ کو کلی طور پر صحیح تسلیم کر کے ایک ایک چیز پر اسی طرح عمل کیا جائے بلکہ ان میں جو کمزوریاں رہ گئیں ہوں، ان کی بھی نشاندہی کی جائے تاکہ اسلامی تحریک کی کامیابی کو مزید یقینی بنایا جا سکے۔

حسینی ماڈل میں ہم دیکھتے ہیں کہ جب عمرو بن سعد لشکر لے کر امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا تو آپ نے اس کے سامنے تین مطالبات رکھے۔ عمرو بن سعد نے جب ان مطالبات سے ابن زیاد کو آگاہ کیا تو اس نے تمام مطالبات مسترد کر دیے اور صرف یزید کی بیعت کا مطالبہ کیا۔

اسی طرح موجودہ دور کی مثال، فیض آباد دھرنا کے حوالے سے ہم دیکھ چکے ہیں کہ اپنے مطالبات منوانے کے لیے تحریک لبیک کو کن کن آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔ آٹھ لوگ شہید ہوئے، درجنوں زخمی ہوئے اور سینکڑوں کو حوالات کی ہوا کھانی پڑی۔ اسلامی اتحاد کو یہ تمام معاملات مد نظر رکھتے ہوئے حکمتِ عملی تیار کرنی پڑے گی۔

دوسرا ابن زیاد نے جب حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مطالبات مسترد کر دیے اور بیعت کا مطالبہ کیا تو آپ نے بیعت سے انکار کر دیا حالانکہ آپ حالات سے آگاہ تھے کہ یزیدی فوج کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ آپ نے حق کے لیے قربانی دے کر قیامت تک کے لیے روشن مثال قائم کر دی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ سانحہ کربلا کے فوراً بعد ہی انقلابی تحریکیں شروع ہوئیں جن کا مختصراً ذکر ہو چکا ہے۔

موجودہ دور کی فضا اس حوالے سے مختلف ہے۔ اس وقت مواصلات کا نظام اتنا تیز نہیں تھا جتنا آج ہے۔ گو کہ لوگ یزیدی جبری نظام سے سہمے ہوئے تھے لیکن جب انہیں سانحہ کربلا کی خبر پہنچی تو اس کے بعد وہ بغاوت پر اتر آئے۔ توابین کی تحریک شروع ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر کے ہاتھ پر بیعت شروع کر دی۔ عباسی تحریک شروع ہوئی۔ اسی طرح موجودہ دور کی مثال "فیض آباد دھرنا" میں ہم نے دیکھا کہ جب 25 نومبر کو مظاہرین

کے خلاف گرینڈ آپریشن شروع کیا گیا اور لوگوں تک اس کی خبر پہنچی تو وہ فوراً گھروں سے نکل آئے اور چند گھنٹوں میں پورے ملک میں نظامِ زندگی جام کر دیا گیا۔ بالآخر حکومت کو تحریک لبیک کے مطالبات ماننے پڑے۔

اسلامی اتحاد کو بھی ان مراحل سے گزرنا پڑے گا اور مطالبات منوانے کے لیے حکومت کو یہ باور کرانا پڑے گا کہ اسلامی اتحاد کے پاس فتح یا موت کے علاوہ کوئی تیسرا راستہ نہیں ہے۔

پھر تحریک جب اس مرحلے میں داخل ہو کہ حکومت مطالبات مان لے تو پھر اس پر عمل درآمد کو یقینی بنانے کے لیے پہلے سے ہی مؤثر اقدامات کر لیے جائیں۔ کیونکہ اکثر حکومتیں یہ کرتی ہیں کہ وقتی طور پر دھرنے کو ختم کرنے کے لیے مطالبات مان لیے جاتے ہیں اور بعد میں دھرنے کے شرکاء اور رہنماؤں کے خلاف کریک ڈاؤن بھی کیا جاتا ہے اور مطالبات بھی منظور نہیں کیے جاتے۔اس کے لیے مجلس شوریٰ کی مرتب کردہ فہرست کے مطابق حکومت سے مرحلہ وار مطالبات پر عمل درآمد کرانے کے لیے مشاورت کی جائے اور مطالبات پورے ہونے تک دھرنا کسی کھلی جگہ پر منتقل کر دیا جائے۔ جب سارے مطالبات پورے ہو جائیں تب دھرنا ختم کیا جائے۔

1۔ Defensive Offensive Strategy

کلمہ حق بلند کرنے کے لیے کسی فوج سے روایتی لڑائی اور اسلامی ملک میں انقلابی تحریک کے لیے نکلنے میں بہت فرق ہے۔ روایتی لڑائی میں آپ کا دشمن واضح ہوتا ہے اور اس میں قتل کرنا اور قتل ہونا انتہائی فضیلت کے کام ہیں۔ لیکن کسی اسلامی ملک کے اندر انقلابی تحریک کا معاملہ کافی پیچیدہ ہوتا ہے۔اس میں آپ کی جنگ صرف نظام کے خلاف ہوتی ہے اور پیچیدگی یہ ہے کہ نظام کو چلانے والے اور تحفظ فراہم کرنے والے بھی کلمہ گو مسلمان ہوتے ہیں۔ ایسی صورتِ حال میں حقیقی کامیابی یہ ہے کہ نظام بھی بدل جائے اور مسلمان بھائیوں کے جان اور مال بھی محفوظ رہیں۔ کیونکہ اسلامی تحریک کا مقصود اللہ کی رضا اور اس کے حکم کی پیروی ہے اور اسلامی تحریک اپنے اہداف کے حصول کے لیے کبھی بھی حدود اللہ

سے نہیں نکل سکتی۔ اور اس معاملے میں حدود اللہ یہ ہیں کہ تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر حرام ہیں۔ اس ضمن میں ہم دیکھیں گے کہ کون سی حکمتِ عملی اپنانے کی ضرورت ہے اور اس پر عمل درآمد کیسے ہو گا؟

ایک مسلمان ملک میں انقلاب کے لیے ایسی حکمت عملی جو کامیابی کو بھی یقینی بنائے اور لوگوں کے جان و مال بھی محفوظ رہیں، کے لیے فقیر نے Defensive Offensive Strategy کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ یہ حکمت عملی دو مختلف رویوں کو ظاہر کرتی ہے۔ ایک ہے defensive یعنی دفاعی رویہ اور دوسرا ہے offensive یعنی جارحانہ رویہ۔ اسلامی ملک میں ہم اگر حدود اللہ کو پامال کیے بغیر انقلاب کو کامیاب بنانا چاہتے ہیں تو ایسی صورت میں ان دونوں رویوں کو ساتھ ساتھ لے کر چلنا ہو گا۔

دفاعی رویے کا تعلق اپنی ذات کے ساتھ ہے اور جارحانہ رویہ کا تعلق اسلامی نظام کے ساتھ ہے۔ یعنی ہمیں اپنی ذات کے معاملے میں دفاعی رویہ کو اختیار کرنا ہے جبکہ نظام کے معاملے میں جارحانہ رویہ اختیار کرنا ہے۔ دونوں کا فرق ایک مثال سے سمجھ لیجیے کہ اگر کسی نے آپ پر حملہ کا پلان بنایا اور آپ کو اس کی خبر ہو گئی تو ایسے میں دفاعی رویہ یہ ہو گا کہ آپ بس کوشش کریں کہ وہ کسی طرح حملے سے رک جائے یا حملے کی صورت میں آپ اپنا دفاع کامیابی سے کر سکیں۔ جبکہ جارحانہ رویہ یہ ہے کہ آپ اس بات کی تفتیش میں لگ جائیں کہ اس نے آپ پر حملہ کا پلان بنایا کیوں اور اگر وہ اس سے باز آجائے تو آپ پھر بھی اس کی تحقیقات کا مطالبہ کریں تاکہ آئندہ وہ ایسی ہمت نہ کرے۔

اس رویہ کی عمدہ مثال ہمیں فیض آباد ختمِ نبوت دھرنے میں ملتی ہے جس کا پہلے مختصراً ذکر ہو چکا۔ نظام کے معاملے میں جارحانہ رویہ یہ تھا کہ حکومت اس بات پر راضی ہو گئی اور ختمِ نبوت کی جو تبدیلی ہوئی تھی اسے بحال کر دیا گیا۔ لیکن علامہ خادم حسین رضویؒ کا مطالبہ یہ تھا کہ اس سازش کے ذمہ داران کو بے نقاب کیا جائے تاکہ آئندہ کوئی ایسی جرات نہ کرے۔ جبکہ ذات کے بارے میں دفاعی رویہ یہ تھا کہ جب دھرنے کے شرکاء کے خلاف آپریشن کیا گیا تو آپ مسلسل یہ کہتے رہے کہ پولیس والے اپنے بچے ہیں انہیں کوئی کچھ نہ کہے اور پولیس والوں کو مخاطب کر کے کہتے رہے کہ بچیو! واپس چلے

جاؤں، آپ کو استعمال کیا جارہا ہے۔ ہم تو ویسے بھی جان دینے آئے ہیں لیکن ہم یہ نہیں چاہتے کہ آپ کا نام ختم نبوت کے غداروں میں لکھا جائے۔ شیلنگ کے دوران باقی شرکاء نے ماسک پہنے ہوئے تھے، لیکن آپؒ نے ماسک بھی اتار دیا اور مسلسل مائیک پر پولیس اور شرکاء کو مخاطب کر کے حدود اللہ کی پاسداری کا کہتے رہے۔

دوسری مثال جہاں دین کے معاملے میں دفاعی رویہ اپنایا گیا وہ فروری 2024 کا مبارک ثانی قادیانی کا معاملہ ہے۔ قاضی فائز عیسیٰ نے اس کیس میں آئین اور شریعت دونوں کے خلاف فیصلہ دیا۔ عدالت میں جب کیس چلا تو چیف جسٹس نے مدعی کے وکیل کی تذلیل بھی کی اور اسے دھمکی بھی دی کہ میں تمہارا لائسنس کینسل کر دوں گا جبکہ ملزم قادیانی کے وکیل کو اطمینان سے سنا اور اس کے حق میں فیصلہ سنا دیا۔ (محمد متین خالد)[131] ایسے میں ملک بھر سے علماء نے یہ مطالبہ کیا کہ فیصلے پر نظر ثانی کی جائے۔ جبکہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ اس فیصلے کے بارے میں تحقیقات کا مطالبہ کیا جاتا کہ قاضی فائز عیسیٰ کو کس نے قادیانیوں کی حمایت میں فیصلہ دینے پر مجبور کیا؟

مختصر یہ کہ جب تحریک کا مقصد ملک میں شریعت کا نفاذ ہے تو پھر اس معاملے میں کسی متبادل یا کم چیز پر راضی نہ ہونا اور اپنی ذات کے معاملے میں بس اتنے پر راضی ہو جانا جس سے تحریک کو نقصان نہ پہنچے۔ باقی اگر آپ کی جان جاتی ہے تو جاتی رہے، لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کے ہاتھوں سے کوئی ناحق خون ہو جائے۔ جیسے ہم نے پہلے ذکر کیا کہ یہ ایک پیچیدہ معاملہ ہے؟ ایک عام شخص کے لیے یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے کہ کہاں اس نے اپنا دفاع کرنا ہے، کہاں حملے کو روکنا ہے، کہاں کسی بات کو قبول کرنا یا رد کرنا ہے؟ اس کا مناسب حل یہ ہے کہ تمام تر کارکنان کی گروہ بندی کی جائے اور ہر گروہ کا ایک باشعور امیر ہو جس کے حکم پر اس کا گروہ عمل کرے۔ بیعت و تشکیل کے موضوع کے تحت، ماقبل اس معاملے پر تفصیل سے بات ہو چکی ہے۔

2۔ قربانی

ایک بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیجیے کہ انقلاب کبھی خون دیے بغیر نہیں آتا۔ اس تحریک میں آپ کو قدم قدم پر خون دینا پڑے گا اور اس کارِ خیر کی ابتدا میں اپنی ذات سے

کر رہا ہوں۔ میں نے اس کتاب کی شکل میں کلمہ حق بلند کر کے اپنی جان قربانی کے لیے پیش کر دی ہے۔ اس کی وجہ یہ کہ میرے سامنے دو عذاب تھے، ایک دنیا کا عذاب جو کلمہ حق بلند کرنے پر باطل قوتوں کی طرف سے ہوتا ہے اور دوسرا آخرت کا عذاب جو راہِ حق ترک کرنے سے اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ گو کہ ان دونوں میں سے کوئی بھی عذاب سہنے کی مجھ میں سکت نہیں لیکن پھر بھی میں نے دنیا کے عذاب کو پسند کیا کیونکہ یہ آخرت کے عذاب کی نسبت تھوڑا بھی ہے اور دوسرا اس میں اللہ کی مدد بھی شامل ہے اور وہ جب چاہتا ہے تو آگ کو بھی کہہ دیتا ہے کہ 'ابراہیمؑ کے لیے ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا'۔ لیکن آخرت میں اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہ ہو گا۔ اب آپ دیکھ لیجیے کہ اپنے لیے کس عذاب کا انتخاب کرتے ہیں۔

انقلاب کی اس پکار پر لبیک کہتے ہوئے جو دیوانے اس تحریک کا آغاز کریں گے انہیں مختلف قسم کی قربانیاں دینی پڑیں گی، ہو سکتا ہے آپ کو اور آپ کے اہل و عیال کو گرفتار کر لیا جائے، قتل کی دھمکیاں دی جائیں اور عین ممکن ہے کہ قتل ہی کر دیا جائے۔ دوسری طرف وہ علماء، مدارس، درگاہیں اور دیگر مذہبی ادارے و شخصیات، جن کے حکومت کے ساتھ مراسم ہیں، انہیں اس تحریک سے روکا جائے، بلکہ اس کے خلاف بولنے اور مہم چلانے کا مطالبہ کیا جائے۔ اور اگر وہ حق کا ساتھ دینے سے پیچھے نہ ہٹیں گے تو انہیں بھی طرح طرح کی اذیتیں دی جائیں گی۔ اگلے مرحلے میں جب انقلابی رہنماؤں کی خاصی تعداد جمع ہو جائے گی تو ہو سکتا ہے، انہیں گرفتار کر لیا جائے، ان پر پابندیاں عائد کی جائیں، دھمکیاں دی جائیں اور عین ممکن ہے کہ کوئی خودکش دھماکے کرا کے انہیں شہید کر دیا جائے۔ دوسری طرف قانون نافذ کرنے والے اداروں کے لیے بھی امتحان ہو گا۔ کیونکہ وہاں بھی اسلام پسند لوگ پائے جاتے ہیں۔ ایسے میں جب انہیں تحریک کے خلاف طاقت استعمال کرنے کا حکم دیا جائے گا اور وہ جب انکار کریں گے تو انہیں بھی اذیتیں دی جائیں گی، انہیں نوکریوں سے نکال دیا جائے گا ،انہیں قتل کی دھمیاں دی جائیں گی اور ہو سکتا ہے قتل ہی کر دیے جائیں۔ اسی طرح مجلسِ شوریٰ کو بھی قربانیاں پیش کرنی پڑیں گی۔

اگلے مرحلے میں جب مطالبات منوانے کے لیے مارچ شروع ہو گا تو اس میں کئی رکاوٹیں کھڑی کی جائیں گی، ہر ہتھکنڈا اپنایا جائے گا۔ دھرنے پر خونی آپریشن کیا جائے گا کیونکہ حکمرانوں کو صرف اپنے اقتدار کی فکر ہی نہ ہو گی بلکہ ان پر بیرونی باطل قوتوں کا بھی دباؤں ہو گا۔ اور وہ اس تحریک کو روکنے کے لیے کسی بھی حد تک جانے کو تیار ہو جائیں گے۔ اس لیے ہر شخص کو کسی بھی قربانی کے لیے ذہنی طور پر تیار ہو جانا چاہیے۔

3۔ آخرت کا عذاب وثواب

موجودہ حالات میں اگر اپنی جان کی قربانی دے کر پاکستان میں اسلامی نظام آجاتا ہے اور آخرت میں ہماری جان خلاصی ہو جاتی ہے تو یہ بہت فائدے کا سودا ہے۔ جہاں پاکستان میں اسلامی حکومتیں نہ ہونے کی وجہ سے، نہ کبھی ہم کشمیریوں کا دفاع کر سکے، نہ افغانستان کی مدد کر سکے، الٹا ان کے خلاف امریکہ کی مدد کرنی پڑی، فلسطین میں ستر سالہ ظلم وستم تو ایک طرف، پچھلے چھ مہینوں میں 35000 لوگوں کا قتلِ عام ہوا مگر ہم خاموش تماشائی بنے رہے، ایسی فضا میں اگر ہم اپنا خون دے کر یہاں اسلامی نظام لے آتے ہیں تو تمام اُمّتِ مسلمہ کو ایک سہارا مل جائے گا۔ اور یہ مسلمہ حقیقت ہے اور میری زندگی کا تجربہ بھی ہے کہ کفر تب تک دلیر ہے جب تک حق اس کے آگے دبا ہوا ہے۔ کفر کے سامنے اگر کوئی لٹا پٹا لشکر بھی کھڑا ہو جائے تو اسے ڈھیر کر کے رکھ دے گا۔ پھر پاکستان کے پاس تو وسائل بھی ہیں، ایٹمی ہتھیار بھی ہیں اور جذبہ جہاد رکھنے والے لوگ بھی موجود ہیں۔

اگر ہم راہِ خدا میں جہاد کیے بغیر اس دنیا سے کوچ کر گئے تو قیامت کے دن ہمارے گریبانوں پر لاکھوں مظلوموں کے ہاتھ ہوں گے، کہیں کشمیر کی مائیں، بہنیں اور بچے ہم سے پوچھتے ہوں گے کہ آپ کے پڑوس میں ہم پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گئے اور ہماری عصمتیں لوٹی گئیں، مگر تم بیوی بچوں میں خوش وخرم زندگی گزارتے رہے اور نماز روزے کو ہی اپنی نجات کے لیے کافی سمجھ لیا۔ ہمارے گریبانوں پر اہل غزہ کے ہاتھ ہوں گے کہ تمہاری آنکھوں کے سامنے ہمارے جسم قیمہ قیمہ کر دیے گئے، ماؤں، بہنوں، بیٹیوں اور بچوں کے جسموں کو جھلس دیا گیا۔ ہمارے جسموں کے لوتھڑے تم نے ہواؤں میں اڑتے

دیکھے۔ ہمیں خوراک کی قلت کی وجہ سے جانوروں کی خوراک کھاتے تم نے دیکھا۔ لیکن تمہیں دنیا کی زندگی نے اس قدر مگن کر دیا تھا کہ ہماری کسی طرح کی بھی امداد تم نے نہ کی۔ تم نے کیا سمجھ لیا تھا کہ چار تقریریں کر کے اور ریلیاں نکال کے تمہاری جان خلاصی ہو جائے گی۔

ہم سے افغانستان کے مسلمان سوال کریں گے کہ تمہارے حکمران تو اپنے ضمیر کا سودا کر چکے تھے مگر تم ان کے آگے کیوں نہ کھڑے ہوئے اور انہیں امریکہ کی امداد سے کیوں نہ روکا۔ تمہاری حفاظت میں، تمہاری سرزمین سے آنے والے اسلحے سے ہمارے ماؤں، بہنوں اور بچوں کے جسموں کے پرخچے اڑائے گئے۔ یوں ملکی و غیر ملکی، سینکڑوں مظلوموں کے ہاتھ ہمارے گریبانوں پر ہوں گے۔ دوسری طرف جہنم دھاڑ رہی ہو گی اور اسکے شعلے بھڑک رہے ہوں گے اور ہم خوف اور پشیمانی سے سر جھکائے ہوں گے اور رو رو کر عرض کرتے ہوں گے کہ اے اللہ ہمیں تھوڑی مہلت دے تا کہ ہم دنیا میں جا کر تیرے حکموں کی فرنبرداری کریں تو اس پکار کا اس کے سوا اور کیا جواب ہو گا:

"اور جب کسی کی موت آجاتی ہے تو اللہ اس کو ہرگز مہلت نہیں دیتا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خبر دار ہے۔" (المنافقون: 11)

ایسے میں ابھی ہمارے پاس مہلت ہے اور دنیا و آخرت کی بھلائی اسی میں ہے کہ ہم خوف کے بت توڑ کر نکلیں اور اپنی جان کا نذرانہ دے کر دنیا سے ظلم و ستم کی اس رسم کا خاتمہ کریں۔ اور اللہ کی یہی سنت ہے کہ وہ اہل حق کے ذریعے باطل کو شر انگیزی سے روکتا ہے۔ فرمایا:

"اور اگر اللہ بعض لوگوں کو بعض کے ذریعے سے دفع نہ کرتا رہتا تو (روئے) زمین پر فساد برپا ہو جاتا۔" (البقرۃ: 251)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے ذریعے بنی اسرائیل سے جالوت کے شر کو رفع کیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو زمین تمام تر فساد سے بھر جاتی یعنی اللہ تعالیٰ انبیاء کرامؑ کے ذریعے مؤمنین سے ان کے دشمنوں کے شر کو اور مجاہدین

کے ذریعے اہل باطل کے شر کو دور فرماتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو روئے زمین فساد سے پُر ہو جائے۔" (تفسیر ابن عباس)[132]

مولانا عبدلماجد دریابادی اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"یہاں یہ عام قانون بتا دیا کہ دنیا میں حکومتوں اور سلطنتوں کے جو انقلابات ہوا کرتے ہیں یہ یوں ہی بلاضرورت و مصلحت "گردش گردوں سے" نہیں ہو جایا کرتے۔ بلکہ ہمیشہ بامقصد و پُر حکمت ہی ہوا کرتے ہیں اور ان سے ظلم و عصیان اور طغیان کی اصلاح مد نظر ہوتی ہے۔ آیت سے اس حقیقت پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ اس عالم اسباب میں مشیت تکوینی جو کام بھی لیتی ہے بندوں ہی کے واسطہ اور ذریعہ سے لیتی ہے۔" (تفسیر ماجدی)[133]

باب دہم

غیر جمہوری انقلاب کے فوائد

دنیا کے بیشتر ممالک میں اس وقت جمہوری نظام رائج ہے اور اس نظام کے ذریعے اگر کوئی تبدیلی لائی جائے گی تو وہ جمہوری انقلاب کہلائے گا۔ اس کے برعکس اگر کسی بھی دوسرے طریقے سے تبدیلی لائی گئی تو وہ غیر جمہوری انقلاب کہلائے گا۔ غیر جمہوری انقلاب کی مزید کئی اقسام ہیں جن میں سے اس وقت ہمارا سروکار اسلامی انقلاب سے ہے۔'اسلامی انقلاب' کے بجائے یہاں 'غیر جمہوری انقلاب' کی اصطلاح اس لیے استعمال کی گئی ہے تاکہ سیاسی مذہبی جماعتوں کے طریقہ کار سے فرق کیا جاسکے۔ اکثر سیاسی مذہبی جماعتیں جمہوری نظام کے ذریعے تبدیلی کی خواہاں ہیں اور وہ اسی کو اسلامی انقلاب کا نام دیتی ہیں۔ لیکن جیسے پہلے ذکر ہو چکا کہ جمہوریت ایک غیر اسلامی نظام ہے اور اس کے ذریعے کبھی اسلامی انقلاب نہیں برپا کیا جاسکتا۔ اس کے باوجود اگر جمہوری انقلاب کے ذریعے تبدیلی کو ممکن مان لیا جائے تو اس کی بنسبت غیر جمہوری انقلاب کے کیا فوائد ہیں، اس پر سرسری نگاہ ڈال لیتے ہیں۔

1۔ دینی تعلیمات کے زیادہ قریب

جیسے ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ جمہوری نظام میں بہت سی خرابیاں ہیں اور کئی معاملات شریعت کے منافی ہیں۔ مثلاً خواتین کی لازمی شمولیت، الیکشن کمپین، ووٹر اور اہلیتِ نمائندگان کے مسائل وغیرہ۔ جیسے ڈاکٹر اسرار فرماتے ہیں کہ اسلامی ریاست میں کوئی غیر مسلم رعایا برابر کے شہری کی حیثیت نہیں رکھتی، لہذا خلیفہ کے انتخاب میں یہ لوگ رائے دینے کے مجاز نہ ہوں گے۔ ایسے لوگ نہ تو مجلس شوریٰ کے رکن بن سکیں گے اور نہ ہی

اراکین شوریٰ کے انتخاب میں ووٹ دینے کے اہل ہوں گے۔ تکنیکی نوعیت کی ملازمتوں میں ان لوگوں کے لیے راستہ کھلا ہو گا۔(پاکستان میں نظامِ خلافت)[134]

ممکن ہے کہ مذکورہ بالا معاملات کے جائز ہونے کے بارے میں بھی لوگوں کے پاس دلائل موجود ہوں لیکن جو مذہبی جماعتیں الیکشن میں حصہ لیتی ہیں وہ بھی اس بات کو تسلیم کرتی ہیں کہ مجموعی طور پر کئی چیزیں اس عمل میں غیر شرعی ہیں لیکن وہ اس معاملے میں مجبوری کو بطور عذر پیش کرتے ہیں۔

دوسری طرف اگر ہم غیر جمہوری (اسلامی) انقلاب کو دیکھیں تو اس میں ہمارے پاس یہ option ہے کہ علماء باہمی مشورے سے یہ طے کر سکتے ہیں کہ اس میں کیا کیا جائز طریقے کار ہیں جنہیں اپنایا جائے گا اور کون سے غیر شرعی معاملات ہیں جن سے اجتناب کیا جائے گا۔ یہ option انتخابی عمل میں نہیں۔ اُس میں قانون واضح کہتا ہے کہ اگر پانچ فیصد خواتین نہ شامل کیں تو پارٹی کو انتخابی نشان نہیں دیا جائے گا اور اسی طرح دیگر معاملات کے بارے میں بھی سخت قوانین موجود ہیں۔ ایسے میں جائز و ناجائز کی تمیز جمہوریت میں ختم ہو جاتی ہے جبکہ غیر جمہوری (اسلامی) انقلاب میں ہر موڑ پر یہ آپشن موجود ہے۔

جہاں تک غیر جمہوری (اسلامی) انقلاب کے از خود جائز و ناجائز ہونے کا معاملہ ہے تو یہ صرف جائز ہی نہیں بلکہ میرے نزدیک واحد جائز راستہ ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد اس ضمن میں فرماتے ہیں:

"بعض حضرات کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ کسی مسلمان حکمران کے خلاف مسلح اقدام کی شریعت میں سرے سے کوئی گنجائش نہیں ہے تو یہ ایک بڑا مغالطہ ہے۔ اگرچہ ہمارے یہاں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، لیکن یہ بات بھی متفق علیہ نہیں ہے کہ کسی بھی حالات اور کسی بھی صورت میں کسی مسلمان حکمران کے خلاف خروج نہیں ہو سکتا یا بغاوت نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ اس بات کو تسلیم کرنے کے معنی تو یہ ہوں گے کہ فساق وفجار کی حکومت کبھی ختم نہیں ہو گی۔

ہمارے ملک میں بسنے والے سنی مسلمانوں کی عظیم اکثریت حنفیُ المسلک ہے اور امام ابو حنیفہؒ کا موقف یہی ہے کہ فاسق و فاجر مسلمان حکمرانوں کے خلاف خروج

ہو سکتا ہے، البتہ اس کے لیے شرائط بڑی کڑی ہیں۔ امام صاحبؒ کے حالاتِ زندگی سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے حضرت نفس زکیہؒ کی تائید بھی کی تھی اور ان کو مالی اعانت بھی فراہم کی تھی جنہوں نے بنو عباس کی حکومت کے خلاف خروج کیا تھا۔ "(منہج انقلاب نبویؐ)[135]

2۔ عوامی حمایت

ہم اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ پاکستان کی اکثریت نفاذِ شریعت کی حامی ہے اور یہ صرف دعویٰ ہی نہیں بلکہ یہاں متعدد بار سروے بھی کرائے جا چکے ہیں جن میں اکثریت نے شریعت کے نفاذ کی حمایت کی۔ 2016ء کے ایک سروے کے مطابق پاکستان کی 78 فیصد عوام اس حق میں ہے کہ ملک میں مکمل شریعت کا نفاذ ہونا چاہیے جبکہ صرف 2 فیصد کی رائے یہ تھی کہ اسلامی نظام نہیں ہونا چاہیے۔(PEW Research Center)[136]

لیکن جب الیکشن میں ووٹ کی باری آتی ہے تو معاملہ اس کے بالکل برعکس نظر آتا ہے۔ اس کی وجوہات یہ ہیں کہ میڈیا اور دیگر طریقوں سے لوگوں کے ذہن میں یہ بات ڈال دی گئی ہے کہ مذہبی جماعتیں دین کو سیاست کے لیے استعمال کرتی ہیں اور دوسرا الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ مذہبی جماعتیں صرف بڑی جماعتوں کا ووٹ توڑنے کے لیے ہیں، اس لیے عوام سمجھتے ہیں کہ انہیں ووٹ دیا تو ضائع ہی جائے گا۔ جہاں مذہبی جماعتوں کے استعمال ہونے کا معاملہ ہے تو اس میں کہیں کہیں حقیقت بھی ہے کہ مذہبی جماعتیں فوج یا بڑی سیاسی جماعتوں کے ہاتھ استعمال ہوتی رہی ہیں۔ اس کے علاوہ الیکشن میں لالچ اور خاندانی دباؤں کے ذریعے بھی ووٹ خریدے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ متعدد اور وجوہات بھی ہیں جن کی وجہ سے مذہبی جماعتوں کو الیکشن میں عوام حمایت حاصل نہیں ہوتی۔

اس کے برعکس ایسا انقلابی عمل جس میں اقتدار کا مطالبہ بھی نہیں، تمام تر الزامات خود بخود رفع ہو جاتے ہیں اور غیر جمہوری تحریک کو عوام کی ایک بڑی حمایت حاصل ہونے کا امکان ہے۔ جدید تعلیم یافتہ طبقے میں ڈاکٹر اسرار احمد اور مولانا طارق جمیل جیسے عالم کیوں مقبول ہیں؟ اس کی بہت سی وجوہات ہیں لیکن ایک اہم وجہ یہ ہے کہ عوام جانتے ہیں کہ یہ

علماء دین کے لیے دنیا کو ترک کر کے آئے تھے۔ یعنی وہ دین سیکھنے اور سیکھانے کے لیے کسی اجرت کے طالب نہیں بلکہ خاص اللہ کی رضا کے لیے انہوں نے اس راستے کا انتخاب کیا۔ اور یہی بات انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنی اپنی اقوام کے سامنے دلیل کے طور پر رکھی کہ ہم تبلیغِ دین کی تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتے۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اجرت لینا جائز نہیں اور نہ ہی یہ مطلب ہے کہ اجرت لینے والوں میں خلوص نہیں۔ لیکن عوام میں جو عام تصور پایا جاتا ہے اس سے انکار بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح سینئر صحافی حسن نثار سے جب علامہ خادم رضویؒ کی وفات پر بات کرنے کا کہا گیا تو آپ نے ایک خصوصی ویڈیو میں کہا:

"بہت سے لوگوں نے علامہ خادم رضوی کی رحلت کے بارے میں بات کرنے کا کہا ہے۔ وہ ایک بزرگ تھے، عالم دین تھے۔ کوئی کتنا بھی اختلاف کرے، مجھے جو سچی بات ہے تھوڑی سی اداسی اس لیے ہے کہ اگر مجھے اندازہ ہوتا کہ خلقِ خدا ان سے اتنا پیار کرتی ہے تو شاید میں بھی ان سے جا کر ملتا۔ اس سے بھی جو بڑی اور حیران کن بات کہ جس بندے سے خلقِ خدا اتنی تعداد میں محبت کرتی ہو اس بندے کے پاس اپنا ذاتی گھر بھی نہیں تھا۔ میں نہیں جانتا یہ بات ٹھیک ہے یا غلط ہے، میں آپ کو ایک بات بتاؤں میں ہل کے رہ گیا۔ مجھے کسی نے بتایا کہ کرائے کا گھر بھی ان کے پاس پورا نہیں تھا اور وہ کرائے کے مکان کے اَپر پورشن میں رہتے تھے اور ان کی وہیل چیئر کو اٹھا کر لے جایا جاتا تھا۔ میں ایک بات آپ کو بتاؤں کہ جو Financial Hygiene ہوتی ہے، یعنی جو بندہ مالی حوالوں سے صاف ستھرا ہو، میرے نزدیک 90 فیصد اور خاص کر اس زمانے میں 99 فیصد آنکھیں بند کر کے (اس پر یقین کر لو)۔" (حسن نثار)[137]

اب یہاں حسن نثار صاحب کے لیے جو بات زیادہ کشش کا باعث بنی وہ یہ کہ علامہ خادم حسین رضویؒ اتنے زیادہ پیروکار رکھنے کے باوجود سادگی کی زندگی گزار رہے تھے اور یہ بات ان کے خلوص کی ایک ظاہری دلیل ہے۔ چنانچہ جب علماء اپنے مطالبات میں سے اقتدار اور دیگر دنیوی مفادات کو نکال کے صرف نفاذِ شریعت کی بات کریں گے تو عوام جوق در جوق ان کی پکار پر لبیک کہتے جائیں گے۔

اس کے علاوہ الیکشن میں جو دوسرے عوامل جیسے خاندانی دباؤ، مخالف پارٹیوں کی جانب سے الزام بازی، پیسے کا استعمال وغیرہ بھی ختم ہو جاتے ہیں۔ ایسے میں غالب امکان ہے کہ اگر تمام تر بااثر مذہبی شخصیات اس تحریک میں شامل ہوں تو اس قدر عوامی حمایت حاصل ہو جائے گی کہ بغیر خون خرابے کے حکومت تمام تر مطالبات ماننے پر مجبور ہو جائے گی۔

3۔ انقلاب یا انتخاب کے بعد کے معاملات

ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ مغربی طاقتوں کی مسلمان حکمرانوں سے تعلق داری یا دشمنی نظام کی بنیادوں پر ہے۔ یعنی جو حکمران مغربی نظام کا حامی ہے، وہ ان کا دوست ہے، چاہے وہ نیلا ہے، پیلا ہے، داڑھی والا ہے یا بغیر داڑھی کے ہے۔ اس کے برعکس جو اُن کے نظام کے لیے خطرہ ہے وہ ان کا دشمن ہے، چاہے وہ کتنا ہی مثالی شخصیت کا حامل ہو۔ ایسے میں اگر کسی طرح جائز و ناجائز طریقے (جمہوری انقلاب) سے کوئی مذہبی جماعت اقتدار میں آجاتی ہے تو مغربی طاقتیں اسے کسی صورت نہیں چلنے دیں گی۔ ہم بخوبی جانتے ہیں کہ پاکستان جیسے ملک میں ان طاقتوں کے لیے تحریک عدم اعتماد چلانا کتنا آسان ہے۔ سابق وزیراعظم عمران خان کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ چنانچہ اگر کوئی مذہبی جماعت اقتدار میں آنے کے بعد نااہل قرار دے دی گئی (جو موجودہ نظام میں بچوں کا کھیل ہے) تو پھر یہ جان لیجیے یہاں برسوں تک پھر کوئی آپ کو اسلامی نظام کا دوبارہ نام بھی نہیں لینے دے گا۔ سیکولر طبقے کو اسلام کی عالمگیریت کے خلاف جواز مل جائے گا اور یوں ماضی کی تمام تر قربانیوں پر پانی پھر جائے گا۔

اس کے برعکس زیرِ غور غیر جمہوری انقلاب سے اگر نظام بدلتا ہے تو جیسے ہم نے پہلے ذکر کیا کہ اقتدار حکومتِ وقت کے پاس ہی رہے گا، ایسے میں کامیابی کے امکانات بھی زیادہ ہیں اور اگر ناکامی ہوتی بھی ہے تو اس کا الزام حکومتِ وقت پر ہی آئے گا نہ کہ اسلام پر یا مذہبی جماعتوں پر۔ ایسے میں پھر سے انقلاب کی کہیں نہ کہیں گنجائش باقی رہے گی۔

باب یازدہم

اسلامی نظام کے عوام کو فائدے

1. تحفظِ ناموسِ رسالت وشعائر اللہ

یہ ایک فطرتی بات ہے کہ انسان کو اس کا نفس ہر شجرِ ممنوعہ کی طرف مائل کرتا رہتا ہے۔ ایسے میں انسان کے سامنے اگر دنیاو آخرت کا کوئی خوف ہو تو وہ رک جاتا ہے ورنہ گناہ کا ارتکاب کر لیتا ہے۔ جب اسلامی نظام قائم ہو گا تو اپنی ذمہ داری نبھاتے ہوئے اسلامی حکومت لوگوں کو ہر شے کے مقام و مرتبے سے آگاہ کرے گی اور کسی مقدس شے کی توہین کی دنیوی سزا اوراُخروی عذاب کو بھی واضح کرے گی۔ ایسی فضا میں لوگ خود بخود توہینِ رسالت اور شعائر اللہ کی بے حرمتی سے باز آجائیں گے۔ پھر نہ رہے گا بانس، نہ بجے گی بانسری۔ نہ کسی کو گستاخی کرنے کی ہمت ہو گی اور نہ ہی کوئی قانون ہاتھ میں لے گا۔ موجودہ صورت حال میں چونکہ لوگوں کو معلوم ہے کہ قانون کمزور ہے اور اکثر گستاخ رہا ہو جاتے ہیں، اس لیے گستاخی بھی ہوتی ہے اور قانون بھی ہاتھ میں لیا جاتا ہے جس کا مجموعی طور پر معاشرے کے امن و سکون پر منفی اثر پڑتا ہے۔ اس کے برعکس اسلامی نظام قانون کی بالا دستی کے ذریعے امن و سکون کو برقرار رکھتا ہے۔

2. قانون کی بالادستی

اس وقت پاکستان کی مجموعی کیفیت یہ ہے کہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔ طاقتور کو قانون سے کوئی ڈر نہیں اور غریب کو اس سے کوئی مثبت اُمید نہیں۔ ایسے حالات میں اُمراءو غرباء دونوں مسائل کا شکار ہوتے ہیں۔ قانون اُمراء کے ہاتھ کی لونڈی سہی لیکن ظلم جب حد سے بڑھتا ہے تو غرباء قانون ہاتھ میں لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اس لیے آئے دن ہم دیکھتے

ہیں کہ اُمراء ملازمین کے ہاتھوں مارے جاتے ہیں، ڈکیتیوں میں قتل ہوتے ہیں اور کئی مرتبہ اپنے ہی گارڈز کے ہاتھوں ہلاک ہوتے ہیں۔ دوسری طرف غرباء کے مسائل سے سب واقف ہیں، انہیں ایسے جرائم کی سزا بھی بھگتنی پڑتی ہے جو انہوں نے کیے بھی نہیں ہوتے۔

اس وقت ماورائے عدالت قتل کی سب سے بڑی ذمہ دار عدالت خود ہے۔ 2017ء میں الیکشن بل میں ختم نبوت کے حوالے سے سازشی ترمیم ہوئی تو بجائے مجرموں کو سزا دینے کے قانون نے انہیں تحفظ دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ 8 لوگوں نے اپنی جانیں قربان کیں، سینکڑوں زخمی ہوئے اور اس کے بعد جا کر مجرم کو صرف اتنی سزا ہوئی کہ اسے عہدے سے برطرف کیا گیا۔ ایسے میں کس شخص کا قانون اور قانون نافذ کرنے والے اداروں پر اعتماد رہے گا۔ دوسری مثال فروری 2024 کی مبارک ثانی قادیانی کیس کی ہے۔ چیف جسٹس قاضی فائز عیسیٰ نے اس کیس میں آئین اور شریعت دونوں کے خلاف فیصلہ دیا۔ عدالت میں جب کیس چلا تو چیف جسٹس نے مدعی کے وکیل کی تذلیل بھی کی اور اسے دھمکی بھی دی کہ میں تمہارا لائسنس کینسل کر دوں گا جبکہ ملزم قادیانی کے وکیل کو اطمینان سے سنا اور اس کے حق میں فیصلہ دیا۔ (محمد متین خالد)[138] جب عدالتوں کی یہ حالت ہو تو عوام قانون ہاتھ میں لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

اس کے برعکس اسلامی نظام میں قانون کی بالادستی ہو گی اور جب لوگوں کو قانون نافذ کرنے والے اداروں پر اعتماد ہو گا تو وہ کبھی قانون اپنے ہاتھ میں نہیں لیں گے۔ اس کے علاوہ اسلامی حکومت دینی تعلیمات کو عام کرے گی، ایسے میں یہ جاننے کے بعد کہ کسی بے گناہ کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے، کوئی ایسا اقدام نہیں اٹھائے گا۔

3. عدل وانصاف

عدل وانصاف اسلامی حکومت کی بنیادی ترجیحات میں سے ہوتا ہے جبکہ ہمارا ملک اس وقت عدل وانصاف کے حوالے سے پوری دنیا میں تقریباً آخری نمبر (142 / 130^{th}) پر ہے۔ (World Justice Project)[139]

انصاف کا بحران پورے معاشرے کو متاثر کرتا ہے۔ معاشرے میں باہمی کشمکش کی فضا بنی رہتی ہے۔ کہیں مظلوم پر ظلم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہوتے ہیں تو کہیں ظالم اپنے لیے

عذابِ آخرت جمع کر رہے ہوتے ہیں۔ اسی حوالے سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! مظلوم کی مدد تو سمجھ میں آتی ہے، لیکن ظالم کی مدد کس طرح کریں؟ آپؐ نے فرمایا: ظلم سے اس کا ہاتھ پکڑ لو (یہی اس کی مدد ہے)۔ (صحیح البخاری)[140]

اسلامی حکومت عدل و انصاف کی فراہمی کے ذریعے ظالم و مظلوم کی مدد کرے گی اور معاشرے میں باہمی امن و سلامتی کی فضا بنی رہے گی۔

4. حکمرانوں کا احتساب

اسلامی حکومت کا مزاج یہ ہے کہ حکمران خود اپنے آپ کو احتساب کے لیے پیش کرتے ہیں جبکہ موجودہ دور میں حکمرانوں کا احتساب اتنا مشکل ہو گیا ہے کہ اس کے بارے میں صرف بات کرنے والوں کو دھمکیاں دی جاتی ہیں، لاپتہ ہو جاتے ہیں یا قتل کر دیے جاتے ہیں۔ خلافتِ راشدہ کا حسین نقشہ پیش کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں کہ قاضیوں کو اگرچہ رئیسِ مملکت ہونے کی حیثیت سے وہی مقرر کرتے تھے، مگر ایک شخص قاضی ہو جانے کے بعد خود ان کے خلاف فیصلہ دینے میں بھی ویسا ہی آزاد تھا جیسا کسی عام شہری کے معاملے میں۔ ایک مرتبہ حضرت عمر اور حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ایک معاملے میں اختلاف ہو گیا اور دونوں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم بنایا۔ فریقین زید بن ثابتؓ کے پاس حاضر ہوئے تو زید نے اُٹھ کر حضرت عمر کو اپنی جگہ بٹھانا چاہا، مگر حضرت عمر حضرت اُبی کے ساتھ بیٹھے۔ پھر حضرت اُبیؓ نے اپنا دعویٰ پیش کیا اور حضرت عمر نے دعویٰ سے انکار کیا۔ قاعدے کے مطابق حضرت زید کو حضرت عمر سے قسم لینی چاہیے تھی، مگر انہوں نے ان سے قسم لینے میں تامل کیا۔ حضرت عمر نے خود قسم کھائی اور اس مجلس کے خاتمے پر کہا: "زید قاضی ہونے کے قابل نہیں ہو سکتے جب تک کہ عمر اور ایک عام مسلمان ان کے نزدیک برابر نہ ہو۔"

ایک مقدمے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ایک ذمی فریقین کی حیثیت سے قاضی شریح کی عدالت میں حاضر ہوئے۔ قاضی نے اٹھ کر حضرت علی کا استقبال کیا۔ اس پر انہوں نے فرمایا: "یہ تمہاری پہلی بے انصافی ہے۔" (خلافت وملوکیت)[141]

اسلامی نظامِ حکومت میں حکمرانوں کا احتساب آسان ہو گا اور انہیں قانون کے دائرے میں باآسانی لایا جاسکے گا جس کا مثبت اثر ملک وملت پر پڑے گا۔ مذکورہ بالا مثالوں سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ شریعت صرف چند شرعی سزاؤں کا نام نہیں بلکہ یہ ایک ایسی میزان ہے جو ہر شے کو اعتدال پر لے آتی ہے۔

5. حکمرانوں میں ذمہ داری کا احساس

اسلامی نظام حکمرانوں کے اندر احساس ذمہ داری پیدا کرتا ہے۔ وہ کسی صورت حکومت میں پروٹوکول اور عیش وعشرت کے لیے نہیں آتے۔ انہیں آخرت میں جواب دہی کی فکر ہر وقت مخلوق کی خدمت میں مصروف رکھتی ہے۔ چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

- حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی فکر کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "اگر فرات کے کنارے ایک بکری بھی ناحق مر گئی تو میرا گمان ہے کہ روزِ محشر اللہ تعالی مجھ سے اس کے متعلق پوچھے گا۔" (حلیۃ الاولیاء)[142]
- "حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ بننے کے اگلے دن کندھے پر کپڑے کے تھان رکھ کر بیچنے کے لیے نکلے، کیونکہ خلافت سے پہلے یہی ان کا ذریعہ معاش تھا۔ راستے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملے اور انہوں نے کہا: یہ آپ کیا کرتے ہیں؟ جواب دیا: اپنے بال بچوں کو کہاں سے کھلاؤں؟ انہوں نے کہا: اب آپ کے اوپر مسلمانوں کی سرداری کا بار آ پڑا ہے۔ یہ کام اس کے ساتھ نہیں نبھ سکتا۔ چلیے! ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ناظم بیت المال) سے مل کر بات کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہؓ سے گفتگو کی گئی۔ انہوں نے کہا: ہم آپ کے لیے مہاجرین میں سے ایک عام آدمی کا معیار سامنے رکھ کر ایک وظیفہ مقرر کیے دیتے ہیں جو نہ ان کے سب سے زیادہ دولت مند کے برابر ہو گا نہ سب سے غریب کے

برابر۔ اس طرح ان کے لیے ایک وظیفہ مقرر کر دیا گیا جو تقریباً چار ہزار درہم سالانہ تھا۔ مگر جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے وصیت کی کہ میرے ترکے میں سے 8 ہزار درہم بیت المال کو واپس کر دیے جائیں۔ یہ مال جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لایا گیا تو انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ ابو بکر پر رحمت فرمائے، اپنے بعد آنے والوں کو انہوں نے مشکل میں ڈال دیا ہے۔"

- حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی ایک تقریر میں واضح کرتے ہیں کہ بیت المال میں خلیفہ کا کتنا محدود حصہ ہے۔ فرمایا: "میرے لیے اللہ کے مال میں سے اس کے سوا کچھ حلال نہیں ہے کہ ایک جوڑا کپڑا گرمی کے لیے اور ایک جاڑے کے لیے اور قریش کے ایک اوسط آدمی کے برابر معاش اپنے گھر والوں کے لیے لے لوں۔ پھر میں بس ایک آدمی ہوں مسلمانوں میں سے۔" (خلافت وملوکیت)[143]

اس لیے اسلامی نظام کے زیرِ اثر حکمرانوں میں جب اس قدر احساس ذمہ داری ہو گا تو یقیناً عوام ایسے بدحال نہ ہوں گے جیسے اس جمہوری نظام میں ہیں۔

6. غیر مسلموں کے حقوق کا تحفظ

"غیر مسلم رعایا کی جان بھی اتنی ہی محترم ہو گی جتنی کسی مسلمان کی محترم ہوتی ہے۔ ان کی عزت و آبرو بھی اتنی ہی محترم ہے جتنی کسی مسلمان کی۔ ان کی جائیداد کی حفاظت کا اتنا ہی اہتمام ہو گا جتنا کسی مسلمان کی جائیداد کا اہتمام ہو گا۔ انہیں عقیدہ و عبادت کی مکمل آزادی رہے گی۔ ان کی عبادت گاہیں اتنی ہی مقدس و محترم ہوں گی جتنی خود مسلمانوں کی مسجدیں سمجھی جاتی ہیں۔" (پاکستان میں نظامِ خلافت)[144]

لوگوں میں ایک بہت غلط تاثر پایا جاتا ہے کہ اسلام میں غیر مسلموں کی کوئی گنجائش نہیں۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ ہمارے سامنے موجود ہے کہ آپؐ غیر مسلموں کے ساتھ کس قدر رحم دلی سے پیش آتے تھے۔ جب ریاستِ مدینہ قائم ہوئی تو وہ بھی دنیا نے دیکھا کہ کیسے آپ ﷺ نے غیر مسلموں کے ساتھ عمدہ سلوک کا مثالی نمونہ پیش کیا۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد آپؐ کے صحابہ کرام نے اس سنت کو جاری رکھا جس کا ثبوت ہمیں تاریخ کی کتب میں ملتا ہے:

"خلافتِ راشدہ کے دور میں جہادِ اسلامی کا فریضہ جاری تھا۔ اسی دوران شام کا ایک شہر مسلمانوں کے قبضے میں آگیا تو متعلقہ حکام نے وہاں کے باشندوں سے جزیہ کی رقم وصول کرلی۔ جزیہ کی وصولی کے بعد ایسی صورت حال بن گئی کہ مسلمانوں کو یہ شہر چھوڑنا پڑ رہا تھا، دفاعی اقدام کے طور پر اسے خالی کرنا ضروری تھا۔ اس موقع پر اسلامی افواج کے سپہ سالار حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غیر مسلم رعایا کو بلایا اور ان کی پوری رقم یہ کہہ کر واپس کردی کہ ہم نے آپ لوگوں سے آپ ہی کی حفاظت کے معاوضے کے طور پر "جزیہ" کی صورت میں رقم لی تھی، لیکن اب چونکہ ہمیں اس شہر کو چھوڑنا پڑ رہا ہے اور ہم آپ لوگوں کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں لے سکتے لہذا جزیہ کی یہ رقم واپس کی جاتی ہے۔ اس موقع پر وہاں کی عیسائی آبادی دھاڑیں مار مار کر رونے لگی کہ ایسے راست باز اور بااخلاق لوگ تو ہم نے آج تک دیکھے ہی نہیں۔ ہمارے حاکم تو ظالم تھے، لیکن مسلمانوں کی دیانت کا یہ عالم ہے کہ جزیہ کی رقم بھی واپس کردی گئی۔" (پاکستان میں نظام خلافت)[145]

دورِ حاضر میں افغانستان کی مثال ہمارے سامنے ہے جہاں بہت سے غیر مسلم، طالبان کے مثالی حسن سلوک سے متاثر ہو کر اسلام لے آئے۔ البتہ میڈیا پر اکثر آپ کو مسلمانوں سے متعلق منفی خبریں ہی نظر آئیں جو کہ طاغوتی قوتوں کے پروپیگنڈے کا نتیجہ ہیں۔ جبکہ اسلام کی حقیقت وہ ہے جو ما قبل بیان کردی گئی ہے۔

7. دہشتگردی کا خاتمہ

ہم پہلے دیکھ لیتے ہیں کہ دہشتگردی ہے کیا؟ پھر ہمارے لیے یہ سمجھنا آسان ہو جائے گا کہ اس کا خاتمہ کیسے ممکن ہے؟ پاکستان میں دہشتگردی کی مختصر تاریخ و تعریف یہ ہے کہ 1979ء میں افغان روس جنگ کا آغاز ہوا۔ یہ امریکہ کے لیے خطرے کی گھنٹی تھی لہذا اس

نے پاکستان اور چند دیگر ممالک کو اس کام کے لیے استعمال کیا۔ پاکستان نے مدارس اور مذہبی جماعتوں کو جہاد کے نام پر پکارا تو وہ گھر بار، بیوی بچے چھوڑ کر نکل آئے اور جانفشانی سے لڑے اور آخر روس کو شکست ہوئی۔ روس کی شکست کے بعد، بیرونی سازشوں کے نتیجے میں افغانستان میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ اس کے ردِ عمل میں طالبان نے ایک تحریک چلائی اور خانہ جنگی کا خاتمہ کر کے اسلامی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوئے۔ 1996ء میں قائم ہونے والی حکومت کی کامیابیوں کو امریکہ نے جب دیکھا تو اسے ایک بار پھر سے اپنے نظام کے خلاف خطرہ محسوس ہوا۔ امریکہ نے پاکستان کو پھر مدد کے لیے پکارا تو ہم نے لبیک کہا۔ لیکن اس مرتبہ معاملہ مختلف تھا۔ جب روس کے خلاف لڑے تو جہاد اور مفاد ایک ساتھ تھے لیکن اب کی بار یہ تھا کہ جہاد ایک طرف ہو گیا اور مفاد ایک طرف۔ اس وقت اللہ اور امریکہ ایک طرف تھے، اب امریکہ ایک طرف ہو گیا اور اللہ ایک طرف۔ ایسے میں جنہوں نے سکول کالجوں میں ہر چڑھتے سورج کو سجدہ کرنے کا سبق پڑھ رکھا تھا (یعنی حکومتِ پاکستان) وہ امریکہ کی طرف ہو گئے اور جنہوں نے مدارس میں یہ پڑھ رکھا تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا گیا مگر انہوں نے حق کا ساتھ نہ چھوڑا (یعنی مجاہدین)، وہ پہلے کی طرح اس بار بھی اللہ اور اس کے دین کے ساتھ کھڑے رہے۔ 2001ء کے بعد کی یہ تقسیم آج بھی قائم ہے یعنی ہم امریکہ کے ساتھ کھڑے ہیں اور وہ اللہ کے دین کے ساتھ کھڑے ہیں۔ وہ اپنے عمل کو جہاد، جبکہ ہم اسے فساد اور دہشتگردی کہتے ہیں۔

اب ہم دوسرے سوال کی طرف آتے ہیں کہ یہ دہشتگردی ختم کیسے ہو گی؟ اس کا سادہ سا جواب یہ ہے کہ یہ دہشتگردی اسی طریقے سے ختم ہو گی جس طریقے سے شروع ہوئی تھی۔ یعنی ایک گروہ امریکہ کی طرف ہو گیا تھا اور دوسرا گروہ اللہ کی طرف۔ اب امریکہ کی طرف جانے والا گروہ (یعنی حکومتِ پاکستان) اللہ کی طرف پلٹ آئے گا تو اس کے خلاف جہاد کے شرعی جواز کا خاتمہ ہو جائے گا اور دونوں گروہ یکجا ہو جائیں گے۔ زیرِ غور اسلامی نظام کا مقصد ہی یہ ہے کہ ملک کو باطل خداؤں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں دینا ہے۔ جب اسلامی نظام قائم ہو جائے گا تو پھر یہی لوگ جو آج ملک کے خلاف ہتھیار اٹھائے ہوئے ہیں، اس کے

دفاع کے لیے اپنی جانیں قربان کریں گے اور پاکستانیوں کے جان و مال کے تحفظ کو یقینی بنائیں گے۔

دہشتگردی کے خاتمے کا یہی واحد راستہ ہے۔ اس کے علاوہ ہم چاہے پوری دنیا اُلٹ پلٹ دیں، دہشتگردی کو ختم نہیں کر سکتے اور یونہی اپنے لوگوں کو بے گناہ مرواتے رہیں گے۔

8. کرپشن کا خاتمہ

خبر رساں ادارےThe Economic Timesکی تعریف کے مطابق:

Corruption refers to misusing public power for personal gain. It can be done by an elected politician, civil servant, journalist, administrator of a school, or anyone in authority. Apart from public corruption, we also have private corruption between individuals and businesses. For instance, education, heritage, marriage, etc. Thus, the corruption definition applies to different forms.

(The Economics Times)[146]

"کرپشن سے مراد ذاتی مفاد کے لیے عوامی طاقت کا غلط استعمال ہے۔ یہ ایک منتخب سیاست دان، سرکاری ملازم، صحافی، اسکول کا منتظم یا کوئی بھی بااختیار شخص کر سکتا ہے۔ عوامی کرپشن کے علاوہ ہمارے ہاں افراد اور کاروبار کے درمیان بھی کرپشن پائی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر تعلیم، ورثہ، شادی وغیرہ۔ اس طرح کرپشن کی تعریف مختلف شکلوں پر لاگو ہوتی ہے۔"

کرپشن کی اس تعریف سے بنیادی بات واضح ہو جاتی ہے کہ چوری کے برعکس کرپشن اکثر بااثر وبااختیار لوگوں کی طرف سے ہوتی ہے اور یہ عموماً بڑے پیمانے پر ہوتی ہے۔ موجودہ نظام کے زیرِ اثر پاکستان کا یہ حال ہے کہ اس وقت کرپشن میں دنیا کے بے تاج بادشاہوں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ عالمی ادارےTransparency Internationalکے سال 2023ء کے سروے کے مطابق اسلامی جمہوریہ پاکستان شفافیت (کرپشن سے پاکی) کے

حوالے سے 100 میں سے 29 نمبر لے کر دنیا کے 180 ممالک میں سے 133 نمبر پر ہے۔ (CPI. 2023)[147]

اس نتیجے کو دیکھ کر ایک دکھ بھرا لطیفہ ذہن میں آرہا ہے۔ ہماری نئی نسل اتنی ذہین ہے کہ آج کل جسے پوچھو، اس کے پرچوں میں اسّی فیصد سے زیادہ نمبر ہوتے ہیں۔ پرانی نسل کے سامنے جب یہ نتائج رکھے جاتے ہیں تو وہ بہت حیران ہوتے ہیں کہ ہم نے کبھی 33 فیصد سے زیادہ کا سوچا بھی نہ تھا اور یہ لوگ اسّی اسّی فیصد نمبر کیسے لے رہے ہیں۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا اس سے ملتا جلتا حال ہے۔ اپنی لگام بڑے بڑے چوروں کے ہاتھوں میں دے کر اس نے بھی کبھی 33 فیصد سے اوپر سوچا ہی نہیں۔

یہ کتنی افسوسناک بات ہے کہ اسلام کے نام پر بننے والا ملک، جسے شفافیت کے حوالے سے صف اول میں ہونا چاہیے، وہ کرپٹ ممالک کی صف اول میں کھڑا ہے۔ اخلاقی پستی کا یہ حال ہے کہ آپ کسی بھی ادارے میں چلے جائیں، سر عام کرپشن ہو رہی ہے۔ ہر آفسر اور عملے کا حصہ متعین ہے۔ اوپر، نیچے، دائیں، بائیں، ہر شخص جانتا ہے کہ کرپشن ہو رہی ہے لیکن نہ کوئی اصلاح کرتا ہے اور نہ آواز اٹھاتا ہے۔ ایسے حالات میں روزِ حساب پر یقین رکھنے والے کی یہ کیفیت ہے جیسے اس نے ہاتھ میں دہکتا کوئلہ رکھا ہو۔ وہ خاموش ہوتا ہے تو آخرت کا عذاب اسے بے چین کرتا ہے، بولتا ہے تو نوکری سے نکالا جاتا ہے، رشوت نہیں دیتا تو حق سے محروم ہوتا ہے، رشوت دیتا ہے تو عذابِ جہنم کی دھمکی، اس کا جینا عذاب کر دیتی ہے، رشوت کھاتا ہے تو خوفِ آخرت کی آگ میں جلتا ہے اور باز رہتا ہے تو تنقید و تذلیل کے شعلے اسے جھلس دیتے ہیں۔ مختصر یہ کہ متقی شخص چاہے امیر ہے یا غریب، موجودہ کرپٹ نظام میں اس کا جینا عذاب ہے۔

اسلام اس معاملے میں کس قدر واضح اور حساس ہے کہ ایک عامل نے زکوٰۃ کی وصولی کے دوران لوگوں سے تحائف قبول کر لیے۔ (اس بات پر رسول اللہ ﷺ شدید غصے ہوئے اور) فرمایا کہ پھر تم اپنے ماں باپ کے گھر کیوں نہ بیٹھے رہے، اگر تم سچے ہو تو وہاں بھی تمہارے پاس ہدیہ آتا۔ پھر آپؐ کھڑے ہوئے اور لوگوں کو خطبہ دیا۔ (البخاری)[148]

موجودہ نظام میں حال یہ ہے کہ اکثریت بے شرمی سے منہ کھول کر رشوت مانگتے ہیں اور اگر کوئی بہت متقی ہے تو وہ تحائف کی صورت میں رشوت قبول کرتا ہے اور کرپشن سے پاک دامن آٹے میں نمک کے برابر بھی شاید نہ مل سکیں۔

اسلامی حکومت، نظام کی بہتری کے ذریعے کرپشن کا خاتمہ کرے گی اور لوگوں کو ایسا ماحول مہیا کرے گی جس میں وہ دامن کو داغ دار کیے بغیر اپنے حقوق پا سکیں۔ ہو سکتا ہے کہ کسی کو یہ بات ناممکن معلوم ہو رہی ہو لیکن افغانستان کی زندہ مثال ہمارے سامنے موجود ہے۔ افغان چیمبر آف کامرس کے بورڈ کے رکن اور پاک افغان مشترکہ چیمبر کے رکن خان جان الکوزے کے مطابق پہلے (افغانستان میں) سامان کی ترسیل کے دوران مختلف جرائم پیشہ گروہ ٹیکس کے نام پر تاجروں سے 'بھتہ' لیتے تھے جس کا اب خاتمہ ہو چکا ہے اور اب کسی اضافی لاگت کے بغیر سامان آسانی سے منڈی میں پہنچ جاتا ہے جبکہ دیگر ہمسایہ ممالک بشمول پاکستان سے بھی سامان کی ترسیل آسان ہوئی ہے۔ خان جان کے مطابق "اب ایک ہی حکم ہے اور سب کو ایک طرح سے ڈیل کیا جاتا ہے۔" (بی بی سی، اکتوبر 2023)[149]

9. سود کا سدِباب

سود کی حرمت وشناعت کے حوالے سے چند آیات اور احادیث ملاحظہ ہوں:

- "جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) اس طرح (حواس باختہ) اٹھیں گے جیسے کسی کو جن نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو۔ یہ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ سودا بیچنا بھی تو (نفع کے لحاظ سے) ویسا ہی ہے جیسے سود (لینا) حالانکہ سودے کو اللہ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔ تو جس شخص کے پاس اللہ کی نصیحت پہنچی اور وہ (سود لینے سے) باز آگیا تو جو پہلے ہو چکا وہ اس کا۔ اور (قیامت میں) اس کا معاملہ اللہ کے سپرد اور جو پھر لینے لگا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں کہ ہمیشہ دوزخ میں (جلتے) رہیں گے۔"

(البقرۃ:275)

- "مؤمنو! اللہ سے ڈرو اور اگر ایمان رکھتے ہو تو جتنا سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو خبردار ہو جاؤ (کہ تم) اللہ اور رسول (ﷺ) سے جنگ کرنے

کے لیے (تیار ہوتے ہو) اور اگر توبہ کرلو گے (اور سود چھوڑ دو گے) تو تم کو اپنی اصل رقم لینے کا حق ہے جس میں نہ اوروں کا نقصان اور نہ تمہارا نقصان۔"

(البقرۃ:278-279)

- "حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سود لینے والے، سود دینے والے، اس کے دونوں گواہوں اور اس کے لکھنے والے پر لعنت بھیجی ہے۔" (ترمذی)[150]
- "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: معراج کی رات میں کچھ لوگوں کے پاس سے گزرا جن کے پیٹ مکانوں کے مانند تھے، ان میں باہر سے سانپ دکھائی دیتے تھے۔ میں نے کہا: جبرائیل! یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ سود خور ہیں۔" (ابن ماجہ)[151]
- "کوئی شخص جانتے بوجھتے ہوئے سود کا ایک درہم کھالے تو یہ چھتیس دفعہ کئے جانے والے زنا سے بدترین گناہ ہے۔" (مشکاۃ المصابیح)[152]
- "سود ستر گناہوں کے برابر ہے جن میں سے سب سے چھوٹا گناہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے زنا کرے۔" (ابن ماجہ)[153]

اتنی سخت وعیدوں کے باوجود پوری دنیا بشمول اسلامی ممالک اس گناہ میں ملوث ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ مسلمان جو اس گناہ کی سنگینی سے واقف ہیں، خود تو اس سے دور رہتے ہی، ساتھ انہیں ہر وقت دوسروں کی فکر بھی دامن گیر رہتی کہ کسی طرح اس ظلمِ عظیم سے انہیں بچایا جائے لیکن افسوس کا مقام یہ ہے کہ مسلمان خود، اللہ کے ساتھ اس جنگ میں پیش پیش ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وسائل اور قوت ہونے کے باوجود کفار کے ہاتھوں ذلیل ورسوا ہورہے ہیں۔ سود کو جرمِ عظیم قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے غریب کا استحصال ہوتا ہے۔ اُمراء سودی قرضوں کے ذریعے غرباء کی خون پسینے کی کمائی کھا جاتے ہیں اور ان پر دن بدن سود کا بوجھ بڑھتا جاتا ہے۔ سودی قرضوں کے وبال کی ہمارے پاس سب سے واضح مثال وطنِ عزیز پاکستان کی ہے:

"پاکستان صدر ایوب خان کے زمانے میں بھی مقروض تھا لیکن تب ہر پاکستانی پر صرف 60 روپے کا قرض تھا۔ آج (2021 میں) ہمارا ہر شہری ایک لاکھ بیاسی ہزار (182000) سے زائد کا مقروض ہے۔" (روزنامہ دنیا)[154]

اس سود کا بوجھ تو براہِ راست ہر شہری کے کندھوں پر ہے۔ اس کے علاوہ مجبوری کے تحت لوگ بینکوں اور اداروں سے سودی قرضہ لیتے ہیں اور پھر ان کی زندگی یہی قرضہ اتارنے میں گزر جاتی ہے۔ اسلامی حکومت قوم کو اس وبال سے نجات دلائے گی تا کہ ان کی زندگیوں کو آسودہ حال کیا جا سکے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور آخرت کی بدترین عذاب سے بچایا جا سکے۔ سود کا خاتمہ اسلامی حکومت کی اوّلین ترجیحات میں سے ہو گا۔

10. چوری کا خاتمہ

کسی بھی ملک میں وفاقی دارالحکومت کو سب سے زیادہ محفوظ تصور کیا جاتا ہے۔ ہمارے دارالحکومت کا یہ حال ہے کہ وفاقی پولیس کی ریکارڈ بک کے مطابق 2022 میں 10 ہزار سے زائد مقدمات درج ہوئے جن میں شہری مسلح ڈکیتی، چوری، سٹریٹ کرائم اور دیگر وارداتوں میں 4 ارب روپے کے سامان اور نقدی سے محروم ہوئے۔[155] (DW)

وفاقی حکومت کی اس بدحالی سے بقیہ ملک کی حالت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ایک عام شہری سفر و حضر میں خوفزدہ رہتا ہے کہ کسی وقت بھی کوئی حملہ کر کے اس کا مال و منال چھین سکتا ہے۔ قانون نافذ کرنے والے اداروں کی بدحالی اس کے خوف کو مزید بڑھا دیتی ہے۔ ان وارداتوں کی بڑی وجوہات تربیت کی کمی اور قانون کا غیر مؤثر ہونا ہے۔ اسلام لوگوں کی تربیت بھی کرتا ہے اور قانون کو بھی مؤثر بناتا ہے تا کہ عوام کی زندگیوں کو محفوظ بنایا جا سکے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

- "جس کسی نے زمین کی ایک بالشت (بھی) ظلم کرتے ہوئے کاٹ لی، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے سات زمینوں سے اس کا طوق (بنا کر) پہنائے گا۔" (مسلم)[156]

- "اللہ چور پر لعنت کرے، وہ انڈہ چراتا ہے تو اس کا ہاتھ کٹتا ہے اور رسی چراتا ہے تو اس کا ہاتھ کٹتا ہے۔" (مسلم)[157]

قانونی حوالے سے فرمانِ الٰہی ہے:

"اور جو چوری کرے مرد ہو یا عورت، ان کے ہاتھ کاٹ ڈالو یہ ان کے فعلوں کی سزا ہے اور اللہ کی طرف سے عبرت ہے۔ اور اللہ زبردست ' صاحبِ حکمت ہے۔" (المائدہ:38)

رسول اللہ ﷺ جنہیں تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا، نے اس قانون کو نافذ کر کے دکھایا۔ دورِ نبوت میں ایک عورت نے چوری کر لی تو رسول اللہ ﷺ نے شریعت کے مطابق فیصلہ کیا اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ بعد میں اُس عورت نے اچھی طرح توبہ کر لی اور شادی کر لی۔ اس کے بعد وہ آتی تھیں تو میں ان کی ضرورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا کرتی تھی۔ (البخاری)[158]

اسلامی حکومت قرآن و سنت کی روشنی میں اس برائی کو روکنے کے لیے مؤثر اقدامات کرے گی۔ بظاہر ہاتھ کاٹنے کی سزا بہت شدید معلوم ہوتی ہے لیکن اگر اس پر غور و فکر کیا جائے کہ سال بھر میں دو چار مجرموں کے ہاتھ کٹنے سے لوگ چوری اور ڈکیتی وغیرہ سے باز آجاتے ہیں تو صرف مال ہی محفوظ نہیں بلکہ سینکڑوں لوگوں کی جانیں بھی محفوظ ہوں گی جو ہر سال چوروں اور ڈاکوؤں کے ہاتھوں مارے جاتے ہیں۔ پھر کیا دو چار چوروں کے ہاتھ کٹنا زیادہ شدید ہے یا سینکڑوں بے گناہوں کا قتل اور ان کے مال و جائیداد کا غصب ہونا۔

11. موسمیاتی تبدیلیاں

موسمیاتی تبدیلی قدرتی آب و ہوا میں پیدا ہونے والے بگاڑ کا نام ہے۔ یہ بگاڑ انسان کا ہی پیدا کردہ ہے۔ اشیاءِ ضرورت کا اعتدال سے ہٹ کر اور احتیاط کے بغیر استعمال ہی اس کا موجب ہے۔ اس بے احتیاطی کے باعث موسم شدت اختیار کرتا جا رہا ہے اور لوگ مختلف مصائب کا شکار ہیں۔ اسلامی حکومت موسمیاتی تبدیلیوں کو روکنے کے لیے مؤثر اقدامات اٹھائے گی، ماحول دوست رویے کو پروان چڑھائے گی، زہریلی گیسز کے اخراج کو کنٹرول

کرے گی، جنگلات کو تحفظ فراہم کرے گی، شجر کاری مہم چلائے گی اور دیگر ممکنہ کاوشیں کرے گی تاکہ لوگوں کو رہنے کے لیے صاف شفاف اور صحت مندانہ ماحول مہیا کیا جاسکے۔

12. سیلاب کے مسائل کا سدِباب

عالمی بینک کے مطابق 1950 سے 2010 تک پاکستان میں آنے والے سیلابوں سے 8887 لوگ اپنی جانوں سے ہاتھ دھو چکے ہیں۔ ایک لاکھ نو ہزار 822 دیہاتوں کو جزوی یا کلی طور پر نقصان ہوا ہے۔ ایک کروڑ 40 لاکھ ملین ہیکٹر پر کھڑی فصلیں تباہ ہو چکی ہیں اور سیلاب سے پاکستانی معیشت کو پہنچنے والے نقصان کا تخمینہ 19 ارب ڈالر کا ہے۔ (Independent Urdu)[159]

2022ء کے موسم گرما میں پاکستان میں آنے والے غیر معمولی سیلاب نے تین کروڑ سے زیادہ آبادی کو متاثر کیا جس میں 1700 سے زیادہ لوگ ہلاک اور تقریباً 80 لاکھ افراد بے گھر ہوئے۔ (اقوام متحدہ)[160]

پاکستان کو موسمیاتی تبدیلیوں کی وجہ سے اربوں ڈالر کا سالانہ نقصان ہوتا ہے۔ ملکی تاریخ اور موسمیاتی تبدیلیوں سے آگاہی کے باجود حکمرانوں نے کبھی سنجیدگی سے اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اس کی بنیادی وجہ سے ہم بخوبی واقف ہیں۔ اخلاقیات سے عاری اس نظام میں حکومت، ذمہ داری کی بجائے عیاشی کا اڈہ بن چکی ہے۔ پھر جو عیاش پرست ہزاروں چالیں چل کر اس اڈے پر قابض ہوتا ہے، اسے عوام اور ان کے مسائل سے کیا لینا دینا؟ وہ اپنے کام سے کام رکھتا ہے اور خوب عیاشی کرتا ہے۔ عوام کی آہیں اور سسکیاں اسے سنائی نہیں دیتیں۔

اس کے برعکس اسلامی حکومت کا مزاج یہ ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھوک کی وجہ سے ایک پتھر باندھا تو رسول اللہ ﷺ نے دو پتھر باندھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے گھر اگر فاقے تھے تو رسول اللہ ﷺ کے گھر بھی کئی کئی دن تک چولہا نہ جلا۔ آپؐ نے فرمایا کہ قوم کا سرداران کا خادم ہوتا ہے اور پھر اس پر عمل کرکے دکھایا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رعایا کے بارے میں اس قدر فکر مند تھے کہ فرمایا:

"اگر فرات کے کنارے ایک بکری بھی ناحق مر گئی تو میرا گمان ہے کہ روزِ محشر اللہ تعالی مجھ سے اس کے متعلق پوچھے گا۔"

اسلامی حکومت اسی ذمہ داری کے احساس کے ساتھ کام کرے گی اور موسمیاتی تبدیلیوں سے پیدا ہونے والے مسائل کا بر وقت حل کرے گی تا کہ ہر سال قیمتی جانوں اور مال واملاک کے ضیاع سے ملک کو بچایا جاسکے۔

13. سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی

اسلام پسندوں کے خلاف ایک یہ بھی سازش کی جاتی ہے کہ یہ جدید تعلیم اور سائنس کے مخالف ہیں، حالانکہ یہ الزامات بالکل بے بنیاد ہیں۔ افسوس ناک حقیقت یہ ہے کہ اس وقت اسلامی ممالک میں بھی دینی مدارس کے لیے کوئی مخصوص فنڈز نہیں اور اگر ہیں بھی تو بہت محدود جو کہ وسیع تعلیمی اخرجات کے لیے ناکافی ہیں۔ ایسے میں اسلام پسند اپنی مدد آپ کے تحت مسلمانوں کو دینی تعلیم دے رہے ہیں اور ان کے لیے ممکن نہیں کہ محدود وسائل سے طلبہ کو جدید تعلیم بھی دلوا سکیں۔ لیکن اس مجبوری کا مطلب یہ ہر گز نہیں کہ وہ جدید تعلیم کے مخالف ہیں، بلکہ وہ داد کے مستحق ہیں کہ اتنے بڑے پیمانے پر ملک بھر میں طلباء کو اپنی مدد آپ کے تحت دین کی تعلیمات دے رہے ہیں۔

قرونِ وسطیٰ میں جب حکومتوں نے دین پسندوں کی معاونت کی اور انہیں سائنسی ایجادات کے لیے مواقع فراہم کیے تو مغربی دنیا ان کے عروج کو ایسے دیکھتی تھی جیسے زمین والے ستاروں کی اوج کو حیرانی سے دیکھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کا مقصد آخرت تھا اور جو آخرت کے لیے کام کرتا ہے اس کے جذبے میں اور عارضی دنیا کے لیے کام کرنے والے کے جذبے میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ دنیادار دن کا ایک حصہ محنت کرتا ہے اور اس سے حاصل ہونے والی کمائی سے باقی وقت عیاشی کرتا ہے جبکہ آخرت کے طلبگار کے لیے دنیا امتحان گاہ ہے اور وہ مرتے دم تک جہدِ مسلسل کرتا ہے۔ قرونِ وسطی میں مسلمانوں کی ترقی اسی جہدِ مسلسل کا نتیجہ تھی۔ ڈاکٹر طاہر القادری اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"اسلامی تعلیمات کی بدولت ملنے والی ترغیب سے مسلمان تو تعلیم اور صحت کے میدانوں میں ترقی کی اِس اوج پر فائز تھے جبکہ یورپ کے باسیوں کو پینے کا صاف پانی بھی میسر نہ تھا۔ مسلمانوں کے علمی شغف کا یہ عالم تھا کہ اسلامی دنیا کے ہر شہر میں پبلک اور پرائیویٹ لائبریریوں کی قابل رشک تعداد موجود تھی اور بیشتر لائبریریاں لاکھوں کتابوں کا ذخیرہ رکھتی تھیں۔ قرطبہ، غرناطہ، بغداد اور طرابلس وغیرہ کی لائبریریاں دنیا کا عظم تاریخی اور علمی سرمایہ تصور ہوتی تھیں۔ یورپ کی زبان میں نہ صرف بہت سے ستاروں کے نام عربیُ الاصل (عربی زبان سے نکلنے والے) ہیں بلکہ لاتعداد اصطلاحات بھی داخل کی گئی ہیں جو یورپ پر اسلام کی بھرپور وراثت کی مہرِ تصدیق ثبت کرتی ہیں۔ اندلس کے عظیم سائنسدان ابنِ رشد جسے مغرب میں Averroes کے بدلے ہوئے نام سے یاد کیا جاتا ہے، نے سورج کی سطح کے دھبوں کو پہچانا۔ Gregorian کیلنڈر کی اصلاحات 'عمر خیام' نے مرتب کیں۔ خلیفہ مامون الرشید کے زمانے میں زمین کے محیط کی پیمائشیں عمل میں آئیں جن کے نتائج کی درستگی آج کے ماہرین کے لیے بھی حیران کن ہے۔ سورج اور چاند کی گردش، سورج گرہن، علم المیقات اور بہت سے سیاروں کے بارے میں غیر معمولی سائنسی معلومات بھی البتانی اور البیرونی جیسے نامور مسلم سائنسدانوں نے فراہم کیں۔ مسلمانوں کی علم المیقات (timekeeping) کے میدان میں خصوصی دلچسپی کی وجہ یہ تھی کہ اس علم کا تعلق براہِ راست نمازوں اور روزوں کے معاملات سے تھا۔ یاد رہے کہ البتانی اور البیرونی کا زمانہ صرف تیسری اور چوتھی صدی ہجری کا ہے، گویا یہ کام بھی آج سے گیارہ سو سال پہلے انجام پذیر ہوا۔" (اسلام اور جدید سائنس)[161]

سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر گیارہ سو سال پہلے مسلمان ایسی حیران کن ایجادات کر سکتے تھے جب مغربی دنیا جہالت کی تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی تو آج اس جدید دور میں کیوں ممکن نہیں۔ یہ بالکل ممکن ہے لیکن بدقسمتی سے اس وقت مسلمانوں پر ایسے حکمران مسلط ہیں جو

مغربی طاقتوں کے غلام ہیں اور ان کی پالیسیوں کے مطابق مسلمانوں کو یرغمال بنائے ہوئے ہیں۔ پاکستان کو ایٹمی قوت بنانے والے ڈاکٹر عبد القدیر کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ ان کے ساتھ کیسا افسوس ناک سلوک کیا گیا۔

غلامی کی اس کیفیت میں بقول اقبال:

نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوق یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں!

چنانچہ زیرِ غور تحریک، غلامی کی ان زنجیروں کو کاٹنے کے لیے ہے۔ جس کے بعد باذنِ اللہ اسلامی حکومت مسلمانوں کو خاص مواقع مہیا کرے گی تاکہ وہ علمی و سائنسی میدان میں اپنا لوہا منوا سکیں۔ اور ہم بہت جلد ہی مسلمانوں کو دیگر شعبوں کی طرح اس شعبہ میں بھی پھر سے دنیا کی قیادت کرتے ہوئے دیکھیں گے۔

14. سائبر کرائم کا سدِباب

جہاں ٹیکنالوجی ہماری زندگی کے ہر شعبے کا حصہ بن چکی ہے وہاں اس سے متعلق جرائم بھی بڑھ گئے ہیں۔ کہیں تو شر کے پروردہ اسے شرک، قتل و غارت، دین سے بیزاری، بے حیائی اور دیگر بے شمار برائیں پھیلانے کے لیے استعمال کر رہے ہیں تو کہیں عام لوگ اسے ایک دوسرے کے عیب اچھالنے، الزامات لگانے، نجی زندگی میں مداخلت کرنے اور دیگر برائیوں کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ یہ کوئی زیادہ تعجب کی بات نہیں کیونکہ شر کو جہاں بھی پھلنے پھولنے کا موقع ملتا ہے، وہاں وہ اپنی جڑیں ضرور پھیلاتا اور جماتا ہے۔ تعجب اور افسوس کی بات یہ ہے کہ ذمہ داران نے ٹیکنالوجی کے مثبت استعمال کی ترویج اور منفی استعمال کی روک تھام کے لیے کوئی مؤثر اقدامات نہ کیے جس کی وجہ سے باعمل مسلمانوں کا جینا عذاب ہو گیا ہے۔ ٹیکنالوجی کا استعمال ان کی مجبوری اور اس کے شر سے بچنا ان کے لیے محال ہو گیا ہے۔ کسی نے اگر انٹرنیٹ پر تلاوتِ قرآن بھی سننی ہے تو اکثر اس سے پہلے اشتہار کی صورت میں ناچ گانا لازمی دکھایا جاتا ہے، خبریں سننی ہیں تو کوئی بھی نیوز چینل ایسا نہیں ملے گا جس پر بے پردہ عورتیں بناؤ سنگھار کر کے نہ کھڑی ہوں۔ اس کے علاوہ کچھ پتا نہیں کہ آپ کے ہی

موبائل کو ہیک کر کے کوئی نجی زندگی کی گفتگو اور وڈیو ریکارڈ کر رہا ہو۔ یہ بھی ہو رہا ہے کہ لوگوں کے بیڈ روم اور وارش روم میں خفیہ کیمرے نصب کر دیے جاتے ہیں اور پھر موصول ہونے والی وڈیوز کے ذریعے انہیں بلیک میل کیا جاتا ہے اور بھاری رقوم وصول کی جاتی ہیں۔ اب یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ لوگوں کی عزت، مال اور جان کی حفاظت کرے لیکن بد قسمتی سے یہ بات دیکھنے میں آئی ہے کہ حکومت اور ادارے خود اسے اپنے ہی لوگوں کے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ لوگوں کی نجی زندگی کی وڈیوز ریکارڈ کر کے انہیں بلیک میل کرتے ہیں اور انہیں مجبور کرتے ہیں کہ ہر سچ جھوٹ میں ان کی ہاں میں ہاں ملائیں۔ ایسے ماحول میں کسی بھی ملک کا مقدر سوائے ذلت و پستی کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ آج پاکستان سب کچھ ہونے کے باوجود ذلیل قوموں کی صفِ اول میں کھڑا ہے۔

اسلام کا مزاج یہ ہے کہ ایک طرف انسان کو آداب سکھائے۔ فرمایا:

- "مؤمنو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے (لوگوں کے) گھروں میں، گھر والوں سے اجازت لیے اور ان کو سلام کیے بغیر داخل نہ ہوا کرو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے (اور ہم) یہ نصیحت اس لیے کرتے ہیں کہ شاید تم یاد رکھو۔" (النور:27)
- "اے لوگو جو ایمان لائے ہو، لازم ہے کہ تمہارے مملوک اور تمہارے وہ بچے جو ابھی عقل کی حد کو نہیں پہنچے ہیں، تین اوقات میں اجازت لے کر تمہارے پاس آیا کریں: صبح کی نماز سے پہلے، دوپہر کو جبکہ تم کپڑے اُتار کر رکھ دیتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد۔ یہ تین وقت تمہارے پردے کے وقت ہیں۔" (النور: 58)
- "کسی آدمی کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی کے گھر کے اندر جھانک کر دیکھے جب تک کہ گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہ لے لے۔ اگر اس نے (جھانک کر) دیکھا تو گویا وہ اندر داخل ہو گیا۔" (ترمذی)[162]

اور دوسری طرف شر پسند عناصر کو روکنے کے لیے یہ قانون بھی دے دیا:

- "اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں، پھر چار گواہ لے کر نہ آئیں، ان کو اسی کوڑے مارو اور ان کی شہادت کبھی قبول نہ کرو اور وہ خود ہی فاسق ہیں۔"

(النور:4)

اس آیت کی تفسیر میں سید قطب لکھتے ہیں:

"لوگوں کو ناجائز تہمتوں سے بچانے کی خاطر اور اس الزام کی وجہ سے لوگوں کی عزت کو بچانے کی خاطر قرآن کریم نے حدِ قذف کی سزا میں سختی کی ہے۔ اس قدر سختی کہ اس کی سزا کو ارتکابِ جرم کی سزا کے قریب قریب قرار دیا ہے یعنی اسّی کوڑے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ فیصلہ بھی کیا گیا ہے کہ ایسا شخص فاسق قرار پائے گا اور آئندہ کبھی بھی اس کی شہادت قبول نہ ہو گی۔ پہلی سزا یعنی اسّی کوڑے تو جسمانی سزا ہے اور دوسری سزا تادیبی سزا ہے کہ سوسائٹی کے اندر زنا کا الزام لگانے والے کی بات بے وقعت ہو جائے کہ آئندہ اس کی کسی بات پر کوئی اعتبار نہ ہو گا۔" (فی ظلال القرآن)[163]

ان تعلیمات کی روشنی میں اسلامی حکومت اپنی ذمہ داری کو پورا کرتے ہوئے ٹیکنالوجی کے استعمال سے متعلق جامع قانون بنائے گی اور پھر اس پر عمل درآمد کو یقینی بنائے گی تاکہ لوگوں کی نجی زندگیاں محفوظ ہوں اور وہ اپنے دامن کو داغ دار کیے بغیر ٹیکنالوجی کی نعمت سے مستفید ہو سکیں۔ طوالت سے بچنے کے لیے زیر بحث سماجی جرم سے متعلق چند پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ اسلام ایک جامع دین ہے اور اس نے زندگی کے کسی پہلو کو بھی پیاسا نہیں چھوڑا۔ استنباط و استقرا کے ذریعے تمام چھوٹے بڑے سائبر کرائمز کے بارے میں قانون سازی اور ان کا خاتمہ ممکن ہے۔ اور اسلامی حکومت اللہ تعالیٰ کے حکموں کی پاسداری اور قوم کی فلاح کے لیے اسے ضرور عمل میں لائے گی۔

15. ملکی معاشی حالات میں بہتری

جمہوریت کے گن گانے والا پاکستان تمام تر وسائل کے باوجود 76 سال سے بھیک ہی مانگ رہا ہے، جبکہ افغانستان میں اسلامی نظام قائم ہوئے ابھی تقریباً دو سال ہوئے ہیں اور

افغانستان کی کرنسی دنیا کی بہترین کارکردگی دکھانے والی کرنسیوں میں شامل ہو گئی ہے۔ اور یہ بہت حیرانی کی بات ہے کہ ابھی تک دنیا میں کسی نے نئی افغان حکومت کو تسلیم ہی نہیں کیا اور ان پر بہت سی عالمی پابندیاں عائد ہیں۔ اس کے باوجود معاشی حالت میں تیزی سے بہتری، اسلامی نظام کی عمدگی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ بی بی سی نے افغان کرنسی کی کارکردگی کا جائزہ لیتے ہوا لکھا ہے کہ اگر افغانستان کی کرنسی کی بات کی جائے تو آج کے روز ایک امریکی ڈالر لگ بھگ 79 افغانی کے برابر ہے۔ پاکستان جیسی بدحال معیشت میں یہی ڈالر تقریباً 290 پاکستانی روپے میں دستیاب ہے اور انڈیا جیسی تیزی سے پھلتی پھولتی معیشت کے 84 انڈین روپے ایک امریکی ڈالر کے برابر ہیں۔

گزشتہ ہفتے جب معاشی معاملات پر رپورٹنگ کرنے والے ادارے 'بلومبرگ' نے افغانستان کی کرنسی کو کوارٹر (یعنی گزشتہ تین ماہ) کی بہترین پرفارمنس دکھانے والی کرنسی قرار دیا تو بہت سے لوگوں کی جانب سے اس پر حیرت کا اظہار کیا گیا جبکہ پاکستان کے سوشل میڈیا پر چند صارفین کی جانب سے اسے افغانستان میں برسراقتدار طالبان کی 'کامیابی' قرار دیا گیا۔

تاہم لوگ اس بات پر بھی حیران ہیں کہ ایک ایسا ملک جہاں موجود 'حکومت' کو دنیا کا کوئی ملک باقاعدہ طور پر تسلیم نہیں کرتا، جو عالمی پابندیوں کی زد میں ہے، جس کے بیرون ممالک اثاثے منجمد ہیں اور جہاں بھوک اور افلاس کے ڈیرے ہیں، اس کی کرنسی میں ایسا خاص کیا ہے کہ یہ گزشتہ تین ماہ کے دوران دنیا کی best performing کرنسی رہی ہے!

بی بی سی سے بات کرتے ہوئے افغانستان کے چیمبر آف کامرس کے حکام اور تاجروں نے طالبان کے بعض اقدامات کو سراہا ہے اور کہا ہے کہ سابق حکومت (اشرف غنی کی جمہوری حکومت) کے خاتمے اور طالبان کے آنے کے بعد ان کے بہت سارے مسائل حل ہوئے ہیں اور کچھ مشکلات میں کمی واقع ہوئی ہے جس سے مارکیٹ کی صورتحال میں بہتری آئی ہے۔

افغان چیمبر آف کامرس کے بورڈ کے رکن اور پاک افغان مشترکہ چیمبر کے رکن خان جان الکوزے نے بی بی سی کو بتایا کہ طالبان کے آنے کے بعد جو سب سے بڑا کام ہوا ہے وہ امن کا قیام ہے۔ ان کے مطابق پہلے سامان کی ترسیل کے دوران مختلف جرائم پیشہ گروہ ٹیکس کے نام پر تاجروں سے 'بھتہ' لیتے تھے جس کا اب خاتمہ ہو چکا ہے اور اب کسی اضافی لاگت کے بغیر سامان آسانی سے منڈی میں پہنچ جاتا ہے جبکہ دیگر ہمسایہ ممالک بشمول پاکستان سے بھی سامان کی ترسیل آسان ہوئی ہے۔ خان جان کے مطابق اب ایک ہی حکم ہے اور سب کو ایک طرح سے ڈیل کیا جاتا ہے۔(بی بی سی، اکتوبر 2023)[164]

افغانستان میں معاشی کامیابی کے پیچھے ایک پورا نظام ہے جو کسی بھی ملک یا خطے پر نافذ کیا جائے تو وہ اپنے مثبت اثرات دکھاتا ہے۔ پاکستان میں اسلامی نظام قائم ہونے سے جب موجودہ استحصالی نظام کا خاتمہ ہو گا تو بہت جلد مثبت نتائج آنا شروع ہو جائیں گے۔

16. بے روزگاری میں کمی

موجودہ سرمایہ دارانہ نظام نے ایک طرف بے روزگاری کو فروغ دیا ہے تو دوسری طرف دولت چند ہاتھوں میں دے کر باقی عوام کو غربت کے گڑھوں میں دھکیل دیا ہے۔ لوگوں کو روزگار کے مواقع فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ جبکہ موجودہ نظام میں لوگوں کو خود بے روزگار رکھا جاتا ہے اور پھر جہاں ضرورت ہوتی ہے انتہائی کم اجرت پر ان سے کام لیا جاتا ہے۔ زمینداری نظام کے حوالے سے ڈاکٹر اسرار احمد فرماتے ہیں:

"جو علاقے کسی بھی وقت مسلمانوں نے بزورِ شمشیر فتح کیے ہوں ان کی زمینیں قیامت تک کے لیے خراجی قرار پاتی ہیں۔ پاکستان کی اکثر و بیشتر اراضی بھی خراجی ہے۔ پاکستان کی زمینیں کسی شخص کی ملکیت نہیں، کسی کے باپ کی جاگیر نہیں ہیں۔ یہ جاگیریں انگریز حکمرانوں نے اپنے حواریوں اور کاسہ لیسوں کو مسلمانوں سے غداری کے عوض انعام میں دیں تھیں۔ لہذا جاگیرداروں اور زمین داروں کا حق ملکیت ازخود ساقط ہو جاتا ہے۔ نظامِ خلافت میں ہمیں ایک نیا بندوبست اراضی تشکیل دینا ہو گا تاکہ زمین کے سینے کو چیرنے والے اور اس میں

اپنا خونِ جگر دینے والے کاشتکار کو بھی اس کی محنت کا معاوضہ مل سکے۔ یہ کاشتکار، یہ کسان، یہ ہاری سب کے سب حیوانوں کی سطح پر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ کبھی کمیونزم کے سرخ سویرے کی طرف دیکھتے ہیں اور کبھی کوئی دھوکہ باز کوئی اور سبز باغ دکھا کر انہیں اپنے پیچھے لگا لیتا ہے۔ اس معاملے میں بھی اصل جرم ہمارا ہے کہ اسلام نے جو حل دیا ہے اسے ہم اختیار نہیں کرتے۔ لہذا یہ لوگ پھر چار وناچار کسی دوسرے "ازم" کی طرف رجوع کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ بہر حال جاگیرداری کا سدِ باب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بے پناہ بصیرت کی بنا پر کر دیا تھا اور آج بھی اسی اجتہاد کو بنیاد بنا کر ہم موجودہ زمینداری نظام ختم کر سکتے ہیں۔" (پاکستان میں نظامِ خلافت)[165]

اسلامی حکومت موجودہ استحصالی نظام کا خاتمہ کرے گی اور اسکے متبادل ایک متوازن معاشی نظام پیش کرے گی جس میں ایک عام شخص کو با آسانی روزگار اور مناسب اجرت مل سکے۔

17. غربت کا خاتمہ

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ بعض کو رزق کی فراوانی اور بعض کو تنگی سے آزماتا ہے اور یہ تقسیم دنیا کا نظام چلانے کے لیے بھی ضروری ہے۔ لیکن امیر اور غریب میں اتنا بڑا فرق کہ ایک شخص کی دولت پورے ملک کے جی ڈی پی کے برابر ہو جائے اور دوسری طرف غرباء کو بنیادی ضروریاتِ زندگی بھی میسر نہ ہوں، موجودہ استحصالی نظام کا نتیجہ ہے۔ امریکہ اور دیگر مغربی طاقتوں کی مسلمانوں کے حوالے سے یہ عام پالیسی ہے کہ انہیں معاشی طور پر اتنا بدحال کر دو کہ روٹی، کپڑے اور مکان کا حصول ہی بس ان کی زندگی کا مقصد بن کر رہ جائے۔ اس کے لیے وہ مسلمان حکومتوں کو لالچ اور دباؤ کے ذریعے استعمال کرتے ہیں۔ پاکستان کی موجودہ بدحالی مغربی طاقتوں کی اسی پالیسی کا نتیجہ ہے۔ اسلام کا اپنا مثالی معاشی نظام ہے جسے عملی طور پر رسول اللہ ﷺ نے اور آپؐ کے بعد خلفاء راشدین نے نافذ کر کے دکھایا۔ اسلامی حکومت اس مثالی طریقے کو اپناتے ہوئے غربت کا خاتمہ کرے گی۔

18. اُمراء کا تزکیہ

عموماً کوئی بھی شے حدِ اعتدال سے تجاوز کرتی ہے تو اپنی خوبصورتی اور صحت کھو دیتی ہے۔ یہی معاملہ انسان کا بھی ہے۔ انسان جب اعتدال کو چھوڑ دیتا ہے تو روحانی اور جسمانی طور پر بیمار پڑ جاتا ہے۔ جہاں تک جسمانی بیماری کا معاملہ ہے تو وہ چونکہ ظاہر ہے اور انسان اسے آنکھوں سے دیکھتا ہے، اس لیے اس میں احتیاط بھی کرتا ہے اور علاج بھی کرتا ہے۔ مثلاً زیادہ کھانے کی وجہ سے اگر موٹاپے کا شکار ہو گیا تو وہ اسکا علاج کرتا ہے، ورزش کرتا ہے اور کھانے کے معاملے میں احتیاط کرتا ہے۔ لیکن روحانی بیماریوں کا معاملہ تھوڑا مختلف ہے۔ اس میں ظاہری طور پر بیماری نظر نہیں آتی اور نہ ہی جسمانی بیماریوں کی طرح ان کا علاج کیا جاتا ہے۔ اس لیے کئی مرتبہ انسان اس قدر بیمار ہو جاتا ہے کہ خودکشی کی صورت میں اس کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ نہ وہ خود اس بیماری کو سمجھ سکا ہوتا ہے، نہ ہی کسی دوسرے کو اس کی بیماری نظر آئی ہوتی ہے اور وہ آخر اسی بیماری کی وجہ سے موت کا نوالا بن جاتا ہے۔

اُمراء چونکہ صاحبِ دولت و طاقت ہوتے ہیں اس لیے ان میں بے اعتدالی کے باعث بہت سے روحانی و جسمانی بیماریاں عام ہوتی ہیں۔ اس کی وجہ ایک سادہ سی مثال سے سمجھ لیجیے کہ بالفرض انسانی جسم کی روزانہ کی ضرورت دو روٹیاں ہیں اور ایک شخص کو میسر ہی دو روٹیاں ہیں تو اس کا معاملہ تو آسان ہو گیا، لیکن ایک شخص کے پاس دس روٹیاں ہیں تو اس کے لیے مشکل ہو گا کہ اپنے نفس کو دو روٹیوں پر ہی راضی رکھے۔ اس صورت حال میں ایسے شخص یا ادارے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جو اس شخص کو سمجھائے کہ دو سے زیادہ روٹیاں اس کی صحت کے لیے نقصان دہ ہیں اور اگر وہ پھر بھی بے احتیاطی کرے تو اس پر سختی بھی کرے۔ عموماً اس کام کے لیے مرحلہ وار ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں جس میں سب سے پہلے تو وہ شخص اپنے بارے میں خود ذمہ دار ہوتا ہے، اس کے بعد اہل و عیال اور پھر معاشرہ وغیرہ۔ اور ان سب پر ذمہ دار حکومت ہوتی ہے جو کہ سب سے اہم ہے۔

دورِ حاضر کی حکومتیں چونکہ غیر اسلامی ہیں اس لیے ان کے حکمران بھی ایسے ہیں جو کہ باطن کی آنکھ سے محروم ہیں۔ یہ عوام کی ظاہری ضرورتوں کی تو کسی حد تک ذمہ داری

اٹھاتے ہیں لیکن لاعلمی کے باعث باطنی معاملات سے بالکل غافل رہتے ہیں۔ حکمرانوں کی اس غفلت کے باعث اُمراء خاص طور پر متاثر ہوتے ہیں۔ وہ دولت کی زیادتی سے دلوں کو ویران کرتے ہیں۔ طاقت کے بھوت سے روح کو بے چین و پریشان کرتے ہیں۔ لذتوں کے حصول میں حد سے گزر جاتے ہیں اور یہ تمام تر چیزیں انہیں باطنی طور پر بالکل کھوکھلا کر دیتی ہیں۔ ایک عام آدمی کو جو ایک کپ چائے سے لذت حاصل ہوتی ہے، وہ انہیں رنگ رنگ کے کھانوں سے بھی حاصل نہیں ہوتی۔ ایک عام آدمی کو کسی کے مسکرا کر ملنے سے جو خوشی ملتی ہے، وہ انہیں ہزاروں کی صف بندی، سرخ قالین، پھولوں کی بارش اور اکیس توپوں کی سلامی سے بھی حاصل نہیں ہوتی۔

اسلامی حکومت امراء کی اس ضمن میں امداد کرتی ہے اور شریعت کے بتائے ہوئے مختلف طریقوں سے انکا تزکیہ کرتی ہے۔ جیسے صدقات کے حوالے سے قرآن میں نبی کریم ﷺ سے ارشاد فرمایا:

"ان کے مال میں سے زکوٰۃ قبول کرلو کہ اس صدقہ سے آپ ان کے ظاہر و باطن کو پاک کرتے ہیں اور ان (کے نفسوں) کا تزکیہ کرتے ہیں۔" (التوبہ:103)

مولانا صلاح الدین یوسف اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ صدقے سے مراد فرضی صدقہ یعنی زکوٰۃ بھی ہو سکتی ہے اور نفلی صدقہ بھی۔ نبی ﷺ کو کہا جا رہا ہے کہ اس کے ذریعے سے آپ مسلمانوں کی تطہیر اور ان کا تزکیہ فرما دیں۔ جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ زکوٰۃ و صدقات انسان کے اخلاق و کردار کی طہارت و پاکیزگی کا ایک بڑا ذریعہ ہیں۔ (احسن البیان)[166]

اسی طرح باقی معاملات میں بھی اسلامی حکومت امراء کا تزکیہ کرتی ہے اور انہیں روحانی بیماریوں سے نجات دلاتی ہیں۔ اس لیے اسلامی نظام جتنا غرباء کے لیے نفع بخش ہے اتنا ہی امراء کے لیے بھی نفع بخش ہے جو ان کا روحانی اور جسمانی طور پر تزکیہ کرتا ہے۔

19. بیماریوں میں کمی

اللہ نے قرآن میں کافروں کے بارے میں فرمایا کہ یہ جانوروں کی طرح ہیں یا اس سے بھی بدتر ہیں۔ جانوروں کی طرح اس لیے ہیں کہ جانوروں میں جنسی تقاضی رکھے گئے لیکن

انہیں عقل و شعور نہیں دیا گیا جبکہ انسان میں جنسی تقاضے بھی رکھے گئے اور اسے عقل بھی دی گئی۔ لیکن کافر اس عقل سے کام نہیں لیتے اور اپنے آپ کو جنسی تقاضوں کے حوالے کر دیتے ہیں۔ چنانچہ عقل ہونے کے باوجود، اسے استعمال نہ کرنے کی وجہ سے وہ جانوروں کی طرح کہلائے اور جانوروں سے بدتر اس لیے کہلائے کیونکہ جانوروں میں عقل نہ ہونے کی وجہ سے وہ سرکشی میں ایک حد سے آگے نہیں نکل سکتے لیکن انسان کے پاس چونکہ عقل ہے اور وہ اسے جنسی تسکین کے لیے جب استعمال میں لاتا ہے تو جانوروں سے کہیں زیادہ خطرناک ہو جاتا ہے۔ وہ اگر حکومت و طاقت میں ہو تو پورے کے پورے ملک و معاشرے تباہ کر دیتا ہے، اسے جہاں موقع ملتا ہے لوگوں کی عزتیں تار تار کرتا ہے، جنسی لذت کے لیے آئے دن نئے طریقوں کا اضافہ کرتا ہے۔ ہم جنس پرستی سے شروع ہونے والا سفر اس وقت +LGBTQIA2S تک پہنچ گیا اور مزید ہلاکت کی طرف سفر جاری ہے۔ عقل کے اس منفی استعمال کی وجہ سے وہ جانوروں سے بدتر کہلایا۔

اسی رویے کا تعلق بیماریوں سے بھی ہے۔ بیشتر بیماریاں ایسی ہیں جو غفلت اور بدپرہیزی کے باعث پیدا ہوتی ہیں۔ اسلام نے انسان کو ہر معاملہ میں اعتدال اور پرہیزگاری کی تعلیم دی ہے اور جو اسلام سے جتنا دور ہے، اس میں اسی قدر بے اعتدالی اور بدپرہیزی ہے۔ اور یہی بے اعتدالی اور بدپرہیزی مختلف بیماریوں کا باعث بنتی ہے۔ مثلاً اسلام نے پیٹ بھر کر کھانے سے بار بار منع کیا ہے لیکن اسلام سے دوری کی وجہ ہم میں سے اکثر اس معاملے میں بدپرہیزی کرتے ہیں اور بہت سی بیماریوں کا شکار ہوتے ہیں۔ یہ تو انفرادی معاملہ ہے لیکن بعض ایسے معاملات ہیں جہاں ریاست ذمہ دار ٹھہرتی ہے۔ مثلاً 2019ء کے ایک سروے کے مطابق 165000 لوگ ایڈز کا شکار تھے جن میں سے 38 فیصد نشہ آور انجکشن لگانے کی وجہ سے اس کا شکار ہوئے جبکہ تقریباً 28 فیصد ناجائز جنسی تعلق کی وجہ سے اس بیماری کا شکار ہوئے۔ (National Library of Medicine)[167] اب اس بیماری کی جڑ حکومت ہی کاٹ سکتی ہے، افراد کے بس کا کام نہیں ہے۔ اس طرح بے شمار دیگر بیماریاں ہیں جن کی اصل وجہ حکومتوں کی کمزور پالیسیاں ہیں۔ اس کے علاوہ انفرادی نوعیت کی بیماریوں میں بھی حکومت ہی موردِ الزام ٹھہرتی ہے کیونکہ عوام میں دینی تعلیمات کو عام

کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے جبکہ موجودہ حکومتیں مغربی آقاؤں کی خوشنودی کے لیے تعلیمی نصاب میں سے دن بدن دینی تعلیمات کم کرتی جا رہی ہیں۔

اس لیے اسلامی حکومت بیماریوں کی روک تھام کے لیے بھی مؤثر اقدامات کرے گی اور لوگوں کے لیے بنیادی اسلامی تعلیمات کا بھی انتظام کرے گی تاکہ لوگ اعتدال کی راہ اختیار کر کے بیماریوں سے بچ سکیں۔ اس کے علاوہ موجودہ حکومتوں کی لاپرواہی کی وجہ سے ہسپتالوں کا بھی برا حال ہے۔ اسلامی حکومت اس معاملے میں بھی مؤثر اقدامات اٹھائے گی اور تمام لوگوں کو آسان اور معیاری علاج مہیا کرے گی۔

20. ڈپریشن کا خاتمہ

بعض ماہرینِ صحت کے مطابق پاکستان کی تقریباً 75 فیصد آبادی ڈپریشن کا شکار ہے۔ (Dawn News)[168] بعض کے نزدیک متاثر افراد کی تعداد اس سے کم ہے۔ لیکن اگر ان اعداد و شمار میں نہ بھی پڑیں تو ہمیں یہ بات بخوبی معلوم ہے کہ ہمارے ارد گرد کتنے لوگ ذہنی تناؤ کا شکار ہیں اور یہ تعداد کتنی تیزی سے بڑھتی جا رہی ہے۔ اس کی بہت سی وجوہات ہیں لیکن سب سے بڑی اور بنیادی وجہ دینی تعلیمات سے دوری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور بعض چیزیں اس کی تقدیر میں لکھ دیں جنہیں وہ بدل نہیں سکتا۔ بعض چیزوں میں اسے صحیح و غلط کے انتخاب کا اختیار دیا اور اسی کے مطابق آخرت میں سزا و جزا کا نظام بھی رکھ دیا۔ دوسری طرف نفس و شیطان کو بھی انسان پر مسلط کر دیا۔

اب موجودہ نظام چونکہ طاغوتی طاقتوں کے زیرِ اثر ہے اس لیے اس میں نفس کو خوب پھلنے پھولنے کے مواقع ملتے ہیں۔ نفس جب توانا ہوتا ہے تو دل کمزور پڑ جاتا ہے اور انسان دل کی اتباع سے نکل کر نفس کے زیرِ اثر آ جاتا ہے۔ نفس چونکہ لذتوں کا متلاشی ہے اور مشکلات سے بھاگتا ہے، اس لیے خدا کے بتائے ہوئے صحیح غلط کو چھوڑ کر انسان کو پُر آسائش راستوں پر گامزن کرتا ہے۔ ایسے میں شیطان کو بھی اپنی چال چلنے کا موقع مل جاتا ہے اور وہ ہر صحیح چیز کو انسان کے سامنے مشکل و ناممکن بنا کر پیش کرتا ہے جبکہ ہر غلط چیز کو آسان اور پرکشش بنا کر پیش کرتا ہے۔ ان حالات میں انسان کے لیے صحیح راستے کو جانتے ہوئے بھی

اس پر چلنا مشکل ہو جاتا ہے۔ انسان کی اس کیفیت کو ہم ایک نشے کے عادی شخص کی مثال سے اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ نشئی اس بات کو بخوبی جانتا ہے کہ نشے کا ہر انجکشن اس کے جسم کو اندر اور باہر سے خراب کرتا ہے۔ وہ اس تکلیف کو محسوس کرتا ہے اور اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن وہ اپنے آپ کو بے بس پاتا ہے۔ وہ ہزار چاہ کر بھی اس سے رک نہیں پاتا۔ اسے اس عذاب سے نجات دلانے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ حکومت یا کوئی ادارہ اس کی بحالی کا پروگرام چلائے۔

بس یہی معاملہ اس وقت ہمارا ہے۔ ہم حصولِ لذت کے لیے ایسا ضابطہ حیات اپنائے ہوئے ہیں جو روح و جسم کے لیے زہر قاتل ہے۔ جسم کے زخموں سے تو ہم کسی قدر واقف ہیں اس لیے بہت سے ہسپتال بنا لیے ہیں اور علاج معالجہ ہو رہا ہے لیکن روح کی خرابی سے ناواقفیت ہمیں اس مرض میں مسلسل مبتلا رکھے ہوئے ہے اور دن بدن اس میں شدت آتی جا رہی ہے اور اسی سے ذہنی تناؤ پیدا ہوتا ہے۔ اس کا واحد حل یہی ہے کہ جیسے نشئی کے لیے بحالی کا پروگرام چلایا جاتا ہے اسی طرح ملک کی بحالی کا پروگرام چلایا جائے اور اس پروگرام کا نام ہے اسلامی نظام۔

ہو سکتا ہے یہ اشارے، کنایے بعض کو سمجھ نہ آئے ہوں تو اس مرض کو ایک اور زاویے سے دیکھ لیتے ہیں۔ ہم نے جیسے پہلے ذکر کیا کہ انسان کے بعض معاملات اللہ نے اس کی تقدیر میں لکھ دیے ہیں جو بدل نہیں سکتے، لیکن موجودہ نظام ہمیں سکھاتا ہے:

"If you are born poor, it's not your mistake but if you die poor it's your mistake."

ایسے میں انسان تقدیر کو بدلنے کے لیے جائز و ناجائز طریقے اپنا کر بھی ناکام رہتا ہے۔ اور یہی ناکامی اسے ذہنی تناؤ یعنی ڈپریشن کا شکار کرتی ہے۔ دوسرے وہ معاملات جن میں اسے اختیار دیا گیا ہے، اس میں بھی وہ نفس کی پیروی میں غلط راستہ اختیار کرتا ہے جس کی وجہ سے اسے برے نتائج کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو اس کے لے ذہنی تناؤ (ڈپریشن) کا باعث بنتے ہیں۔ مختصر یہ کہ موجودہ نظام نفس کی عارضی تسکین کا انتظام تو کرتا ہے لیکن اس سے حاصل ہونے والے مہلک نتائج کا اس کے پاس کوئی علاج نہیں۔ اس کے برعکس اسلامی نظام ایک متوازن ماحول مہیا کرتا ہے جس میں انسان کسی بھی قسم کے ذہنی تناؤ سے آزاد ہو جاتا ہے۔ ایسے پاکیزہ

ماحول میں جو تھوڑی سی کوشش کرلیتا ہے، وہ اطمینان کے مقام پر فائز ہو جاتا ہے، جو دنیا میں اس کے لیے باعثِ راحت ہے اور قیامت کے دن بڑے اعزاز سے اسے یوں پکارا جائے گا:

"اے اطمینان پانے والی روح! اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل۔(اس حال میں کہ) تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔(پھر اعلان ہو گا کہ) تو میرے (ممتاز) بندوں میں شامل ہو جا اور میری بہشت میں داخل ہو جا۔" (الفجر: 27تا30)

21. منشیات میں کمی

پاکستان میں جمہوری حکومتوں نے منشیات کے بہت سے دروازے کھول رکھے ہیں اور ان پر نحیف سے دو چار دربان بٹھا دیے ہیں جو الٹا نظام پر بوجھ ہیں۔ ایسے ماحول میں منشیات کی کمی کی امید کرنا سراسر نادانی اور حماقت ہے۔ پاکستان میں اس وقت قانونی طور پر شراب خانے موجود ہیں جیسے راولپنڈی میں مری بروری (Murree Brewery) اور بلوچستان میں غیر ملکیوں کے لیے (Hui Coastal Brewery and Distillery Limited) اس کے علاوہ صرف سندھ میں تقریباً 69 لائسنس یافتہ شراب خانے موجود ہیں۔(ڈان اخبار)[169]

ان شراب خانوں کو لائسنس غیر مسلموں اور غیر ملکیوں کے نام پر جاری کیے گئے ہیں۔ حالانکہ اسلام اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتا اور دوسرا نحیف دربان (قانون نافذ کرنے والے ادارے) اس قابل نہیں کہ اس بات کو یقینی بنا سکیں کہ یہ شراب صرف غیر مسلموں اور غیر ملکیوں ہی کو فروخت ہو۔

2017ء میں سندھ ہائی کوٹ میں رکن قومی اسمبلی رمیش کمار (ہندو) کی درخواست پر سماعت ہوئی جس میں انہوں نے یہ مؤقف اختیار کیا تھا کہ ہمارے مذہب میں شراب کی اجازت نہیں ہے لیکن ہمارے مذہب کے نام پر شراب کی فروخت کے لائسنس جاری کیے گئے، لہٰذا ان شراب خانوں کو بند کیا جائے۔ اگر کسی کو شراب فروخت کرنا ہے یا کسی کو

شراب فروخت کرنے کی اجازت دی جاتی ہے تو ہمارے مذہب کے نام پر نہ دی جائے۔(ڈان نیوز)[170]

اب یہ کتنی افسوس ناک بات ہے کہ شراب جسے اسلام نے اُمّ الخبائث قرار دیا ہے اور تمام بڑے مذاہب بھی اسے حرام قرار دیتے ہیں، اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اس کی پیداوار کے لیے بے بنیاد جواز تراشے گئے ہیں۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ نے بڑا واضح فرمایا تھا کہ شراب دس طرح سے ملعون ہے، یہ لعنت خود اس پر ہے، اس کے نچوڑنے والے پر، نچڑوانے والے پر، اس کے بیچنے والے پر، اس کے خریدنے والے پر، اس کو اٹھا کر لے جانے والے پر، اس شخص پر جس کے پاس اٹھا کر لے جائی جائے، اس کی قیمت کھانے والے پر، اس کے پینے والے پر اور اس کے پلانے والے پر۔(ابن ماجہ)[171]

اس حدیث کو اگر ہم وسیع تناظر میں دیکھیں تو کسی بھی برائی کو روکنے کا مؤثر طریقہ اس میں منقول ہے کہ برائی کے محرکات کا سب سے پہلے سدِ باب کیا جائے۔ جبکہ ہمارے ملک میں یہ ہو رہا ہے کہ شراب خانے کھلے ہوئے ہیں، شراب تیار ہو رہی ہے، خرید و فروخت جاری ہے اور پھر یہ آرزو کی جاتی ہے کہ قوم اس خباثت سے باز رہے۔ یہ ایسے ہی ہے کہ کھیت میں بیج ڈال دیا جائے، ہل جوتا جائے اور پھر یہ آرزو کی جائے کہ فصل نہ اُگے۔ یہ منافقانہ رویہ ہمارے دلوں کے فتور کو واضح کرتا ہے جو حقیقی معنوں میں ایمان لے کر آئے، انہوں نے بس سنا اور اطاعت کی۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں صحابہ کی ایک جماعت کو ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر شراب پلا رہا تھا کہ شراب کی حرمت نازل ہوئی۔ نبی کریم ﷺ نے منادی کو حکم دیا اور انہوں نے اعلان کرنا شروع کیا۔ ابو طلحہؓ نے کہا: باہر جا کے دیکھو یہ آواز کیسی ہے۔ بیان کیا کہ میں باہر آیا اور کہا کہ ایک منادی اعلان کر رہا ہے کہ "خبردار ہو جاؤ، شراب حرام ہو گئی ہے۔" یہ سنتے ہی انہوں نے مجھ کو کہا کہ جاؤ اور شراب بہا دو۔ راوی نے بیان کیا، مدینہ کی گلیوں میں شراب بہنے لگی۔ (صحیح البخاری)[172]

اگر تھوڑا مزید گہرائی میں جایا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ موجودہ نظام کی ساری خباثت دراصل مغربی جمہوریت کا کمال ہے۔ مثلاً پاکستان میں مخلص اکابرین نے بڑی

قربانیاں دے کر ملکی آئین کو کلمہ پڑھوایا تو بھولے بھالے مسلمان بہت خوش ہوئے اور آج تک خوش ہیں۔ اگر کوئی وطنیت کے خلاف بات کر دے تو یہ بھولے بھالے مسلمان فوراً فتویٰ جاری کرتے ہیں، لیکن دوسری طرف ملک میں سود، زنا، شراب، جوا، ظلم، ناانصافی اور ہر بڑی خباثت موجود ہے لیکن وہ خاموش ہیں اور اپنی حبِ الوطنی پر خوش ہیں اور کہتے ہیں کہ کم از کم ملک کا آئین تو اسلامی ہے۔ یعنی شیطان بھی خوش اور مسلمان بھی خوش۔ آگ اور پانی کا یہ ملاپ مغربی جمہوریت کی جادوئی چھڑی سے ہی ممکن ہو سکا ہے۔

اسلامی حکومت اس خود فریبی کا سدِباب کرے گی اور ملک کو صحیح راہ پر گامزن کرے گی جو قوم کی دنیا اور آخرت میں کامیابی کی ضامن ہو۔ جہاں تک منشیات کا تعلق ہے تو اس کے لیے مذکورہ بالا محمدیؐ طریقہ ہی کارآمد ہے اور اس سے انحراف کا کوئی جواز اسلامی حکومت قبول نہیں کرے گی۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے ان یتیموں کے سلسلے میں پوچھا گیا جنہوں نے میراث میں شراب پائی تھی۔ آپؐ نے فرمایا: اسے بہا دو! ابو طلحہؓ نے عرض کیا: کیا میں اس کا سرکہ نہ بنالوں؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں۔ (ابو داؤد)[173]

موضوع ھذا سے متعلق ایک اور بات کی وضاحت کر دوں کہ عموماً شرعی پابندیوں کو ہمارے ہاں منفی بنا کر پیش کیا جاتا ہے، لیکن اگر ہم حقیقت کے آئینے میں دیکھیں تو یہ ہمارے لیے باعثِ رحمت ہیں۔ اقوام متحدہ کے شعبہ صحت کے مطابق شراب کا استعمال ہر سال عالمی سطح پر 3 ملین اموات کے ساتھ ساتھ لاکھوں لوگوں کی معذوری اور خراب صحت کا باعث بنتا ہے۔[174](WHO)

ایک اور رپورٹ کے مطابق سات (7) ملین سے زیادہ لوگ غیر قانونی منشیات کے عارضے کا شکار ہیں اور ہر چار میں سے ایک موت منشیات کے ناجائز استعمال سے ہوتی ہے۔ درحقیقت، قابل پرہیز چیزوں میں سے سب سے زیادہ اموات، بیماریاں اور معذوریاں منشیات کے استعمال سے منسلک ہیں۔ منشیات اور شراب کے عادی افراد میں غیر ارادی طور پر زخمی ہونے، حادثات اور گھریلو تشدد کا خطرہ زیادہ ہوتا ہے۔ (Gateway Foundation)[175]

اب اگر شریعت احتیاطی تدابیر اور قانون کی بالادستی کے ذریعے انسانیت کو اتنے بڑے خسارے سے نکالتی ہے تو کیا یہ رحمت ہی رحمت نہیں ہے؟ ہم سب اس حقیقت کو جانتے ہیں لیکن شہوت پرستی ہمیں جواز اور مخالف دلائل ڈھونڈے پر مجبور کرتی ہے۔ اسلامی حکومت مرحلہ وار قوم کو ان مسائل سے نکالنے کے لیے ٹھوس اقدامات کرے گی۔

22. رشوت کا خاتمہ

اسلام کے نام پر بننے والے اس ملک میں مشکل ہی کوئی کام بغیر رشوت کے ہوتا ہے۔ لوگوں کو جائز کاموں کے لیے بھی رشوت دینی پڑتی ہے۔ بدقسمتی سے یہ برائی اتنی عام ہوگئی ہے کہ لوگوں نے اسے برائی سمجھنا ہی چھوڑ دیا ہے۔ لوگ اس طرح بے شرمی سے رشوت مانگتے ہیں کہ کوئی شریف النفس اپنا قرض بھی واپس نہیں مانگتا۔ اس سے بھی خطرناک مسئلہ یہ ہے کہ رشوت دینے اور لینے والے دونوں نے اس بدترین گناہ کے لیے مختلف جواز تراش لیے ہیں۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رشوت لینے اور دینے والا دونوں ہی دوزخ میں جائیں گے۔ (طبرانی) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے دونوں پر لعنت بھیجی ہے۔ (ترمذی)[176]

ایک اور روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فیصلے میں رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے دونوں پر لعنت بھیجی ہے۔ (ترمذی)[177]

مسروق کہتے ہیں کہ قاضی نے جب ہدیہ لیا تو اس نے حرام کھایا اور جب اس نے رشوت قبول کر لی تو وہ کفر تک پہنچ گیا۔ (سنن نسائی)[178]

نبی کریم ﷺ نے ابن الاتیہ کو بنی سلیم کے صدقہ کی وصول یابی کے لیے عامل بنایا۔ جب وہ نبی کریمؐ کے پاس (وصول یابی کر کے) آئے اور آپؐ نے ان سے حساب طلب فرمایا تو انہوں نے کہا: یہ تو آپ لوگوں کا ہے اور یہ مجھے ہدیہ دیا گیا ہے۔ اس پر نبی کریمؐ نے فرمایا کہ پھر تم اپنے ماں باپ کے گھر کیوں نہ بیٹھے رہے، اگر تم سچے ہو تو وہاں بھی تمہارے پاس ہدیہ آتا۔ پھر آپؐ کھڑے ہوئے اور لوگوں کو خطبہ دیا۔ آپ ﷺ نے حمد و ثنا کے بعد فرمایا: امابعد! میں کچھ لوگوں کو بعض ان کاموں کے لیے عامل بناتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے مجھے سونپے

ہیں، پھر تم میں سے کوئی ایک آتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ مال تمہارا ہے اور یہ ہدیہ ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔ اگر وہ سچا ہے تو پھر کیوں نہ وہ اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر میں بیٹھا رہا تاکہ وہیں اس کا ہدیہ پہنچ جاتا۔ پس اللہ کی قسم! تم میں سے کوئی اگر اس مال میں سے کوئی چیز لے گا بلا حق کے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے اس طرح لائے گا کہ وہ اس کو اٹھائے ہوئے ہو گا۔ آگاہ ہو جاؤ کہ میں اسے پہچان لوں گا جو اللہ کے پاس وہ شخص لے کر آئے گا، اونٹ جو آواز نکال رہا ہو گا یا گائے جو اپنی آواز نکال رہی ہو گی یا بکری جو اپنی آواز نکال رہی ہو گی۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ میں نے آپ کے بغلوں کی سفیدی دیکھی اور فرمایا: کیا میں نے پہنچا دیا۔ (البخاری)[179]

اتنی سخت وعیدوں اور واضح تعلیمات کے بعد بھی پورا ملک اس گناہ میں گردن تک دھنسا ہوا ہے۔ اسلامی حکومت اس گناہ کی روک تھام کے لیے ٹھوس اقدامات کرے گی تاکہ غریب عوام کی استحصالی کے اس گندے رواج کو ختم کیا جا سکے۔ اہل تقویٰ کی اہم عہدوں پر تعیناتی، اُمراء کا احتساب، جرم ثابت ہونے پر سخت سزا اور دینی علوم سے آگاہی کے ذریعے اس گناہ کا سدِباب کیا جائے گا۔

23. سفارش کلچر کا خاتمہ

موجودہ نظام کے زیرِ سایہ بھینس اس کی ہے جس کے پاس لاٹھی ہے۔ ایسے میں ایک عام شخص کو بھینس (یعنی اپنے حقوق) کے حصول کے لیے کوئی نہ کوئی لاٹھی والا (بااثر شخص) تلاش کرنا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی مجرم کی سزا معاف کروانے، بے جرم کو سزا دلوانے اور کسی دوسرے کا حق کھانے کے لیے بھی یہ ہتھیار استعمال کیا جاتا ہے۔ سفارش کلچر سے غریب طبقہ اصل میں متاثر ہوتا ہے۔ انہیں اپنے حقوق کے حصول کے لیے بھی دوسروں کے سامنے عزتِ نفس پامال کر کے سفارش کروانی پڑتی ہے۔ امراء مجرم ہو کر بھی سزاؤں سے بچ جاتے ہیں اور غریب بے جرم ہو کر بھی سزا پاتے ہیں۔ یہ نظام صرف افراد ہی کو متاثر نہیں کرتا بلکہ عدم توازن کی وجہ سے پورے کے پورے معاشرے کو تباہ کر دیتا ہے۔ اسی حقیقت کی وضاحت ہمیں دورِ نبوی ﷺ کے ایک واقعہ سے ملتی ہے۔

"حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مخزومی عورت کا معاملہ جس نے چوری کی تھی، قریش کے لوگوں کے لیے اہمیت اختیار کر گیا اور انہوں نے کہا کہ نبی کریم ﷺ سے اس معاملہ میں کون بات کر سکتا ہے اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پیارے ہیں اور کوئی آپ سے سفارش کی ہمت نہیں کر سکتا؟ چنانچہ اُسامہؓ نے نبی کریم ﷺ سے بات کی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "کیا تم اللہ کی حدوں میں سفارش کرنے آئے ہو۔" پھر آپؐ کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا اور فرمایا: "اے لوگو! تم سے پہلے کے لوگ اس لیے گمراہ ہو گئے کہ جب ان میں کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے لیکن اگر کمزور چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے تھے۔ اور اللہ کی قسم! اگر (معاذاللہ) فاطمہ بنت محمد نے بھی چوری کی ہوتی تو محمد (ﷺ) اس کا ہاتھ ضرور کاٹ ڈالتے۔" (صحیح البخاری)[180]

دراصل یہ انصاف کا نظام ہے جس کی طرف اسلام نے انسانیت کی رہنمائی کی ہے۔ مغربی جمہوریت ایسی کسی بھی خوبی سے محروم ہے اور اس کا عملی مظاہرہ ہم ملکِ پاکستان میں گزشتہ 76 برس سے دیکھ رہے ہیں۔ تقریباً سات دہائیاں نلکی میں رہ کر جو دُم سیدھی نہ ہو سکی، اس پر ایک دن بھی مزید محنت کھلی بیوقوفی ہے۔ 1956ء میں پاکستان کی جمہوریت کو اسلامی قرار دیا گیا اور آج ستر سال گزر جانے کے بعد اس کی وہی حالت ہے بلکہ پہلے سے بھی بدتر ہے۔ اللہ کے احکامات سے بغاوت اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہے۔

اسلامی حکومت مغربی جمہوریت کے چنگل سے قوم کو نجات دلا کر اسلام کی پاکیزہ راہ پر گامزن کرے گی۔ پھر لوگوں کو اپنے حقوق کے لیے کسی سفارش کی ضرورت نہیں پڑے گی اور نہ ہی اُمراء کو کسی کی حق تلفی کی اجازت دی جائے گی۔

24. خودکشی میں کمی

ایک اندازے کے مطابق ہر سال دنیا بھر میں سات لاکھ سے زیادہ افراد خودکشی سے مرتے ہیں۔ 2019 میں ہر سو میں سے ایک موت (1.3٪) خودکشی کا نتیجہ تھی۔

[181](WHO)اگر پاکستان کی بات کریں تو عالمی ادارہ برائے صحت کے 2019 کے سروے کے مطابق ہر ایک لاکھ افراد میں تقریباً نو (9) خودکشیاں ہوئیں۔ [182](ScienceDirect)یعنی سال بھر میں تقریباً بیس ہزار لوگ خودکشی سے مرے۔

یہ کس قدر افسوسناک بات ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اتنی بڑی تعداد میں لوگ اپنے آپ کو خود ہلاک کرتے ہیں۔ ایک انسانی جان اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت تقدس کی حامل ہے۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خانہ کعبہ کا طواف کرتے دیکھا اور آپؐ یہ فرمارہے تھے: تو کتنا عمدہ ہے، تیری خوشبو کتنی اچھی ہے، تو کتنا بڑے رتبہ والا ہے اور تیری حرمت کتنی عظیم ہے، لیکن قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے، مؤمن کی حرمت (یعنی مؤمن کے جان ومال کی حرمت) اللہ تعالیٰ کے نزدیک تجھ سے بھی زیادہ ہے، اس لیے ہمیں مؤمن کے ساتھ حسن ظن ہی رکھنا چاہیے۔ (ابن ماجہ)[183]

انسانی جان کے اسی تقدس کی خاطر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک انسان کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا ہے اور ایک شخص کی جان بچانے کو پوری انسانیت کی زندگانی کا موجب قرار دیا۔ جس طرح دوسرے شخص کی جان لینا ایک کبیرہ گناہ ہے اسی طرح اپنی جان لینا بھی ایک کبیرہ گناہ ہے۔ اسلام نے جیسے قتل وغارت سے انسانیت کو بچانے کے لیے قانونی واخلاقی رکاوٹیں کھڑی کیں ہیں اسی طرح خودکشی کی روک تھام کے لیے بھی رکاوٹیں کھڑی کی ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ نشیب وفراز ہر انسان کی زندگی کا حصہ ہیں۔ کئی مرتبہ وہ اس قدر نشیب میں چلا جاتا ہے کہ اسے اگر خوف اور امید کے ذریعے سہارا نہ دیا جائے تو وہ خودکشی کرلیتا ہے۔ اسلام نے انسان کو یہ دونوں سہارے مہیا کیے ہیں۔ امید دلانے کے لیے فرمایا:

"یقیناً مشکل کے ساتھ آسانی ہے (اور) بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔"

(الشرح:4-5)

اور دوسری طرف بطور نمونہ حضور اکرم ﷺ کی زندگی ہمارے سامنے رکھ دی:

"حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپؐ کو شدید بخار تھا۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ!

آپ کو بہت تیز بخار ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہاں، مجھے ایسا بخار ہوتا ہے جتنا تم میں سے دو آدمیوں کو ہوتا ہے۔ میں نے عرض کیا: یہ اس لیے کہ آپ کا ثواب بھی دوگنا ہے؟ فرمایا: ہاں یہی بات ہے، مسلمان کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے، کانٹا ہو یا اس سے زیادہ تکلیف دینے والی کوئی چیز تو جیسے درخت اپنے پتوں کو گراتا ہے اسی طرح اللہ پاک اس تکلیف کو اس (مسلمان) کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔"(البخاری)[184]

امید کے ساتھ خوف کی دیوار بھی کھڑی کر دی تاکہ مصیبت میں انسان مایوس ہو کر اپنی جان نہ ختم کر دے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

- "جو شخص خود اپنا گلا گھونٹ کر جان دے ڈالتا ہے وہ جہنم میں بھی اپنا گلا گھونٹتا رہے گا اور جو برچھے یا تیر سے اپنے اپنے آپ کو مارے وہ دوزخ میں بھی اس طرح اپنے آپ کو مارتا رہے گا۔"(البخاری)[185]
- "ایک شخص کو زخم لگا تو اس نے (زخم کی تکلیف کی وجہ سے) خود کو مار ڈالا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بندے نے جان نکالنے میں مجھ پر جلدی کی۔ اس کی سزا میں، میں اس پر جنت حرام کرتا ہوں۔"(البخاری)[186]

جب انسان کے پاس ایک طرف مصیبت کے ٹل جانے کی امید ہو گی اور دوسری طرف خودکشی کا انجام پیشِ نظر ہو گا تو وہ کسی صورت ایسی احمقانہ حرکت نہیں کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ متعدد رپورٹس کے مطابق وہ ممالک جو زیادہ مذہبی ہیں، ان میں خودکشی کی شرح کم ہے۔[187](Gallup News)

اسلامی حکومت اس بات کو یقینی بنائے گی کہ دین کی بالادستی کے ذریعے لوگوں کی زندگیوں کو محفوظ بنایا جائے اور انہیں دوسروں کے یا اپنے ہاتھوں ظلم سے بچایا جائے۔

25. ملاوٹ کا خاتمہ

پرافٹ (Profit) کی جانب سے کیے گئے سروے کے مطابق پاکستانی مارکیٹوں میں فروخت ہونے والی 40 فیصد سے زائد ادویات یا تو جعلی یا غیر معیاری ہیں۔ اسی طرح ملک میں

4 ہزار دوا ساز کمپنیاں رجسٹرڈ ہیں جب کہ ایک لاکھ سے زائد کمپنیاں بغیر کسی کے پوچھے ادویات بنا کر فروخت کر رہی ہیں۔[188](Pakistan Today)

سال 2023ء میں تازہ دودھ کے معیار کے جائزہ کے لیے مختلف نمونے لیے گئے اور ان سے یہ بات سامنے آئی کہ تقریباً 78 فیصد دودھ ملاوٹ زدہ تھا۔[189](PJHS)

جنوری 2024ء میں خیبر پختونخوا فوڈ سیفٹی اینڈ حلال فوڈ اتھارٹی کی جانب سے شہریوں کی شکایات کی روشنی میں مجموعی طور پر 26 گھی ملز کا معائنہ کیا گیا جن میں 21 گھی ملز کے نمونے غیر تسلی بخش قرار پائے گئے جنہیں سیل کر دیا گیا ہے۔(مشرق)[190] یعنی تقریباً اسی (80) فیصد فیکٹریاں غیر معیاری اور مضر صحت گھی بنا کر لوگوں کو فروخت کر رہی ہیں۔

یہی حال دیگر اشیائے خورد و نوش کا ہے اور ان غیر معیاری اشیاء کے استعمال سے لوگ مہلک بیماریوں کا شکار ہو رہے ہیں۔ حکومت تمام تر وسائل کے باوجود، معیاری اشیاء کی پیداوار کو یقینی بنانے میں ناکام رہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نہ تو اس باطل نظام کے زیرِ سایہ لوگوں کا تزکیہ ہو رہا ہے کہ وہ اللہ کے خوف سے ایسے جرائم سے باز آجائیں اور نہ ہی قانون نافذ کرنے والے اداروں میں اتنی اخلاقی جرات ہے کہ وہ مجرموں کو باز رکھ سکیں بلکہ وہ اکثر مجرموں کے ساتھ خود ملے ہوتے ہیں اور ان سے بھاری رقوم وصول کرتے ہیں۔

اسلام نے دھوکہ دہی کی روک تھام اور لوگوں کو معیاری اشیاء کی فراہمی کے لیے مؤثر تعلیمات اور قوانین دیے ہیں۔ فرمایا:

> "اے لوگو جو ایمان لائے ہو آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ۔ لین دین ہونا چاہیے آپس کی رضامندی سے اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔ یقین مانو کہ اللہ تمہارے اوپر مہربان ہے۔" (النساء:29)

اس آیت کی تفسیر میں سید قطب لکھتے ہیں:

> "آیات کا یہ سلسلہ اسلامی معاشرے کی تربیت کے ساتھ بھی متعلق ہے اور اسلامی نظام کے شعبہ قانون سے بھی اس کا تعلق ہے۔ اسلامی نظامِ زندگی میں تربیت ' اصلاح اور قانون ساتھ ساتھ کام کرتے ہیں، وہ ایک دوسرے کے ساتھ تکمیلی حیثیت رکھتے ہیں ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں۔ ایک کے سوا دوسرا

مکمل نہیں ہو سکتا۔ قانون سازی سے غرض یہ ہوتی ہے کہ اسلامی معاشرے کی تربیت اور اصلاح کی جائے اور لوگوں کی زندگی کے معاملات کو ایک ضابطے کے تحت لایا جائے۔ قانون سازی کے اندر ایسی ہدایات بھی دی جاتی ہیں جن میں انسانی ضمیر کی تربیت مطلوب ہوتی ہے۔ پھر اس قانون سازی میں اس بات کو بھی پیش نظر رکھا جاتا ہے کہ قانون کا نفاذ بھی اچھی طرح ہو سکے اور خود اسلامی معاشرے کا شعور قانون کے نفاذ کے لیے تیار ہو اور معاشرہ یہ سمجھتا ہو کہ اس قانون کے توڑنے میں نہیں بلکہ اس کے نفاذ میں ہماری مصلحت ہے۔ اسی لیے اسلامی نظامِ حیات میں قانون سازی اور اصلاح وہدایت ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ دلوں کو اللہ سے جوڑا جاتا ہے اور ان میں یہ بات ڈالی جاتی ہے کہ یہ ضابطہ اور یہ قانون اسی رب ذوالجلال کی طرف سے ہے جو ہمیں ہدایت دے رہا ہے۔ یہ صرف اسلامی نظامِ زندگی کا خاصہ ہے کہ اس میں اجتماعی نظام کی اطاعت از خود کی جاتی ہے اور اسلامی نظام کی یہ جامعیت انسان کی واقعی اور عملی زندگی کے لیے نہایت ہی مفید ہے۔ اس سے انسانی ضمیر کی اصلاح بھی ہوتی رہتی ہے اور قانون پر عمل بھی۔ آیات کے اس حصے میں ہمیں حکم دیا جاتا ہے کہ اہل ایمان آپس میں ایک دوسرے کے مال ناجائز طور پر نہ کھائیں اور یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ دوسروں کا مال باہم رضامندی سے تجارتی لین دین کے ذریعے ہی لیا جاسکتا ہے اور دوسروں کے مال کو ناجائز طور پر کھانے کے فعل کو انسان کے قتل سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ بتایا گیا ہے کہ یہ فعل ہلاکت اور تباہی ہے۔ "(فی ظلال القرآن)[191]

اسلامی حکومت لوگوں کی تربیت اور تزکیہ پر بھی زور دے گی اور قانون کو بھی مؤثر بنائے گی تاکہ ملک میں معیاری اور صحت افزا اشیاء کی فراہمی کو یقینی بنایا جاسکے۔

26. ذخیرہ اندوزی کا خاتمہ

دنیا پرستی انسان کو تمام تر اخلاقی حدیں پھلانگنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ وہ بھول جاتا ہے کہ اس کے محلات کتنے لوگوں کے نوالے چھین کر تعمیر ہوئے ہیں۔ وہ اس بات سے غافل ہو

جاتا ہے کہ اسکی حویلی کتنوں کے چراغ بجھا کر روشن ہوئی ہے۔ وہ یہ سوچنا چھوڑ دیتا ہے کہ اسکی عزت افزائی کے لیے کتنوں کو روزانہ ذلت کے پہاڑ اٹھانے پڑتے ہیں۔ اور موجودہ نظام کا یہی سب سے بڑا المیہ ہے۔ دولت کے نشے میں دھت لوگ جہاں اشیاء میں ملاوٹ کے ذریعے لوگوں کی زندگیوں سے کھیلتے ہیں، وہیں ذخیرہ اندوزی کے ذریعے مصنوعی قلت پیدا کر کے وہی اشیاء مہنگے داموں فروخت کرتے ہیں اور غریب عوام کے منہ سے نوالہ چھینتے ہیں۔

ستمبر 2023ء میں کراچی کے علاقے کیماڑی میں اسمگلنگ اور ذخیرہ اندوزی میں ملوث عناصر کے خلاف کارروائی کے دوران دو لاکھ سے زائد چینی و دیگر اجناس کی چھپائی گئی بوریاں برآمد ہوئیں۔ حساس ادارے، پولیس اور ڈی سی کیماڑی نے مشترکہ کارروائی کرتے ہوئے گودام سے ڈیڑھ ارب روپے مالیت کی چینی، کالے اور سفید چنے کی 2 لاکھ بوریاں برآمد کیں۔(ایکسپرس نیوز)[192]

اپریل 2023ء میں ڈپٹی کمشنر سید مشہد رضا کاظمی نے گندم کی ذخیرہ اندوزی روکنے کے لیے تحصیل لودھراں کے مختلف علاقوں کا اچانک دورہ کیا جس میں 2520 میٹرک ٹن ذخیرہ شدہ گندم پکڑی گئی۔ (Tribune)[193]

ستمبر 2022ء میں راولپنڈی ڈویژن میں سیلاب سے متعلق امدادی اشیاء اور اشیائے ضرورت کی ذخیرہ اندوزی اور قیمتوں میں اضافہ کرنے پر تقریباً 56 تاجروں کو گرفتار کیا گیا۔ (Tribune)[194]

ان خبروں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ملک میں ایک بہت بڑے پیمانے پر ذخیرہ اندوزی کی جاتی ہے جس کا ایک چھوٹا سا حصہ پکڑ کر یا اس کی خبر چلوا کر محکمہ خوراک قوم کو اپنی اہمیت کا احساس دلا دیتا ہے۔ اور حکمران چونکہ عیاشی کے لیے حکومت میں آتے ہیں اس لیے انہیں کوئی فکر نہیں کہ عوام کے گھر چولہا بھی جلتا ہے یا نہیں۔ انہیں بس اس بات کی فکر لاحق رہتی ہے کہ کہیں ان کی عیاشی نہ چھن جائے۔ اس وجہ سے وہ عوام کی تھوڑی خدمت بھی کر لیتے ہیں یا کم از کم خادم ہونے کا ڈھنڈورا ضرور پیٹ لیتے ہیں۔

اسلام اس دوغلے رویے کی نفی کرتا ہے اور حکمرانوں کو صحیح معنوں میں عوام کی خدمت کا درس دیتا ہے۔ ذخیرہ اندوزی کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

- "گناہ گار کے سوا کوئی اور شخص ذخیرہ اندوزی نہیں کرتا۔" (مسلم)[195]
- "جو مسلمانوں کے کھانے کی چیزوں کی ذخیرہ اندوزی کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے جذام (کوڑھ) یا افلاس (فقر) میں مبتلا کر دے گا۔" (ابن ماجہ)[196]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ۔ لین دین ہونا چاہیے آپس کی رضا مندی سے اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو، یقین مانو کہ اللہ تمہارے اوپر مہربان ہے۔" (النساء:29)

اس آیت کی تفسیر میں سید قطب لکھتے ہیں:

"باطل طور پر ایک دوسرے کے اموال کھانے میں وہ تمام طریقے شامل ہیں جن کے ذریعے دولت ایک دوسرے کی طرف منتقل ہوتی ہے اور جن کے استعمال کی اجازت اللہ کی جانب سے نہ ہو یا یہ کہ اللہ نے بصراحت اس سے منع کیا ہو، مثلاً دوسرے کا مال دبانا، رشوت لینا، قمار بازی کے ذریعے مال کھانا، ضروریات زندگی کا ذخیرہ کرنا تاکہ مہنگے داموں پر انہیں بیچا جائے اور خرید وفروخت کے وہ تمام طریقے استعمال کرنا جو ممنوع ہیں اور ربا ان سب میں سر فہرست ہے۔" (فی ظلال القرآن)[197]

اسلامی حکومت لوگوں کو لغو باتوں سے نکال کر دینی تعلیمات سے روشناس کرائے گی۔ آج ملک کا بچہ بچہ کرکٹرز، ایکٹرز، فلموں اور ڈراموں کے بارے میں جانتا ہے۔ اسلامی حکومت کے زیرِ اثر جب وہ ایسے ہی دینی تعلیمات سے واقف ہوں گے تو آدھے مسائل از خود حل ہو جائیں گے اور باقی قانون کے بالادستی کے ذریعے یقینی بنائے جاسکتے ہیں۔

27. چادر وچار دیواری کا تقدس

گو کہ برائی ہر دور میں برائی ہے لیکن دورِ حاضر میں ٹیکنالوجی کی وجہ سے بعض برائیاں بہت شدت اختیار کر گئی ہیں۔ عیب جوئی و عیب گوئی، ان برائیوں میں سے ایک ہے۔ لوگ

جہاں ذاتی اغراض و مقاصد کے لیے دوسروں کے خلاف مختلف ہتھکنڈے اپناتے ہیں وہاں عیوب کی تلاش و تشہیر بھی یہی صورت اختیار کر گئی ہے۔ پاکستان میں خاص کر سیاسی رسّہ کشی میں ہم نے اس شرمناک ہتھیار کو استعمال ہوتے ملاحظہ کیا ہے۔ کبھی کسی کی نجی زندگی کی تصویریں سامنے آتی ہیں، کبھی آڈیوز اور کبھی وڈیوز۔ اور اس طرح سیاسی حریفوں کو شکست دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ سیاست کے علاوہ بھی ایک عام انسان ہر وقت خوف زدہ رہتا ہے کہ کہیں کوئی خفیہ کیمرہ اس کی نجی زندگی کی تصویر کشی نہ کر رہا ہو۔ اور کتنے ہی اس طرح کے واقعات سامنے آتے ہیں کہ ہوٹلز، واش رومز اور کپڑے بدلنے کی جگہ وغیرہ میں حفیہ کیمروں سے وڈیوز بنا کر لوگوں سے بھاری رقم وصول کی جاتی ہے یا اس کی تشہیر کر دی جاتی ہے۔ لیکن بد قسمتی سے ان واقعات کی روک تھام کے لیے کوئی مؤثر اقدامات نہ کیے جا سکے جو کہ حکومت کا فرض ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں:

"اے اہلِ ایمان! زیادہ گمان کرنے سے بچو بیشک بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے حالات کی ٹوہ میں نہ رہا کرو۔" (الحجرات:12)

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

"اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنی زبان سے اور ایمان جن کے دل میں داخل نہیں ہوا ہے، مسلمانوں کی غیبت نہ کرو اور ان کے عیوب کے پیچھے نہ پڑو، اس لیے کہ جو ان کے عیوب کے پیچھے پڑے گا، اللہ اس کے عیب کے پیچھے پڑے گا، اور اللہ جس کے عیب کے پیچھے پڑے گا، اسے اسی کے گھر میں ذلیل و رسوا کر دے گا۔" (ابوداؤد)[198]

مولانا مودودیؒ اس سے متعلق فرماتے ہیں کہ لوگوں کے نجی خطوط پڑھنا، دو آدمیوں کی باتیں کان لگا کر سننا، ہمسایوں کے گھر میں جھانکنا اور مختلف طریقوں سے دوسروں کی خانگی زندگی یا ان کے ذاتی معاملات کی ٹٹول کرنا ایک بڑی بد اخلاقی ہے جس سے طرح طرح کے فساد رونما ہوتے ہیں۔ (تفہیم القرآن)[199]

افراد کے علاوہ حکومتیں بھی ذاتی اغراض و مقاصد کے لیے ایسی گھناؤنی حرکتوں میں ملوث نظر آتی ہیں۔ اس حوالے سے مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں کہ تجسس کی ممانعت کا یہ حکم صرف افراد ہی کے لیے نہیں ہے بلکہ اسلامی حکومت کے لیے بھی ہے۔ شریعت نے نہی عن المنکر کا جو فریضہ حکومت کے سپرد کیا ہے اس کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ وہ جاسوسی کا ایک نظام قائم کر کے لوگوں کی چھپی ہوئی برائیاں ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالے اور ان پر سزا دے، بلکہ اسے صرف ان برائیوں کے خلاف طاقت استعمال کرنی چاہیے جو ظاہر ہو جائیں۔ رہیں مخفی خرابیاں تو ان کی اصلاح کا راستہ جاسوسی نہیں ہے بلکہ تعلیم، وعظ و تلقین، عوام کی اجتماعی تربیت اور ایک پاکیزہ معاشرتی ماحول پیدا کرنے کی کوشش ہے۔

اس سلسلے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ واقعہ بہت سبق آموز ہے کہ ایک مرتبہ رات کے وقت آپ نے ایک شخص کی آواز سنی جو اپنے گھر میں گا رہا تھا۔ آپ کو شک گزرا اور دیوار پر چڑھ گئے۔ دیکھا کہ وہاں شراب بھی موجود ہے اور ایک عورت بھی۔ آپ نے پکار کر کہا: "اے دشمن خدا، کیا تو نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تو اللہ کی نافرمانی کرے گا اور اللہ تیرا پردہ فاش نہ کرے گا"؟ اس نے جواب دیا: "امیر المؤمنین جلدی نہ کیجیے۔ اگر میں نے ایک گناہ کیا ہے تو آپ نے تین گناہ کیے ہیں۔ اللہ نے تجسس سے منع کیا تھا اور آپ نے تجسس کیا۔ اللہ نے حکم دیا تھا کہ گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ اور آپ دیوار پر چڑھ کر آئے۔ اللہ نے حکم دیا تھا کہ اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں اجازت لیے بغیر نہ جاؤ اور آپ میری اجازت کے بغیر میرے گھر میں تشریف لے آئے۔" یہ سن کر حضرت عمرؓ اپنی غلطی مان گئے اور اس کے خلاف انہوں نے کوئی کارروائی نہیں کی، البتہ اس سے یہ وعدہ لے لیا کہ وہ بھلائی کی راہ اختیار کرے گا۔ (مکارم الاخلاق لابی بکر محمد بن جعفر الخزائطی)۔

اس سے معلوم ہوا کہ افراد ہی کے لیے نہیں خود اسلامی حکومت کے لیے بھی یہ جائز نہیں ہے کہ وہ لوگوں کے راز ٹٹول ٹٹول کر ان کے گناہوں کا پتا چلائے اور پھر انہیں پکڑے۔ یہی بات ایک حدیث (ابوداؤد)[200] میں بھی ارشاد ہوئی ہے جس میں نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ نے فرمایا:

" حکمران جب لوگوں کے اندر شبہات کے اسباب تلاش کرنے لگے تو وہ ان کو بگاڑ کر رکھ دیتا ہے۔" (تفہیم القرآن)[201]

اسلامی حکومت عوام کی نجی زندگیوں کو محفوظ بنانے کے لیے آئین سازی سے لے کر عمل درآمد کرانے تک خصوصی اقدامات اٹھائے گی اور شریعت کے حکم کی پیروی میں خود بھی کسی ایسی حرکت سے باز رہے گی جس سے عوام کی نجی زندگی متاثر ہوتی ہو۔

28. خواتین کے حقوق کا تحفظ

مغربی طاقتیں کسی صورت خواتین کے حقوق کی محافظ نہیں بلکہ انہوں نے خواتین کے مسائل کو اپنے ناپاک عزائم کے لیے استعمال کیا ہے۔ وہ حقوقِ نسواں کی آڑ میں مسلمانوں کے خاندانی نظام کو اسی طرح تباہ کرنا چاہتے ہیں جس طرح ان کا اپنا نظام شہوات کی پیروی میں تباہ ہو چکا ہے۔ انہیں جہاں کسی اسلامی ملک کے خلاف سازش کی ضرورت پیش آتی ہے، حقوقِ نسواں کے تحفظ کے جھوٹے نعرے لگانا شروع کر دیتے ہیں۔ کیا وہ عافیہ صدیقی، جسے امریکہ میں 86 سال قید کی سزا سنائی گئی ہے، وہ عورت نہیں ہے۔ کیا حجاب پہننے پر خواتین کو جرمانہ کرنا اور پابندیاں عائد کرنا، ان کی حق تلفی نہیں ہے۔ کیا فلسطین میں خواتین کے قتلِ عام اور عصمت دری پر اسرائیل کی معاونت کرنا اور افغانستان اور ایران میں حقوقِ نسواں کے نعرے لگانا، کھلی منافقت نہیں ہے۔ بلاشبہ یہ منافقت ہے اور اس منافقانہ رویے نے اس وقت پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ اکثر مسلمان بھی ان دجالی طاقتوں کو حقوقِ نسواں کے محافظ سمجھ بیٹھے ہیں۔ فریب کی اس فضا میں حقیقت چھپ ضرور گئی ہے، بدلی نہیں ہے۔

حقیقت یہی ہے کہ اسلام نے جاہلی دور کی ناپاک رسومات کا خاتمہ کر کے عورت کو معاشرے میں ایک نمایاں مقام دیا۔ اس کے تمام تر حقوق معین کیے۔ ایسے میں حقوقِ نسواں کے لیے حقیقی کوشش یہی ہے کہ اسلام کو نافذ کیا جائے تاکہ عورت کو اپنا معین حق مل سکے۔ عورت چاہے گھر میں ہو یا بازار میں، اسلام اس کے حقوق کو یقینی بناتا ہے۔ عورت، چاہے ماں ہو، بہن ہو، بیٹی ہو یا بیوی ہو، اسلام اس کے حقوق کا تحفظ کرتا ہے۔ پاکستان میں

خواتین کے تمام تر مسائل اسلامی تعلیمات سے دوری ہی کی وجہ سے ہیں اور ان مسائل کے حل کا راز بھی اسی میں ہے کہ زندگیوں کو اسلامی تعلیمات کے مطابق ڈھالا جائے۔ زندگیوں کو مکمل طور پر اسلامی تعلیمات کے مطابق ڈھالنے کا واحد راستہ اسلامی نظام ہے۔

29. طلاق میں کمی

پوری دنیا میں اس وقت طلاق کی شرح بڑھتی جا رہی ہے۔ اس بارے میں بے شمار سروے موجود ہیں ۔ 2021 میں جاپان میں فی 1000 افراد میں 538 طلاقیں ریکارڈ کی گئیں۔ برطانیہ اور فرانس میں بالترتیب 510 اور 369 ریکارڈ کی گئیں۔ امریکہ میں 342 اور کینیڈا میں 294 طلاقیں ہوئیں۔ اس کے علاوہ سعودی عرب میں 215، میکسیکو میں 202 اور اٹلی میں 175، اسپین میں 172 اور فلپائن میں 141 طاقیں ریکارڈ ہوئیں۔ (Divorce Statistics)[202]

اس تحقیق میں اگر پہلے تین ممالک کو دیکھا جائے تو ان میں طلاق کی شرح 50 فیصد سے زیادہ ہے۔ یعنی تقریباً ہر دو شادیوں میں سے ایک میں طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ یہ کس قدر پریشان کن بات ہے۔ کسی بھی معاشرے کے خاندانی نظام کی اس سے زیادہ کیا بدحالی ہو سکتی ہے۔ ایسے معاشرے میں امن و سکون نام کی شے کیسے پائی جا سکتی ہے؟ ایسے ماحول میں خودکشی اور ڈپریشن کی شرح کیسے نہ بڑھے۔ جہاں تک پاکستان کا معاملہ ہے تو اس کے بھی حالات کچھ اچھے نہیں۔ صرف لاہور میں گزشتہ ایک دہائی کے دوران 269,064 طلاقیں رجسٹر ہوئیں۔ (ایکسپریس)[203] کراچی میں سال 2020ء میں خلع کی شرح میں 700 فیصد اضافہ رپورٹ ہوا۔ (ڈان نیوز)[204] ان اعداد و شمار کے علاوہ معاشرے میں رہتے ہوئے ہم خود بھی اس مسئلہ کی شدت سے بخوبی واقف ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی نظام کیسے اس مسئلے کی شدت میں کمی کو یقینی بنائے گا؟

اس کے لیے ہم پہلے دیکھتے ہیں کہ کن وجوہات کی بنیاد پر اس مسئلے میں شدت پیدا ہوئی۔ گیلپ کے ایک سروے میں لوگوں سے یہی سوال پوچھا گیا جس میں 48 فیصد کا ماننا ہے کہ یہ صبر کی کمی کی وجہ سے ہے، 33 فیصد کا ماننا ہے کہ دین سے دوری کی وجہ سے

ہے۔27 فیصد کے نزدیک مغربی تہذیب کے اثر کی وجہ سے ہے۔ 12 فیصد نے خواتین کو اپنی نوکری کو ترجیح دینے کا ذمہ دار ٹھہرایا اور 9 فیصد کے نزدیک طلاق کی وجہ مرد کی شادی میں عدم دلچسپی ہے۔ (Gilani Research Foundation)[205]

ان کے علاوہ بھی کئی وجوہات ہمارے ذہن میں آتی ہیں لیکن اگر ہم انہی وجوہات کا تجزیہ کریں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان میں سے ہر ایک مسئلہ کا بہترین حل اسلام کے پاس موجود ہے۔ سب سے بڑی وجہ بے صبری بتائی گئی۔ اسلام نہ صرف صبر کی پُرزور تلقین کرتا ہے بلکہ اس کے لیے عملی اقدامات بھی تجویز کرتا ہے۔

- "دو آدمیوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے آپس میں گالم گلوچ کیا، ان میں سے ایک کی آنکھیں سرخ ہو گئیں اور گردن کی رگیں پھول گئیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے ایک ایسا کلمہ معلوم ہے کہ اگر یہ شخص اسے کہہ دے تو وہ (غصے کی) جس کیفیت میں خود کو پا رہا ہے وہ جاتی رہے گی (وہ کلمہ ہے): اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔" (صحیح مسلم)[206]
- "تم میں سے جب کوئی غصہ میں ہو تو اسے چاہیے کہ خاموش ہو جائے۔" (الادب المفرد)[207]

اس طرح کی متعدد روایات اور آپ ﷺ کی زندگی سے مثالیں موجود ہیں جو انسان کو ہر حال میں صبر کا دامن تھام لینے پر قائم رکھتی ہیں۔

طلاق کی دوسری بڑی وجہ دین سے دوری بتائی گئی ہے۔ اسلامی نظام ایسا ماحول مہیا کرتا ہے کہ لوگوں کے لیے دینی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنا ممکن اور آسان ہو جاتا ہے۔ تیسری بڑی وجہ مغربی تہذیب کا اثر بتایا گیا ہے۔ اسلامی حکومت مغربی تہذیب کے خاتمے اور لوگوں کے اندر اسلامی تہذیب کی رغبت پیدا کرنے کے لیے عملی اقدامات کرے گی۔ چوتھی بڑی وجہ خواتین کی نوکری کو زیادہ ترجیح دینا بتائی گئی ہے۔ اسلام موجودہ مادی تصور کی بالکل نفی کرتا ہے جس میں پیسے ہی کو مقصدِ حیات بنا لیا جائے اور اس کے حصول کے لیے اپنا آرام، سکون، رشتے ناطے اور سب کچھ قربان کر دیا جائے۔ اسلام نے عورت کی کفالت کی ذمہ داری مرد پر ڈالی ہے اور عورت کو گھر کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ اسے صرف مخصوص

حالات و واقعات میں گھر سے نکلنے اور کام کاج کی اجازت دی ہے۔ اسلامی حکومت اس بات کو یقینی بنائے گی تاکہ تمام تر متعلقہ مسائل رفع ہو جائیں۔ ایسے میں جب گھر کے معاملات عورت سنبھالے گی اور باہر کے معاملات مرد سنبھالے گا تو دونوں ایک دوسرے پر منحصر ہوں گے جس کی وجہ سے باہمی محبت کی فضا قائم رہے گی اور کبھی طلاق کی نوبت نہیں آئے گی۔

پانچویں وجہ مرد کی عدم دلچسپی بیان کی گئی ہے۔ اسلام میں اس کا بھی بہترین حل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"خبردار سن لو! تم میں سے ہر شخص اپنی رعایا کا نگہبان ہے اور (قیامت کے دن) اس سے اپنی رعایا سے متعلق باز پرس ہو گی۔ لہٰذا امیر جو لوگوں کا حاکم ہو وہ ان کا نگہبان ہے، اس سے ان کے متعلق باز پرس ہو گی۔ آدمی اپنے گھر والوں کا نگہبان ہے اور اس سے ان کے متعلق پوچھا جائے گا۔ عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے اولاد کی نگہبان ہے اس سے ان کے متعلق پوچھا جائے گا۔ غلام اپنے آقا و مالک کے مال کا نگہبان ہے اور اس سے اس کے متعلق پوچھا جائے گا۔ (سمجھ لو کہ) تم میں سے ہر ایک راعی (نگہبان) ہے اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے متعلق پوچھ گچھ ہو گی۔" (ابو داؤد)[208]

اسلام نے متعدد مواقع پر مرد کو اس ذمہ داری کا احساس دلایا ہے۔ مختصر یہ کہ اسلامی حکومت کے قیام سے مجموعی طور پر ایسی فضا قائم ہو گی کہ لوگوں کے لیے دینی تعلیمات کے مطابق زندگیاں گزارنا آسان ہو جائے گا اور ان خود ساختہ مسائل کا از خود سدِباب ہو جائے گا۔

30. بچوں کا تحفظ

موجودہ نظام چاہے کتنا بھی عورتوں اور بچوں کے حقوق کا شور مچائے، حقیقتاً نہ انہیں حقوق دے سکا ہے اور نہ آئندہ کبھی دے سکے گا۔ اس کھوکھلے نظام کی جب کوئی بنیاد ہی نہیں تو پھر یہ کیسے پائیدار ہو سکتا ہے۔ ہر سال 20 نومبر کو بڑے زور شور سے بچوں کا دن منایا جاتا ہے لیکن اس کا کوئی مثبت اثر نظر نہیں آتا۔ امریکہ میں ہر سال چھ لاکھ سے زیادہ بچے زیادتی

کا شکار ہوتے ہیں۔ (NCA)[209] انگلینڈ میں گزشتہ 5 سالوں میں بچوں پر ظلم اور غفلت کے جرائم میں 106 فیصد اضافہ ہوا ہے۔ (NSPCC)[210] پاکستان میں سال 2023ء میں اوسطاً 12 بچے ہر روز جنسی زیادتی کا نشانہ بنے۔ (Sahil Report)[211]

ان اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ نظام بچوں کو تحفظ دینے میں ناکام رہا ہے۔ اس ناکامی کی بنیادی وجہ دینی تعلیمات سے دوری ہے۔ اسلامی حکومت لوگوں کو پاکیزہ ماحول مہیا کرے گی جو ان کے تزکیہ نفس کو یقینی بنائے گا۔ مزید شرعی سزاؤں کے نفاذ کے ذریعے شریر لوگوں پر ہیبت بٹھائی جائے گی۔ جہاں روزانہ درجنوں معصوم بچے زیادتی کا شکار ہو رہے ہیں وہاں اگر سال بھر میں صرف چند مجرموں کو سزا دے دی جائے تو معاشرے کو ان جرائم سے بالکل پاک کیا جا سکتا ہے۔

31. بڑوں کا احترام

گھر، بازار، کارخانہ و کاروبار، الغرض ہر جگہ آج اکثر لوگوں سے یہ بات سننے کو ملتی ہے کہ بڑوں کا احترام ختم ہوتا جا رہا ہے اور یہ حقیقت بھی ہے۔ لیکن ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ کیا یہ رویوں کا تغیر از خود ہوا ہے یا اس کے پیچھے کچھ محرکات ہیں؟ اور اگر محرکات ہیں تو کون سے؟ یہ ایک فطرتی بات ہے کہ کوئی بھی پھل چاہے میٹھا ہو یا کڑوا، از خود وجود میں نہیں آجاتا بلکہ اس کے لیے کچھ ضروری شرائط ہیں جو پوری ہونی لازمی ہیں۔ جیسے بیج، زرخیز زمین اور مناسب آب و ہوا وغیرہ۔ اسی طرح دنیا میں ہر تغیر کے پیچھے کچھ محرکات ہوتے ہیں۔ بڑوں کے احترام میں تغیر کا بنیادی طور پر ایک ہی محرک ہے اور وہ موجودہ نظام ہے۔ یہ نظام انسان کو مادیت و جدیدیت کے عروج پر تو لے گیا لیکن اس دوڑ میں اخلاقیات و روحانیت کو بوجھ جان کر سرِ راہ پھینک گیا جس کی وجہ سے بڑے محترم نہ رہے اور بچوں سے احترام جاتا رہا ہے۔ اب یہ دونوں طبقے حقیقی مجرم (موجودہ نظام) سے صرفِ نظر کر کے ایک دوسرے کو موردِ الزام ٹھہرا رہے ہیں۔

اسلامی حکومت اس بنیادی محرک (موجودہ نظام) کو بدلے گی اور اخلاقیات و روحانیت کو مادیت و جدیدیت کے ساتھ ساتھ لے کر چلے گی۔ اس کے لیے قرآن و سنت کی تعلیمات کو عام کیا جائے گا۔ پھر لوگ جب خرافات کی بجائے دینی تعلیمات سیکھیں گے اور رسول

اللہ ﷺ کے اخلاقِ حسنہ، ان کے دل میں راسخ ہوں گے تو فضا خود بخود بدلنا شروع ہو جائے گی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک بوڑھا آیا، وہ نبی اکرم ﷺ سے ملنا چاہتا تھا، لوگوں نے اسے راستہ دینے میں دیر کی تو آپؐ نے فرمایا:

"وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو ہمارے چھوٹوں پر مہربانی نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے۔" (ترمذی)[212]

32. چھوٹوں سے شفقت

اسلام نے جہاں بڑوں کا احترام کرنے کا حکم دیا ہے، وہیں چھوٹوں سے شفقت کا بھی درس دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"تم لوگ اپنی اولاد کے ساتھ حسن سلوک کرو اور انہیں بہترین ادب سکھاؤ۔" (ابن ماجہ)[213]

اللہ تعالیٰ نے والدین کے دل میں اولاد کی محبت رکھ دی ہے اور اس کو عملی طور پر ہم اپنی زندگیوں میں بھی دیکھتے ہیں حتیٰ کہ جانور بھی اپنے بچوں کے ساتھ انس و محبت رکھتے ہیں۔ اس میں اگر کہیں کوئی کمی بیشی ہے تو دینی تعلیمات کے ذریعے اسلامی حکومت اسے دور کرے گی۔ لیکن دوسری طرف بچوں کے بارے میں یا اپنے سے چھوٹی عمر یا عہدے کے لوگوں کے حوالے سے قابل تردید سلوک نظر آتا ہے۔ خاص کر اس مادہ پرست نظام میں دوسروں کے حقوق کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ ہر شخص کی یہی کوشش ہے کہ اس کی اولاد آسودگی میں ہو، چاہے اسے دوسروں کی اولاد کے منہ سے نوالا ہی کیوں نہ چھیننا پڑے۔ دوسروں کے ساتھ محبت و شفقت کا جذبہ بالکل مانند پڑ گیا ہے۔ اس کے علاوہ جن بچوں کو غربت کے باعث لوگوں کے گھروں یا کاروباری مراکز میں کام کرنا پڑتا ہے، ان کے ساتھ بھی بہت انسانیت سوز سلوک کیا جاتا ہے، جبکہ رسول اللہ ﷺ کا معاملہ یہ تھا کہ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دس سال تک نبی ﷺ کی خدمت کی، آپؐ نے کبھی مجھے اُف تک نہ کہا اور نہ ہی میرے کسی ایسے کام پر جو میں نے کیا ہو یہ کہا ہو: تم نے ایسا کیوں کیا؟ اور نہ ہی کسی ایسے کام پر جسے میں نے نہ کیا ہو، یہ کہا ہو کہ تم نے ایسا کیوں نہیں کیا۔ (ترمذی)[214]

ایک اور روایت میں انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے ہاں آتے تھے اور میرا ایک چھوٹا بھائی تھا جس کی کنیت ابو عمیر تھی، اس کے پاس ایک چڑیا تھی، وہ اس سے کھیلتا تھا، وہ مر گئی۔ پھر ایک دن اچانک نبی اکرم ﷺ اس کے پاس آئے تو اسے رنجیدہ و غمگین دیکھ کر فرمایا: کیا بات ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: اس کی چڑیا مر گئی تو آپؐ نے فرمایا: اے ابو عمیر! کیا ہوا نغیر (چڑیا) کو؟" (ابو داؤد)[215]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "یتیم کی پرورش کرنے والا اس کا اپنا (رشتہ دار) ہو یا غیر ہو، میں اور وہ جنت میں اس طرح ہوں گے۔" پھر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے انگشت شہادت اور درمیان انگلی (کو ملا کر اس) کے ساتھ اشارہ کیا۔ (صحیح مسلم)[216]

اس کے علاوہ اسلام حکمرانوں کو بھی عوام اور ماتحتوں سے محبت و شفقت کا درس دیتا ہے۔ اسلامی حکومت ان تعلیمات کی روشنی میں ایک ایسا معتدل معاشرہ تشکیل دے گی جس میں باہمی حقوق کو بھی یقینی بنایا جائے گا اور انس و محبت کی فضا بھی قائم کی جائے گی۔

33. باہمی بھائی چارہ

موجودہ نظام دنیا پرستی اور خود غرضی کی بنیادوں پر کھڑا ہے۔ اس میں اخلاق کا ڈھنڈورا تو ضرور پیٹا جاتا ہے لیکن درحقیقت اس نام کی کوئی چیز اس میں موجود نہیں۔ ہر شخص کی یہی کوشش ہے کہ دولت جمع کر لوں، چاہے وہ دوسروں کے منہ سے نوالہ چھین کر حاصل ہو۔ ہر شخص یہی چاہتا ہے کہ اسی کے نام کا ڈنکا بجے، چاہے وہ دوسروں کی لاشیں گرا کر ہو۔ انہی بنیادوں پر موجودہ ملک و معاشرے قائم ہیں جس کی وجہ سے بھائی بھائی سے دست و گریباں ہے۔ اسلام اس رویے کی بالکل نفی کرتا ہے اور تمام مخلوق کو اللہ کا کنبہ قرار دے کر اس سے حسن و سلوک کا حکم دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

- "مخلوق اللہ کی عیال (زیر کفالت) ہے اور مخلوق میں سے وہ شخص اللہ کو زیادہ پسند ہے جو اس کی عیال سے اچھا سلوک کرتا ہے۔" (مشکاۃ المصابیح)[217]

- " مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرتا ہے، نہ اسے (ظالموں کے) سپرد کرتا ہے۔ جو شخص اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی فرماتا ہے۔ جو کسی مسلمان سے اس کی ایک تکلیف دور کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کی تکلیفوں میں سے ایک تکلیف دور کرتا ہے۔ جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس (کے عیبوں) کی پردہ پوشی فرمائے گا۔" (مسلم)[218]

اسلامی حکومت لوگوں کے اندر بھائی چارے کے اس جذبے کو اجاگر کرے گی اور انہیں ایسا ماحول مہیا کرے گی جس میں وہ ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر پیار محبت سے رہ سکیں۔ اس کی عملی مثال ہمیں انصار و مہاجرین کے بھائی چارے میں ملتی ہیں جس میں انصار نے مہاجرین کو اپنے مال، جائیداد اور گھر بار میں شریک کر لیا تھا۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ہجرت کر کے) مدینہ آئے تو نبی اکرم ﷺ نے ان کے اور سعد بن ربیع کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا۔ سعد بن ربیع نے عبدالرحمٰن بن عوف سے کہا: آؤ تمہارے لیے اپنا آدھا مال بانٹ دوں، اور میرے پاس دو بیویاں ہیں ان میں سے ایک کو طلاق دے دیتا ہوں، جب اس کی عدت گزر جائے تو اس سے شادی کر لو۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا: اللہ تعالیٰ تمہارے مال اور تمہاری اولاد میں برکت دے، مجھے بازار کا راستہ بتاؤ، انہوں نے ان کو بازار کا راستہ بتا دیا، اس دن وہ (بازار سے) کچھ پنیر اور گھی لے کر ہی لوٹے جو نفع میں انہیں حاصل ہوا تھا۔ اس کے (کچھ دنوں) بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کے اوپر زردی کا اثر دیکھا تو پوچھا: کیا بات ہے؟ (یہ زردی کیسی)۔ کہا: میں نے ایک انصاری عورت سے شادی کی ہے، آپ نے پوچھا: "اس کو مہر میں تم نے کیا دیا؟" کہا: ایک (سونے کی) گٹھلی، (یا گٹھلی کے برابر سونا)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری ہی کا ہو"۔ (ترمذی)[219]

وہب بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے سلمان اور ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں (ہجرت کے بعد) بھائی چارہ کرایا تھا۔ ایک مرتبہ سلمان، ابودرداء سے ملاقات کے لیے گئے۔ تو (ان کی عورت) اُمّ الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بہت

پراگندہ حال میں دیکھا۔ ان سے پوچھا کہ یہ حالت کیوں بنا رکھی ہے؟ اُمّ الدرداء نے جواب دیا کہ تمہارے بھائی ابوالدرداء کو دنیا کی کوئی حاجت ہی نہیں ہے، پھر ابوالدرداء آ گئے اور ان کے سامنے کھانا حاضر کیا اور کہا کہ کھانا کھاؤ، انہوں نے کہا کہ میں تو روزے سے ہوں، اس پر سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں بھی اس وقت تک کھانا نہیں کھاؤں گا جب تک تم خود بھی شریک نہ ہوگے۔ راوی نے بیان کیا کہ پھر وہ کھانے میں شریک ہو گئے (اور روزہ توڑ دیا)۔ رات ہوئی تو ابوالدرداءؓ عبادت کے لیے اٹھے اور اس مرتبہ بھی سلمانؓ نے فرمایا کہ ابھی سو جاؤ۔ پھر جب رات کا آخری حصہ ہوا تو سلمانؓ نے فرمایا: اچھا اب اٹھ جاؤ۔ چنانچہ دونوں نے نماز پڑھی۔ (صحیح البخاری)[220]

لوگوں کے مابین ایسی محبت اور بھائی چارہ مال و دولت کی فراوانی، نئی ایجادات اور سڑکوں، پلوں کی تعمیرات سے نہیں بلکہ دینی تعلیمات سے قائم ہو سکتا ہے۔ قوم جب مذکورہ بالا معاملات میں صراطِ مستقیم پر گامزن ہو جائے گی اور خود غرضی کی زنجیریں توڑ ڈالے گی تو بھائی چارے اور باہمی محبت کی فضا پیدا ہونا شروع ہو جائے گی۔

نتیجہ

حقیقت میں دیکھا جائے تو ہم میں سے ہر کوئی انہی چیزوں کا متلاشی ہے کہ اس کا اچھا روزگار ہو، گھریلو زندگی تنازعات سے پاک اور پر امن ہو، قلبی سکون میسر ہو، چھوٹے احترام کریں، بڑے شفقت سے پیش آئیں، اشیاء خالص ملیں، گھر سے نکلیں تو کسی ڈکیتی چوری کا خوف نہ ہو، سائبر کرائمز کا خاتمہ ہو، کسی کام کے لیے سفارش یا رشوت کی ضرورت نہ پڑے، بیماریوں سے نجات ملے، خواتین اور بچے گھر و بازار میں محفوظ ہوں اور بھائی چارہ اور باہمی محبت ہو۔

اس پُر سکون ماحول کے حصول کا ایک ہی راستہ ہے جو ہمارے خالق و مالک نے متعین کر دیا ہے اسکا نام شریعت ہے۔ بظاہر ہمیں یہ راستہ دشوار لگا، اس لیے ہم نے نئی راہیں تراشنا شروع کیں اور آج تک تراش رہے ہیں۔ تمام ترکاوشوں کے باوجود آج تک کسی کو کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ چنانچہ جس کے ہاتھ میں جو تھوڑا بہت آیا، وہ اسی کو کل سمجھ بیٹھا۔ لیکن ایک انجان کمی کا احساس ہر کسی کے دل میں ہے، جسے پورا کرنے کے لیے ہر کوئی اپنی اپنی چادر کے مطابق پاؤں پھیلا رہا ہے مگر بے حاصل۔ ایسے میں فقیر اس ملک کے ہر فرد کے آگے ہاتھ پھیلاتا ہے کہ اٹھو پھینک دو یہ خود تراشے ہوئے بت اور لوٹ آؤ اس راہ کی طرف، جس کا سفر بھی جنت اور جس کی منزل بھی جنت۔

باب دوازدہم

نامور اسلام پسند شخصیات

یہ ایک حقیقت ہے کہ جب عموماً لوگوں سے کوئی درخواست کی جاتی ہے تو ہر شخص یہی گمان کرتا ہے کہ کوئی دوسرا اس درخواست گزار کی پکار سن کر جواب دے دے گا لیکن جب خاص کر کسی کو مخاطب کرکے درخواست کی جاتی ہے تو وہ اس کا جواب دینا اپنی ذمہ داری تصور کرتا ہے۔ اسی بات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے، میں نے چند معروف مذہبی، سیاسی و سماجی شخصیات کے نام تحریر کر دیے ہیں تاکہ اور کوئی نہ سہی کم از کم ان میں سے کوئی میری عرض سن لے۔ شہرت و مقبولیت کے علاوہ اس بات کو بھی مدِ نظر رکھا گیا ہے کہ ایسے لوگوں کو شامل کیا جائے، جو اُمت کی حالیہ پستی پر رنجیدہ ہیں اور وہ اسے دوبارہ سے عروج پر دیکھنا چاہتے ہیں۔ دوسرا وہ اتحادِ اُمّت کے داعی و حامی ہیں یا کم از کم دوسرے مکاتبِ فکر کے لیے کچھ نہ کچھ نرم گوشہ رکھتے ہیں اور ان کی تکفیر نہیں کرتے۔ ان نکات کی بنیاد پر میں نے فہرست مرتب کرنے کی کوشش کی ہے لیکن یہ عین ممکن ہے کہ لاعلمی کے باعث، مجھ سے کوئی اہم محبِ اسلام شخصیت چھوٹ گئی ہو یا کوئی غیر اہم جماعت میں نے فہرست میں شامل کر دی ہو۔ اس لیے یہ فہرست کسی قسم کے معیار یا درجہ بندی کو ظاہر نہیں کرتی اور نہ ہی یہ پیغام انہی لوگوں کے لیے خاص ہے۔ بلکہ اس کا مقصد اہم شخصیات کو ذمہ داری کا احساس دلانا ہے، اس امید کے ساتھ کہ کوئی تو صاحبِ استطاعت ملک و ملت کی اس ڈوبتی ناؤ کو سہارا دینے کے لیے آمادہ ہو جائے۔

1۔ روایتی علماء

یہاں روایتی علماء سے مراد وہ علماء ہیں جنہوں نے مدارس سے باقاعدہ دینی علوم سیکھے اور اب دوسروں کو پڑھانے میں مصروفِ عمل ہیں۔ انگریزی زبان میں انہیں

Traditionalist کہا جاتا ہے۔ ان علماء میں سے جو علم سے آگے بڑھ کر دین کے قیام کے لیے عملی جدّو جُہد کر رہے ہیں، انہیں Fundamentalists کہا جاتا ہے۔ پاکستان میں چار بڑے مسالک پائے جاتے ہیں اور اسی تناسب سے میں نے روایتی علماء کی فہرست مرتب کرنے کی کوشش کی ہے۔

بریلوی مسلک

1. مفتی منیب الرحمٰن۔ صدر تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان
2. ڈاکٹر طاہر القادری۔ بانی و سرپرست اعلیٰ منہاج القرآن انٹرنیشنل
3. علامہ الیاس عطار قادری۔ بانی و امیر دعوت اسلامی انٹرنیشنل
4. علامہ ثاقب شامی۔ بانی و امیر کنز الہدیٰ انٹرنیشنل
5. پیر محمد رضا ثاقب مصطفائی۔ بانی و امیر ادارۃ المصطفیٰ انٹرنیشنل
6. پیر حسین الدین شاہ۔ سربراہ جامعہ رضویہ ضیاء العلوم راولپنڈی
7. پیر اجمل رضا قادری۔ بانی و امیر تحریک اصلاح معاشرہ
8. ڈاکٹر محمد شفیق امینی۔ امیر تحریک لبیک خیبر پختونخوا
9. پیر سید عنایت الحق۔ امیر تحریک لبیک شمالی پنجاب
10. مفتی حنیف قریشی۔ مدرس جامعہ رضویہ ضیاء العلوم راالپنڈی
11. سید مظفر شاہ قادری۔ معروف عالمِ دین اور بانی و امیر جذبہ ویلفیئر فاؤنڈیشن
12. حاجی محمد عمران عطاری۔ نگرانِ شوریٰ دعوت اسلامی
13. حاجی عبد الحبیب عطاری۔ رکن مجلس شوریٰ دعوت اسلامی
14. مفتی وزیر رضوی۔ تحریک لبیک پاکستان

علماء دیوبند مسلک

15. ڈاکٹر شجاع الدین شیخ۔ امیر تنظیم اسلامی پاکستان
16. مفتی محمد تقی عثمانی۔ چیئرمین وفاق المدارس العربیہ پاکستان۔

17. مولانا طارق جمیل۔ معروف عالمِ دین اور بانی وچیئرمین مولانا طارق جمیل فاؤنڈیشن
18. علامہ زاہد الراشدی۔ معروف عالمِ دین اور بانی الشریعہ اکیڈمی
19. پیر ذوالفقار احمد نقشبندی۔ بانی وسرپرست اعلیٰ آن لائن تعلیمی ادارہ(eMahad)
20. مفتی سید عدنان کاکاخیل۔ بانی وسرپرست اعلیٰ البرہان انسٹی ٹیوٹ
21. مولانا محمد حنیف جالندھری۔ جنرل سیکرٹری وفاق المدارس العربیہ پاکستان
22. مولانا انوار الحق حقانی۔ چانسلر دارالعلوم حقانیہ

علماء اہل حدیث مسلک

23. علامہ ہشام الہی ظہیر۔ بانی وچیئرمین قرآن وسنت ریسرچ فاؤنڈیشن سکول سسٹم
24. علامہ ابتسام الٰہی ظہیر۔چیئرمین قرآن وسنت موومنٹ
25. سید ضیاء اللہ شاہ بخاری۔ سربراہ متحدہ جمیعت اہل حدیث
26. قاری محمد یعقوب شیخ۔ مرکزی رہنما تحریکِ حرمت رسولؐ پاکستان

علماء اہل تشیع مسلک

27. سید جواد نقوی۔ سربراہ جامعہ عروۃ الوثقیٰ لاہور، پاکستان
28. علامہ سید شہنشاہ حسین نقوی۔ چیئرمین القائم ٹرسٹ
29. علامہ محمد امینی شہیدی۔ سربراہ اُمّت واحدہ پاکستان
30. سید نصرت عباس بخاری۔ معروف عالم دین

2۔ جدید علماء

جدید علماء سے مراد وہ مذہبی شخصیات ہیں جنھوں نے عصری درسگاہوں سے تعلیم حاصل کی اور ساتھ اپنے طور پر دینی علوم بھی سیکھے یا ایسے علماء جنھوں نے مدارس سے باقاعدہ علم حاصل کیا اور اس کے بعد عصری علوم بھی سیکھے یا ایسی معروف علمی شخصیات جنھوں نے باقاعدہ کوئی دینی علوم نہیں سیکھے لیکن دین اور دین دار طبقے سے محبت رکھتے ہیں اور وہ دین کو

تحت پر دیکھنا چاہتے ہیں۔ ایک اور اہم بات جسے اس فہرست کو مرتب کرنے میں ملحوظ رکھا گیا ہے کہ ایسا شخص جو روایتی علماء اور مدارس کے بغض و عداوت میں مبتلا ہے، اسے شامل نہ کیا جائے۔ علماء سے مجھے بھی بہت گلے شکوے ہیں جن میں سے کچھ کا میں کتاب میں ذکر بھی کر چکا۔ مگر ان شکوؤں کے لیے کوئی وقت، طریقہ اور جگہ ہوتی ہے۔ علماء اور مدارس کے خلاف مہم چلانا اور اس کے ذریعے لوگوں میں شہرت اور مقبولیت حاصل کرنا، اللہ کے دین سے بغاوت تو ہے ہی، اپنے ساتھ بھی دشمنی ہے۔ کیونکہ علماء انبیاء کے وارثین ہیں اور ہزار خرابیاں سہی، مدارس دینی علوم کے حقیقی مرکز ہیں۔ علماء کی بے پناہ قربانیوں سے اس وقت دنیا کے کونے کونے تک دینی علوم کی بہاریں پہنچ رہی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کے مراتب بیان فرمائے اور رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے ان کے مناقب بیان فرمائے۔ علماء و مدارس ہمارا فخر اور ماتھے کا جھومر ہیں۔ انہیں بدنام کرنے کی بجائے، بہتر بنانا ہمارا مقصد ہونا چاہیے۔ اس معاملہ میں میرے سامنے بہترین مثال Youth Club کے علماء کی ہے۔ وہ جدید معاملات پر بھی گہری نگاہ رکھتے ہیں اور روایتی علماء سے بھی سیکھتے اور ان کا احترام کرتے ہیں۔ جہاں روایتی علماء کی فہرست میں 30 نام شامل کیے ہیں، وہیں جدید علماء کی فہرست میں بھی 25 نام شامل کر رہا ہوں تاکہ کسی قدر مناسبت قائم رہے۔

31. خالد محمود عباسی۔ سینئر ممبر تنظیم اسلامی و شاگرد ڈاکٹر اسرار احمد
32. راجہ ضیاء الحق۔ بانی اور سی ای او یوتھ کلب
33. شیخ عاطف احمد۔ بانی المدرار انسٹی ٹیوٹ
34. شیخ عدیل عارفین۔ سی ای او المدرار انسٹی ٹیوٹ
35. صاحبزادہ سلطان احمد علی۔ چانسلر مسلم انسٹی ٹیوٹ
36. قیصر احمد راجا۔ بانی Revivalists موومنٹ
37. علامہ نعمان نعیم۔ چانسلر جامعہ بنوریہ العالمیہ
38. ڈاکٹر انیق احمد۔ سابق وزیر مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی
39. شاہد مسعود۔ کالم نگار اور سیاسی تجزیہ نگار
40. سید بلال قطب۔ میزبان عالم آن لائن

41. قاسم علی شاہ۔ بانی قاسم علی شاہ فاؤنڈیشن
42. حافظ ڈاکٹر سبیل اکرام۔ مذہبی سپیکر و کالم نگار
43. ڈاکٹر وسیم اللہ شاہین۔ بانی ہیلتھ اینڈ فٹنس سنٹر
44. عبد الوارث گل۔ بانی حقوق الناس سنٹر برائے نو مسلم
45. پروفیسر احمد رفیق اختر۔ معروف صوفی سکالر اور مصنف
46. سید سرفراز احمد شاہ۔ معروف صوفی سکالر اور مصنف
47. عمران یوسفزئی۔ داعی خلافت
48. طٰہٰ بن جلیل۔ کنٹری ہیڈ یوتھ کلب
49. محمد علی۔ سپیکر یوتھ کلب
50. ابو سعد۔ سپیکر یوتھ کلب
51. علی احتشام۔ میڈیا ہیڈ یوتھ کلب
52. مغیرہ لقمان۔ سپیکر یوتھ کلب
53. وجیہہ الدین۔ سپیکر یوتھ کلب
54. ذیشان خالد۔ سپیکر یوتھ کلب
55. حیدر قیصر ستی۔ سپیکر یوتھ کلب

3۔سیاست دان

میرے نزدیک موجودہ سیاسی نظام کے ذریعے اسلامی انقلاب ناممکن ہے جس کا دلائل کے ساتھ میں نے اس کتاب میں ذکر کیا اور اسی بنیاد پر سیاسی مذہبی جماعتوں سے میرا اختلاف ہے۔ لیکن اس کے باوجود سیاسی مذہبی جماعتوں کے خلوص پر انگلی نہیں اٹھائی جاسکتی۔ ان کا طریقہ غلط سہی لیکن مقصد تو وہی ہے جو ہر اسلام پسند کا ہے کہ اللہ کا دین تخت پر آجائے۔ دوسرا مذہبی سیاسی جماعتیں منظم، تجربہ کار اور خاصی عوامی طاقت کی حامل ہیں۔ ایسے میں اسلامی انقلاب کے لیے انہیں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ مذہبی سیاسی جماعتوں کے لیے دعوتِ عام کے طور پر چند معروف شخصیات کا ذکر کر رہا ہوں۔ لیکن جیسے میں نے پہلے

ذکر کیا کہ ہو سکتا ہے کہ کم علمی کی بنیاد پر میں نے کسی غیر معروف اور غیر اہم شخصیت کا نام اس فہرست میں شامل کر دیا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی نہایت اہم شخصیت کا نام رہ گیا ہو۔ اس لیے یہ فہرست کسی خاص معیار کو ظاہر نہیں کرتی بلکہ تمام مذہبی سیاسی جماعتوں اور شخصیات کے لیے دعوتِ عام ہے۔ معروف مذہبی سیاسی شخصیات کی فہرست درج ذیل ہے:

56. حافظ سعد حسین رضوی۔ امیر تحریک لبیک پاکستان
57. پیر ظہیر الحسن شاہ۔ نائب امیر تحریک لبیک پاکستان
58. حافظ نعیم الرحمٰن۔ امیر جماعت اسلامی
59. مشتاق احمد۔ سابق سینیٹر۔ سابق صدر جماعت اسلامی خیبر پختونخوا
60. صاحبزادہ حامد رضا۔ چیئر مین سنی اتحاد کونسل۔ رکن قومی اسمبلی
61. عمران خان۔ سابق پرائم منسٹر۔ سابق چیئر مین پاکستان تحریک انصاف
62. علی محمد خان۔ پاکستان تحریک انصاف۔ رکن قومی اسمبلی
63. مولانا فضل الرحمٰن۔ صدر جمیعت علماء اسلام (ف)
64. مفتی فضل غفور۔ جمیعت علماء اسلام (ف)۔ سابق رکن خیبر پختونخوا اسمبلی
65. حافظ حمد اللہ صبور۔ جمیعت علماء اسلام (ف)۔ سابق سینٹر
66. مفتی قاسم فخری۔ تحریک لبیک پاکستان۔ سابق رکن سندھ اسمبلی
67. عبد اللہ حمید گل۔ چیئر مین تحریک جوانانِ پاکستان
68. معاویہ اعظم طارق۔ پاکستان راہِ حق پارٹی۔ سابق رکن پنجاب اسمبلی
69. سینٹر راجہ ناصر عباس ۔ رہنما مجلس وحدت المسلمین
70. محمد اعجاز الحق۔ صدر پاکستان مسلم لیگ (ض)۔ رکن قومی اسمبلی
71. پیر پگارا۔ صبغت اللہ شاہ راشدی۔ سربراہ گرینڈ جمہوری اتحاد
72. ساجد میر۔ صدر مرکزی جمیعت اہل حدیث پاکستان
73. خالد مسعود سندھو۔ صدر پاکستان مرکزی مسلم لیگ
74. حافظ طلحہ سعید۔ سینئر ممبر پاکستان مرکزی مسلم لیگ
75. شہیر سیالوی۔ پاکستان نظریاتی پارٹی

4۔ صحافی / کالم نگار

ٹیکنالوجی کے اس دور میں جہاں دنیا گلوبل ویلج بن چکی ہے، میڈیا اور اس سے منسلک لوگوں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ حکومتوں کے بنانے اور گرانے کے حوالے سے ہم نے میڈیا کے کردار پر کتاب کے شروع میں بات کی۔ لیکن جہاں کسی ادارے میں برے لوگ پائے جاتے ہیں وہاں اچھے لوگ بھی پائے جاتے ہیں۔ صحافت کی دنیامیں کئی لوگوں کو ہم دیکھتے ہیں کہ حق کا ساتھ کسی صورت نہیں چھوڑتے، چاہے انہیں اس کی بھاری قیمت چکانی پڑے۔ ان میں سے چند معروف صحافیوں کو ذکر کیے دیتاہوں لیکن یہ میڈیاسے منسلک تمام لوگوں کے لیے دعوتِ عام ہے کہ زیر بحث اسلامی انقلاب میں شامل ہو کر پاکستان کا مستقبل اور اپنی آخرت کو محفوظ بنائیں۔ صحافت کی دنیاکی چند اسلام پسند معروف شخصیات درج ذیل ہیں:

76. اوریامقبول جان۔ چیئرمین العلم ٹرسٹ
77. حامد میر۔ کالم نگار، صحافی و مصنف
78. انصار عباسی۔ ایڈیٹر، دی نیوز انٹرنیشل
79. سید اقرار الحسن۔ سرِعام ٹیم۔ ARYنیوز
80. عمران ریاض خان۔ یوٹیوبر
81. سمیع ابراہیم۔ بول نیوز
82. ہارون الرشید۔ کالم نگار
83. جمیل فاروقی۔ بول نیوز
84. اسامہ طیب۔ یوٹیوبر۔ اینکر 92نیوز
85. وسیم بادامی۔ اینکر ARYنیوز

5۔ سماجی و فلاحی شخصیات

اس وقت دنیا بھر میں فلاحی اداروں کا ایک کلیدی کردار ہے۔ خاص کر پاکستان جیسے ملک میں جہاں حکومتیں لوگوں کو بنیادی ضروریات زندگی دینے میں ناکام ہیں، فلاحی ادارے اس کمی کو پورا کرتے ہیں۔ اس میں ایک دلچسپ حقیقت یہ ہے کہ زیادہ تر فلاحی اداروں کے

بانی و سرپرست مذہبی شخصیات ہیں۔ اس لیے اسلامی انقلاب کے حوالے سے انہیں بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ فلاحی تنظیمیں مختلف طریقوں سے اسلامی انقلاب میں معاون ثابت ہو سکتی ہیں۔ چند اہم سماجی و فلاحی شخصیات کے نام درج ذیل ہیں:

86. مولانا بشیر فاروق قادری۔ چیئرمین سیلانی ویلفیئر ٹرسٹ
87. پروفیسر ڈاکٹر حفیظ الرحمٰن۔ صدر الخدمت فاؤنڈیشن
88. فیصل ایدھی۔ چیئرمین ایدھی فاؤنڈیشن
89. محمد رمضان چھیپا۔ بانی و چیئرمین چھیپا ویلفیئر اسوسی ایشن
90. ڈاکٹر محمد امجد ثاقب۔ بانی و چیئرمین اخوت فاؤنڈیشن
91. انصار برنی۔ بانی و چیئرمین انصار برنی ٹرسٹ
92. سید ظفر عباس جعفری۔ بانی و سربراہ JDC فاؤنڈیشن
93. سابق کرکٹر شاہد آفریدی۔ بانی شاہد آفریدی فاؤنڈیشن
94. مولانا یوسف جمیل۔ وائس چیئرمین مولانا طارق جمیل فاؤنڈیشن
95. قاسم مشتاق۔ جنرل سیکرٹری علامہ خادم حسین رضوی ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر سروس

6۔ خواتین

اللہ تعالیٰ نے رنگ رنگ کی مخلوق پیدا کی اور انہیں جدا جدا نعمتوں سے نوازا۔ شیر کو اللہ نے ایسی قوت دی کہ انسان کی عزت افزائی کے لیے اسے شیر سے تشبیہ دی جاتی ہے، دوسری طرف انسان کو عقل و شعور سے نوازا اور وہ جسمانی ناتوانی کے باوجود شیر کو بھی قابو کر لیتا ہے۔ اسی طرح مرد و عورت کو بھی اللہ تعالیٰ نے مختلف صلاحیتوں سے نوازا ہے، اس لیے دونوں کو ایک ترازو میں تولنا پڑلے درجے کی بے وقوفی ہے۔ مغربی دنیا خود بھی اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ مرد و عورت کی جس مساوات کا وہ ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں حقیقت میں ناممکن ہے لیکن جن مقاصد کے لیے ایک ڈھنڈورا پیٹا گیا اس میں وہ ضرور کامیاب ہوئے۔ اب اچھے خاصے باعمل مسلمان بھی اس معاملے میں شکوک و شبہات اور سخت غلطی میں پڑے ہوئے ہیں۔ طوالت کا خوف مجھے مزید تفصیل سے روکتا ہے، مختلف مقامات پر اس

موضوع پر پہلے بات ہو چکی۔ صرف یہاں یہ عرض کر دوں کہ ایک مسلمان کا اللہ اور اس کے دین کے ساتھ اتنا مضبوط رشتہ ہونا چاہیے کہ کوئی بھی جھوٹی اور بے بنیاد دلیل اس کے ایمان کو متذلزل نہ کرنے پائے۔ عین ممکن ہے کہ ناقدین اس بات پر بھی نقطہ چینی کریں کہ زیر غور فہرست میں خواتین کو کم تعداد میں شامل کرنا اور انہیں آخر میں رکھنا، غیر مساوی سلوک ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مرد کو قوی بنایا اور اسے کسبِ معاش، گھر کا تحفظ اور جہاد و قتال وغیرہ کی ذمہ داری سونپی اور عورت کو نازک اور حساس بنایا اور اسے اندرونِ خانہ کی ذمہ داری سونپی۔ اس میں استثنات بھی ہیں مگر عام کلیہ یہی ہے۔ اس بات کے پیشِ نظر صرف چند خواتین کو شامل کیا ہے تاکہ جہاں کوئی امر مردوں کے لیے مشکل و نامناسب ہو وہاں خواتین سے کام لیا جاسکے۔ پہلے یا بعد، کم یا زیادہ لکھنے میں کسی قسم کی افضلیت مقصود نہیں۔ چند اہم خواتین کے اسم گرامی درج ذیل ہیں:

96. ڈاکٹر فرحت ہاشمی۔ بانی الھدیٰ انٹرنیشنل
97. اُمِّ حسان۔ پرنسپل جامعہ حفصہ، اسلام آباد
98. ثروت فاطمہ۔ تحریک لبیک پاکستان۔ سابق رکن سندھ اسمبلی
99. ڈاکٹر حمیرا طارق۔ سیکرٹری جنرل جماعت اسلامی خواتین وینگ
100. خضراء اعظم۔ یوتھ کلب خواتین ہیڈ اسلام آباد

7۔ غیر مسلم

اسلام، مسلم و غیر مسلم میں صرف اس حد تک تفریق رکھتا ہے کہ حق و باطل کے مابین فرق واضح رہے۔ اگر یہ تفریق نہ رکھی جائے تو دنیا میں عظیم فتنہ برپا ہو جائے۔ حالیہ اخلاقی پستی اور ظلم و ستم اسی تفریق کے مٹ جانے کا نتیجہ ہے۔ جہاں تک بنیادی حقوق کا معاملہ ہے تو اسلام اس میں مسلم و غیر مسلم میں تفریق نہیں کرتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”سن لو! جس نے کسی ذمی شخص پر ظلم کیا یا اس کی حق تلفی کی یا اس کی طاقت سے زیادہ اس پر جزیہ عائد کیا یا اس کی رضا مندی کے بغیر اس سے کوئی چیز لی تو روزِ قیامت میں اس کی طرف سے جھگڑا کروں گا۔“(مشکاۃ المصابیح)[221]

اقلیتوں کے مال جان کا تحفظ اور ان کی حقوق کی پاسداری اسلامی حکومت کا فرض ہے۔ اس لیے غیر مسلموں سے بھی درخواست ہے کہ اسلامی حکومت کے قیام کے لیے جدّ و جُہد کریں تا کہ تمام تر حالیہ مظالم کا خاتمہ اور ان کا مستقبل بہتر ہو سکے۔

حوالہ جات

[1] ڈاکٹر اسرار احمد۔ تفسیر بیان القرآن۔ سورۃ الزخرف (43)۔ آیت نمبر 51۔

[2] ڈاکٹر اسرار احمد۔ تفسیر بیان القرآن۔ سورۃ الزخرف (43)۔ آیت نمبر 51۔

[3] Research and Development Cooperation (RAND). Building Moderate Muslim Networks. Page, 149. 2007.
https://www.rand.org/content/dam/rand/pubs/monographs/2007/RAND_MG574.pdf

[4] World101. Contemporary History. How did the United States become a Global Power? Building the Postwar peace. Last Upadted: 14 February 2023.
https://world101.cfr.org/contemporary-history/world-war/how-did-united-states-become-global-power

[5] United States Institute of Peace. Report 93. Islam and Democracy. September 2002. P7.
https://www.usip.org/sites/default/files/resources/sr93.pdf

[6] United States Institute of Peace. Report 93. Islam and Democracy. September 2002. P8.
https://www.usip.org/sites/default/files/resources/sr93.pdf

[7] Pew Research Center. The United States' role in world affairs. 27 June 2023.
https://www.pewresearch.org/global/2023/06/27/the-united-states-role-in-world-affairs/

[8] [8] United States Institute of Peace, Report 93, Islam and Democracy, September 2002, P8

[9] Research and Development Cooperation (RAND). The Muslim World after 9/11. Islam and Politics in Pakistan. P 280. 2023.

[10] Dr. Tahir ul Qadri. Resignation from NA. P 30. Minhaj ul Quran.
https://www.minhaj.net/images-db/resignation.pdf

[11] Pakistan Army Chief General Qamar Javed Bajwa. Express Tribune. Gen Bajwa hopes army to stay apolitical. 28 November 2022.
https://tribune.com.pk/story/2388574/gen-bajwa-hopes-army-to-stay-apolitical

[12] The Express Tribune. 1990 Elections scandal: Habib says the Army Chief used him. 08 March 2012.

https://tribune.com.pk/story/347218/asghar-khan-petition-former-mehran-bank-chief-admits-distributing-rs400m

[13] The Express Tribune. Asghar Khan case short order: Full text. Serial-2 (5). 19 October 2012.
https://tribune.com.pk/story/453773/asghar-khan-case-short-order-full-text

[14] جنگ نیوز۔کامران رضی۔سندھ اسمبلی میں کس کس نے حلف نہیں لیا؟24فروری 2024۔
https://jang.com.pk/news/1323942

[15] جیو نیوز۔مولانا نے انتخابی نتائج مسترد کر دیے۔14فروری 20244۔
https://urdu.geo.tv/latest/355567-

[16] ڈان نیوز۔الیکشن کے خلاف احتجاج آئینی حق ہے: سربراہ جی ڈی اے۔16 فروری 2024۔
https://www.dawnnews.tv/news/1225374

[17] دنیا نیوز۔عوام کی مسترد کردہ جعلی لیڈرشپ کو سندھ اسمبلی میں بٹھایا گیا ہے۔24فروری 2024۔
https://urdu.dunyanews.tv/index.php/ur/Pakistan/793832

[18] نوائے وقت۔الیکشن مسترد، دھاندلی نہیں دھاندلے ہوئے ہیں نتائج چیلنج کریں گے۔10فروری 2024۔
https://www.nawaiwaqt.com.pk/10-Feb-2024/1764497

[19] اردو پوائنٹ۔ انتخابات میں دینی جماعتوں کو ایک سازش کے تحت دیوار کے ساتھ لگانے کی کوشش کی گئی۔ 12 فروری 2024۔
https://www.urdupoint.com/daily/livenews/2024-02-12/news-3913606.html

[20] دنیا نیوز۔سینٹ اجلاس: سینیٹر مشتاق احمد کا چیف الیکشن کمشنر سے مستعفی ہونے کا مطالبہ۔20فروری 2024۔
https://urdu.dunyanews.tv/index.php/ur/Pakistan/792819

[21] ایکسپریس نیوز۔ مشرف سزائے موت سے پہلے مر دہ ملیں تو لاش ڈی چوک پر تین دن لٹکائی جائے، عدالت کا تفصیلی فیصلہ۔ 19 دسمبر 2019۔
https://www.express.pk/story/1922212/1/

[22] Daily Pakistan - سینیٹ، پرویز مشرف کیلئے فاتحہ خوانی پر تنازع، سینیٹر مشتاق کا دعا کرانے سے انکار۔ 7 فروری 2023۔
https://dailypakistan.com.pk/07-Feb-2023/1542053

[23] ڈاکٹر اسرار احمد۔علامہ اقبال، قائد اعظم اور نظریہ پاکستان۔مکتبہ خدام القرآن لاہور۔ایڈیشن، اگست 2023ء۔ص 52۔

[24] Arab News. Ahmad Bilal Mehboob. How are political parties funded in Pakistan? Published, 31 August 2022.
https://www.arabnews.pk/node/2153886

[25] Dawn News. Ahmad Bilal Mehboob. How is politics funded in Pakistan? Published, 4 December 2023.

https://www.dawn.com/news/1794892

[26] Dawn News. Iftikhar A. Khan. 'Ticket fees' major money spinner for parties. Published, 27 November 2023.
https://www.dawn.com/news/1792845

[27] The Express Tribune. Qaiser Sherazi. ECP Officials to start issuing nomination papers today. Published, 19 December 2023.

[28] Election Commission of Pakistan, Election Laws (Eligibility to be a voter)
https://ecp.gov.pk/election-laws-eligibility-to-be-a-voter

[29] سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ خلافت وملوکیت۔ ناشر ادارہ ترجمان القرآن۔ ایڈیشن، 29 اپریل 2022ء۔ باب سوم، خلافت راشدہ اور اسکی خصوصیات۔ موضوع، انتخابی خلافت۔ ص 84 اور 85۔

[30] سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ خلافت وملوکیت۔ ناشر ادارہ ترجمان القرآن۔ ایڈیشن، 29 اپریل 2022ء۔ باب سوم، خلافت راشدہ اور اسکی خصوصیات۔ موضوع، انتخابی خلافت۔ ص 87۔

[31] سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ خلافت وملوکیت۔ ناشر ادارہ ترجمان القرآن۔ ایڈیشن، 29 اپریل 2022ء۔ باب ہشتم، خلافت اور اسکے متعلقہ مسائل میں امام ابو حنیفہ کا مسلک۔ موضوع، خلافت کے انعقاد کا صحیح طریقہ۔ ص 249۔

[32] سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ خلافت وملوکیت۔ ناشر ادارہ ترجمان القرآن۔ ایڈیشن، 29 اپریل 2022ء۔ باب ہشتم، خلافت اور اسکے متعلقہ مسائل میں امام ابو حنیفہ کا مسلک۔ موضوع، خلافت کے انعقاد کا صحیح طریقہ۔ ص 249 اور 250۔

[33] سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ خلافت وملوکیت۔ ناشر ادارہ ترجمان القرآن۔ ایڈیشن، 29 اپریل 2022ء۔ باب سوم، خلافت راشدہ اور اسکی خصوصیات۔ موضوع، انتخابی خلافت۔ ص 86۔

[34] سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ خلافت وملوکیت۔ ناشر ادارہ ترجمان القرآن۔ ایڈیشن، 29 اپریل 2022ء۔ باب سوم، خلافت راشدہ اور اسکی خصوصیات۔ موضوع، انتخابی خلافت۔ ص 85 اور 86۔

[35] Dr Israr Ahmad. Global Social Sciences Review. An Analytical Study of Political Philosophy of Dr. Israr Ahmad about Caliphate.
https://www.gssrjournal.com/fulltext/an-analytical-study-of-political-philosophy-of-dr-israr-ahmad-about-caliphate/394135#

[36] سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ خلافت وملوکیت۔ ناشر ادارہ ترجمان القرآن۔ ایڈیشن، 29 اپریل 2022ء۔ باب پنجم، خلافت و ملوکیت میں فرق۔ موضوع، تقرر خلیفہ کے دستور میں تبدیلی۔ ص 158۔

[37] Dr Israr Ahmad. Global Social Sciences Review. An Analytical Study of Political Philosophy of Dr. Israr Ahmad about Caliphate.
https://www.gssrjournal.com/fulltext/an-analytical-study-of-political-philosophy-of-dr-israr-ahmad-about-caliphate/394135#

[38] Firstpost. Afghanistan: OIC to send Islamic scholars to Kabul, will discuss women's rights with Taliban. 18 March 2023

https://www.firstpost.com/world/afghanistan-oic-to-send-islamic-scholars-to-kabul-will-discuss-womens-rights-with-taliban-12313762.html

[39] Election Commission of Pakistan Notification. Code of Conduct for Political Parties, Contesting Candidates and Election Agents. Section 6. 17th August 2022.

[40] Quran & Hadith Library. Ibn-e-Kaseer. Tafseer. Surah An-Nisaa : 34. http://equranlibrary.com/tafseer/ibnekaseer/4/34

[41] Quran & Hadith Library. Molana Ameen Ahsan Islahi. Tadabur ul Quran – Surah An-Nisaa: 34, http://equranlibrary.com/tafseer/tadabburequran/4/34

[42] Quran & Hadith Library. Molana Salah ud Din Yousaf. Ahsan ul Bayan. Surah An-Naml: 23. http://equranlibrary.com/tafseer/ahsanulbayan/27/23

[43] امام الترمذی۔ ابو عیسیٰ محمد۔ جامع الترمذی۔ کتاب الفتن۔ حدیث نمبر 2266۔

[44] امام البخاری۔ محمد بن اسماعیل۔ صحیح البخاری۔ کتاب المغازی۔ حدیث نمبر 4425۔

/https://hamariweb.com/islam/hadith/sahih-bukhari-4425

[45] United States Institute of Peace. Report 93. Islam and Democracy. September 2002. P9. https://www.usip.org/sites/default/files/resources/sr93.pdf

[46] United States Institute of Peace. Report 93. Islam and Democracy. September 2002. P7. https://www.usip.org/sites/default/files/resources/sr93.pdf

[47] United States Institute of Peace. Report 93. Islam and Democracy. September 2002. P9. https://www.usip.org/sites/default/files/resources/sr93.pdf

[48] United States Institute of Peace. Report 93. Islam and Democracy. September 2002. P9. https://www.usip.org/sites/default/files/resources/sr93.pdf

[49] United States Institute of Peace. Report 93. Islam and Democracy. September 2002. P10. https://www.usip.org/sites/default/files/resources/sr93.pdf

[50] United States Institute of Peace. Report 93. Islam and Democracy. September 2002. P10. https://www.usip.org/sites/default/files/resources/sr93.pdf

[51] Dr. Tahir ul Qadri. Resignation from NA. P 14. Minhaj ul Quran. https://www.minhaj.net/images-db/resignation.pdf

[52] ابن قتیبہ دینوری۔ ابو محمد بن عبداللہ بن مسلم (المتوفی 276ھ)۔ عیون الاخیار۔ ص 1/55
https://archive.org/stream/waq11629/01_11629#page/n54/mode/2up

[53] The Christian Science Monitor. Issam Bilal. US funding for Pakistani Journalists raises questions of transparency. 02 September 2011. https://www.csmonitor.com/World/Asia-South-Central/2011/0902/US-funding-for-Pakistani-journalists-raises-questions-of-transparency

[54] The Christian Science Monitor. Issam Bilal. US funding for Pakistani Journalists raises questions of transparency. 02 September 2011. https://www.csmonitor.com/World/Asia-South-Central/2011/0902/US-funding-for-Pakistani-journalists-raises-questions-of-transparency

[55] The Economic Times. Accusations of pumping money into Pakistani media 'Misleading': US. Last Updated. 12 May 2014. https://economictimes.indiatimes.com/news/international/world-news/accusations-of-pumping-money-into-pakistan-media-misleading-us/articleshow/35031231.cms?from=mdr

[56] The Nation. New scam against PTI surfaces; Public money used to tarnish institutions image through social media. 25 October 2023. https://www.nation.com.pk/25-Oct-2023/new-scam-against-pti-surfaces-public-money-used-to-tarnish-institutions-image-through-social-media

[57] Imran Riaz Khan. UNewsTV.com. They have threatened to cut my tongue – Imran Riaz Khan's interview after his speech. 18 August 2022. https://www.unewstv.com/229153/they-have-threatened-to-cut-my-tongue-imran-riaz-khan-s-interview-after-his-speech

[58] Iran crack down on protests on Mansha Amini's death Anniversary. 17 September 2023. https://www.aljazeera.com/news/2023/9/17/iran-detains-mahsa-aminis-father-cracks-down-on-protests-rights-groups

[59] Express Tribune. Per person debt jumped by 21%. 29 January 2023. https://tribune.com.pk/story/2398242/per-person-debt-jumps-by-21

[60] امام البخاری۔ محمد بن اسماعیل۔ صحیح البخاری۔ کتاب الاحکام۔ حدیث نمبر 7147۔
https://hamariweb.com/islam/hadith/sahih-bukhari-7147/

[61] Riyad as-Salihin. The Book of Miscellany. Hadith 679. https://sunnah.com/riyadussalihin:679

[62] Research and Development Cooperation (RAND). The Muslim World after 9/11. Page, 7. 2023.

---

https://www.rand.org/content/dam/rand/pubs/monographs/2004/RAND_MG246.pdf

[63] Research and Development Cooperation (RAND). The Muslim World after 9/11. Islam and Politics in Pakistan. P 291. 2023.
https://www.rand.org/content/dam/rand/pubs/monographs/2004/RAND_MG246.pdf

[64] Research and Development Cooperation (RAND). Graham E. Fuller. Islamic Fundamentalism in Pakistan. Summary. Page, v. 1991.
https://www.rand.org/content/dam/rand/pubs/reports/2007/R3964.pdf

[65] Research and Development Cooperation (RAND). The Muslim World after 9/11. Islam and Politics in Pakistan. P 293. 2023.

[66] Mishkat al-Masabih 3925. Chapter on Jihad.
https://sunnah.com/mishkat:3925

[67] شاہ ولی اللہ کی چالیس احادیث۔ حدیث نمبر 33۔
https://sunnah.com/shahwaliullah40:34

[68] امام البخاری۔ محمد بن اسماعیل۔ صحیح البخاری۔ کتاب الرقاق۔ حدیث نمبر 6452۔
https://hamariweb.com/islam/hadith/sahih-bukhari-6452/

[69] امام الترمذی۔ ابو عیسیٰ محمد۔ جامع الترمذی۔ کتاب الزھد۔ حدیث نمبر 2371۔
https://hamariweb.com/islam/hadith/jami-at-tirmidhi-2371

[70] امام مسلم۔ ابن حجاج قشیری۔ صحیح مسلم۔ کتاب نماز جنازہ۔ حدیث نمبر 2177۔
https://hamariweb.com/islam/hadith/sahih-muslim-2177

[71] سید ابو الاعلیٰ مودودی۔ خلافت و ملوکیت۔ ناشر ادارہ ترجمان القرآن۔ ایڈیشن، 29 اپریل 2022ء۔ باب سوم، خلافت راشدہ اور اسکی خصوصیات۔ موضوع، بیت المال کی امانت ہونے کا تصور۔ ص 89۔

[72] سید ابو الاعلیٰ مودودی۔ خلافت و ملوکیت۔ ناشر ادارہ ترجمان القرآن۔ ایڈیشن، 29 اپریل 2022ء۔ باب سوم، خلافت راشدہ اور اسکی خصوصیات۔ موضوع، حکومت کا تصور۔ ص 91۔

[73] Research and Development Cooperation (RAND). The Muslim World after 9/11. Islam and Politics in Pakistan. P 291. 2023.
https://www.rand.org/content/dam/rand/pubs/monographs/2004/RAND_MG246.pdf

[74] Research and Development Cooperation (RAND). Graham E. Fuller. Islamic Fundamentalism in Pakistan. Summary. Page, v. 1991.
https://www.rand.org/content/dam/rand/pubs/reports/2007/R3964.pdf

[75] Washington Report on Middle East Affairs. Journalist Yvonne Ridley Eyewitness Account of Afghanistan. Posted on 27 January 2010.

https://www.wrmea.org/2005-may-june/new-york-city-and-tri-state-news-journalist-yvonne-ridleys-eyewitness-account-of-afghanistan.html

[76] Iran crack down on protests on Mansha Amini's death Anniversary. 17 September 2023. https://www.aljazeera.com/news/2023/9/17/iran-detains-mahsa-aminis-father-cracks-down-on-protests-rights-groups

[77] امام البخاری۔ محمد بن اسماعیل۔ صحیح البخاری۔ کتاب التفسیر۔ حدیث نمبر 4971۔
https://hamariweb.com/islam/hadith/sahih-bukhari-4971/

[78] امام مسلم۔ ابن حجاج قشیری۔ صحیح مسلم۔ کتاب التوبہ۔ حدیث نمبر 6966۔
https://hamariweb.com/islam/hadith/sahih-muslim-6966/

[79] امام مسلم۔ ابن حجاج قشیری۔ صحیح مسلم۔ کتاب الجنۃ۔ حدیث نمبر 7145۔
https://hamariweb.com/islam/hadith/sahih-muslim-7145/

[80] امام البخاری۔ محمد بن اسماعیل۔ صحیح البخاری۔ کتاب الایمان۔ حدیث نمبر 50۔
https://hamariweb.com/islam/hadith/sahih-bukhari-50/

[81] امام ابوداؤد۔ سلیمان بن اشعث بن اسحاق ازدی سجستانی۔ سنن ابی داؤد۔ کتاب الاقضیہ۔ حدیث نمبر 3592۔
https://hamariweb.com/islam/hadith/sunan-abu-dawood-3592/

[82] امام ابوداؤد۔ سلیمان بن اشعث بن اسحاق ازدی سجستانی۔ سنن ابی داؤد۔ کتاب السنہ۔ حدیث نمبر 4647۔
https://hamariweb.com/islam/hadith/sunan-abu-dawood-4647/

[83] امام الترمذی۔ ابو عیسیٰ محمد۔ جامع الترمذی۔ کتاب العلم۔ حدیث نمبر 2676۔
https://hamariweb.com/islam/hadith/jami-at-tirmidhi-2676/

[84] خطیب تبریزی۔ محمد ابن عبداللہ۔ مشکاۃ المصابیح۔ کتاب المناقب۔ حدیث نمبر 6018۔
https://al-hadees.com/mishkat/6018

[85] امام ابوداؤد۔ سلیمان بن اشعث بن اسحاق ازدی سجستانی۔ سنن ابی داؤد۔ کتاب االسنۃ۔ حدیث نمبر 4662۔
https://hamariweb.com/islam/hadith/sunan-abu-dawood-4662/

[86] امام ترمذی۔ ابو عیسیٰ محمد۔ جامع الترمذی۔ کتاب المناقب۔ حدیث نمبر 3775۔
https://hamariweb.com/islam/hadith/jami-at-tirmidhi-3775/

[87] امام ترمذی۔ ابو عیسیٰ محمد۔ جامع الترمذی۔ کتاب المناقب۔ حدیث نمبر 3781۔
https://hamariweb.com/islam/hadith/jami-at-tirmidhi-3781/

[88] ابن ماجہ۔ امام ابو عبداللہ محمد بن یزید۔ سنن ابن ماجع۔ کتاب السنہ۔ حدیث نمبر 143۔
https://hamariweb.com/islam/hadith/sunan-ibn-majah-143/

[89] خطیب تبریزی۔ محمد ابن عبداللہ۔ مشکاۃ المصابیح۔ کتاب المناقب۔ حدیث نمبر 6180۔
https://al-hadees.com/mishkat/6180

[90] امام مسلم۔ ابن حجاج قشیری۔ صحیح مسلم۔ کتاب فضائل صحابہ۔ حدیث نمبر 6225۔

https://hamariweb.com/islam/hadith/sahih-muslim-6225/

91 روزنامہ 92 نیوز۔ محمد عامر خاکوانی۔ کابل کہانی: گلبدین حکمت یار۔ 23 ستمبر 2022۔
https://www.roznama92news.com/%DA%A9%D8%A7%D8%A8%D9%84%DA%A9%D9%86%DA%AF%D9%84%D8%A8%D8%AF%DB%8C%D9%86%D8%AD%DA%A9%D9%85%DB%8C%D8%A7%D8%B123092022

92 ایکسپریس نیوز۔ گلبدین حکمت یار کی افغان سیاست میں واپسی۔ 21 مئی 2017۔

https://www.express.pk/story/821975/

93 جنگ نیوز۔ اعزاز سید۔ حکومت نے طالبان کے خلاف اسلحہ دینے کی پیشکش کی، ہم نے انکار کر دیا، گلبدین حکمت یار۔ 15 جولائی 2021۔

https://jang.com.pk/news/957087

94 جنگ نیوز۔ اعزاز سید، نمائندہ جیو نیوز۔ طالبان کا ترجمان نہیں، بھائی ہوں: گلبدین حکمت یار۔
https://jang.com.pk/news/977079

95 سید ابو الاعلیٰ مودودی۔ خلافت و ملوکیت۔ ناشر ادارہ ترجمان القرآن۔ ایڈیشن، 29 اپریل 2022ء۔ باب پنجم، خلافت و ملوکیت میں فرق۔ موضوع، یزید کے دور میں۔ ص 180۔

96 Mahajjah Institute. The Battle of Karbala. Ibn Hajjar Asqalani's Research.
https://mahajjah.com/chapter-five-continued-the-battle-of-karbala/#_ftn28

97 واقعہ کربلا حضرت ابو جعفر امام محمد باقرؒ کی زبانی۔ شائع کنندہ، Hamariweb

https://hamariweb.com/articles/39808

98 سید ابو الاعلیٰ مودودی۔ خلافت و ملوکیت۔ ناشر ادارہ ترجمان القرآن۔ ایڈیشن، 29 اپریل 2022ء۔ باب چہارم، خلافت راشدہ سے ملوکیت تک۔ موضوع، آخری مرحلہ۔ ص 150 اور 151۔

99 کوثر نیازی۔ ذکر حسین۔ مطبوعہ فیروز سنز لمیٹڈ لاہور۔ ایڈیشن جنوری 1974ء۔ ص 82۔
http://s745899874.online-home.ca/KB/Zikir-e-Hussain%20U-20073/WQB.pdf

100 مفتی رفیع عثمانی۔ لال مسجد انتظامیہ اور حکومت کے درمیان مذاکرات کیوں ناکام ہوئے؟ ضبط و ترتیب، مولوی عبد التواب صاحب۔ ناشر مکتبہ دارالعلوم کراچی۔ طبع جدید رجب المرجب 1428 ہجری۔ ص 10، 11 اور 12۔

https://www.slideshare.net/belialh/why-did-the-negotiations-fail-between-lal-masjid-and-the-government-by-mufti-rafi-usmani

101 مفتی رفیع عثمانی۔ لال مسجد انتظامیہ اور حکومت کے درمیان مذاکرات کیوں ناکام ہوئے؟ ضبط و ترتیب، مولوی عبد التواب صاحب۔ ناشر مکتبہ دارالعلوم کراچی۔ طبع جدید رجب المرجب 1428 ہجری۔ ص 18، 19 اور 20۔

[102] Dr. Israr Ahmad. Lal Masjid Waqiay ke Asal haqeeqat. Video Lecture. Youtube Channel, Touheed Khalis Bnain. Uploaded 1 April 2023.
https://www.youtube.com/watch?app=desktop&v=c30HnGTsgt0

[103] سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ خلافت و ملوکیت۔ ناشر ادارہ ترجمان القرآن۔ ایڈیشن، 29 اپریل 2022ء۔ باب چہارم، خلافت راشدہ سے ملوکیت تک۔ موضوع، دوسرا مرحلہ۔ ص 120۔

[104] امام احمد بن حنبل۔ مسند احمد۔ خلافت، بیعت، اطاعت اور امارت کا بیان۔ حدیث نمبر 1391۔
https://islamicurdubooks.com/hadith/ad.php?bsc_id=15621&bookid=24

[105] سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ خلافت و ملوکیت۔ ناشر ادارہ ترجمان القرآن۔ ایڈیشن، 29 اپریل 2022ء۔ باب چہارم، خلافت راشدہ سے ملوکیت تک۔ موضوع، آخری مرحلہ۔ ص 151 اور 152۔

[106] سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ خلافت و ملوکیت۔ ناشر ادارہ ترجمان القرآن۔ ایڈیشن، 29 اپریل 2022ء۔ باب چہارم، خلافت راشدہ سے ملوکیت تک۔ موضوع، آخری مرحلہ۔ ص 150 اور 151۔

[107] ڈاکٹر اسرار احمد۔ منہج انقلاب نبوی ﷺ۔ تنظیم اسلامی۔ موضوع، مسلح بغاوت کی شرعی حیثیت۔ ص 154۔
https://tanzeem.org/books/bu-06-02-manhaj-e-inqlab-e-nabwi-sallallah-o-alihe-wassallam/

[108] امام ابوداؤد۔ سلیمان بن اشعث بن اسحاق ازدی سجستانی۔ سنن ابی داؤد۔ کتاب الجہاد۔ حدیث نمبر 2608۔
https://hamariweb.com/islam/hadith/sunan-abu-dawood-2608/

[109] ابن ماجہ۔ امام ابوعبداللہ محمد بن یزید۔ سنن ابن ماجہ۔ کتاب الفتن۔ حدیث نمبر 4016۔
https://hamariweb.com/islam/hadith/sunan-ibn-majah-4016/

[110] امام مسلم۔ ابن حجاج قشیری۔ صحیح مسلم۔ کتاب الامارہ۔ حدیث نمبر 4804۔
https://hamariweb.com/islam/hadith/sahih-muslim-4804/

[111] امام احمد بن حنبل۔ مسند احمد۔ حدیث نمبر 17170۔
https://islamicurdubooks.com/hadith/hadith-.php?hadith_number=17170&bookid=24&tarqeem=1

[112] ڈاکٹر اسرار احمد۔ اسلامی نظم میں بیعت کی اہمیت۔ تنظیم اسلامی پاکستان۔ ص 10 اور 11۔
https://tanzeemdigitallibrary.com/Book/Islami_Nazm-e-Jamat_Mein_Bait_Ki_Ahmiat/12/40/152/25568

[113] امام ابوداؤد۔ سلیمان بن اشعث بن اسحاق ازدی سجستانی۔ سنن ابی داؤد۔ کتاب الاقضیہ۔ حدیث نمبر 3592۔
https://hamariweb.com/islam/hadith/sunan-abu-dawood-3592/

[114] امام البخاری۔ محمد بن اسماعیل۔ صحیح البخاری۔ کتاب الاحکام۔ حدیث نمبر 7199 اور 7200۔
https://sunnah.com/bukhari:7199

115 ڈاکٹر اسرار احمد۔رسولِ انقلاب ﷺ کا طریقِ انقلاب۔ مکتبہ خدام القرآن لاہور۔ موضوع، رسولِ انقلاب ﷺ کا انقلابی نظریہ وراس کے تقاضے۔ ص29۔
https://tanzeem.org/book_categories/islami-inqlab/

116 ڈاکٹر اسرار احمد۔رسولِ انقلاب ﷺ کا طریقِ انقلاب۔ مکتبہ خدام القرآن لاہور۔ موضوع، رسولِ انقلاب ﷺ کا انقلابی نظریہ وراس کے تقاضے۔ ص29۔
https://tanzeem.org/book_categories/islami-inqlab/

117 بی بی سی۔ دنیا کے 14 امیر ترین افراد کون ہیں؟ 3 اپریل 2024۔
https://www.bbc.com/urdu/articles/cjrjjzvgyjgo

118 TRT اردو۔ دنیا میں 1.1 ارب غربت کا شکار۔ اکتوبر 2023۔
https://www.trt.net.tr/urdu/qtsdyt/2023/10/16/dny-myn-1-1-rb-frd-grbt-kh-shkhr-2051424

119 ڈاکٹر اسرار احمد۔رسولِ انقلاب ﷺ کا طریقِ انقلاب۔ مکتبہ خدام القرآن لاہور۔ موضوع، رسولِ انقلاب ﷺ کا انقلابی نظریہ وراس کے تقاضے۔ ص31۔
https://tanzeem.org/book_categories/islami-inqlab/

120 World Justice Project. Pakistan ranked 130th across 142 countries, 2023.
https://worldjusticeproject.org/rule-of-law-index/country/Pakistan

121 امام البخاری۔ محمد بن اسماعیل۔ صحیح البخاری۔ کتاب الحدود۔ حدیث نمبر 6788۔
https://hamariweb.com/islam/hadith/sahih-bukhari-6788/

122 ڈاکٹر اسرار احمد۔ پاکستان میں نظام خلافت۔ مکتبہ خدام القرآن لاہور۔ ایڈیشن، اگست 2023۔ موضوع، نظام خلافت اور اس کے خدوخال۔ ص72۔

123 ڈاکٹر اسرار احمد۔ پاکستان میں نظام خلافت۔ مکتبہ خدام القرآن لاہور۔ ایڈیشن، اگست 2023۔ موضوع، نظام خلافت اور اس کے خدوخال۔ ص76۔

124 ڈاکٹر اسرار احمد۔ پاکستان میں نظام خلافت۔ مکتبہ خدام القرآن لاہور۔ ایڈیشن، اگست 2023۔ موضوع، نظام خلافت اور اس کے خدوخال۔ ص75۔

125 علامہ جلال الدین سیوطی۔ تفسیر دُرِ منصور۔ سورۃ البقرۃ۔ آیت 278۔
http://equranlibrary.com/tafseer/duremansoor/2/278

126 24 News. Tips of Allama Khadim Hussain Rizvi for Asad Omer. 28 Oct 2018
https://www.youtube.com/watch?v=PdP-ZjRYRlc

127 United Nations Office on Drugs and Crimes. Report of drugs usein Pakistan.

---

https://www.unodc.org/pakistan/en/report-on-drug-use-in-pakistan-2013-reveals-high-levels-of-drug-use-and-dependency.html

128 ڈاکٹر اسرار احمد۔ پاکستان میں نظام خلافت۔ مکتبہ خدام القرآن لاہور۔ ایڈیشن، اگست 2023۔ موضوع، نظام خلافت اور اس کے خدوخال۔ ص 80۔

129 ڈان نیوز۔ فرانسیسی سفیر کو ملک بدر کرنے کا معاملہ، قومی اسمبلی میں قرارداد پیش۔ 20 اپریل 2021ء۔

https://www.dawnnews.tv/news/1158353

130 Dawn News. How the Islamabad Protests happened? 25 November 2017.
https://www.dawn.com/news/1372800

131 MessageTV. Behavior of Chief Qazi Faiz Isa during the hearing of Qadiani case. 25 February 2024.
https://www.youtube.com/watch?v=bfYvz0Udq5k

132 حضرت عبداللہ بن عباس۔ تفسیر ابن عباس۔ اردو مترجم، محمد سعید احمد عاطف۔ سورۃ البقرۃ۔ آیت 251۔
http://equranlibrary.com/tafseer/ibneabbas/2/251

133 مولانا عبدالماجد دریابادی۔ تفسیر ماجدی۔ سورۃ البقرۃ۔ آیت 251۔
http://equranlibrary.com/tafseer/majidi/2/251

134 ڈاکٹر اسرار احمد۔ پاکستان میں نظام خلافت۔ مکتبہ خدام القرآن لاہور۔ ایڈیشن، اگست 2023۔ موضوع، نظام خلافت اور اس کے خدوخال۔ ص 71۔

135 ڈاکٹر اسرار احمد۔ منہج انقلاب نبوی ﷺ۔ مرتبہ، شیخ جمیل الرحمٰن۔ تنظیم اسلامی۔ ص 151۔
https://tanzeem.org/books/bu-06-02-manhaj-e-inqlab-e-nabwi-sallallah-o-alihe-wassallam/

136 PEW Research Center. The divide over Islam and National laws in the Muslim World. 27 April 2016.
https://www.pewresearch.org/global/2016/04/27/the-divide-over-islam-and-national-laws-in-the-muslim-world/

137 نم آنکھوں اور بوجھل دل کے ساتھ حسن نثار نے بڑی بات کہہ ڈالی، ایک خصوصی ویڈیو۔

Hassan Nisar Youtube Channel. Posted on 22 November 2020.
https://www.youtube.com/watch?v=qQRHRJb8aG4

138 MessageTV. Behavior of Chief Qazi Faiz Isa during the hearing of Qadiani case. 25 February 2024.
https://www.youtube.com/watch?v=bfYvz0Udq5k

139 World Justice Project. Pakistan ranked 130th across 142 countries, 2023.
https://worldjusticeproject.org/rule-of-law-index/country/Pakistan

140 امام البخاری۔ محمد بن اسماعیل۔ صحیح البخاری۔ کتاب المظالم۔ حدیث نمبر 2444۔

---

https://hamariweb.com/islam/hadith/sahih-bukhari-2444/

141 سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ خلافت و ملوکیت ۔ناشر ادارہ ترجمان القرآن ۔ ایڈیشن، 29 اپریل 2022ء۔باب سوم، خلافت راشدہ اور اس کی خصوصیات۔ موضوع، قانون کی بالاتری۔ ص96۔

142 امام ابو نعیم الاصفھانی۔حلیۃ الآولیاء
https://www.abuaminaelias.com/dailyhadithonline/2014/10/08/umar-ask-sheep-euphrates/

143 سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ خلافت و ملوکیت ۔ناشر ادارہ ترجمان القرآن ۔ ایڈیشن، 29 اپریل 2022ء۔باب سوم، خلافت راشدہ اور اسکی خصوصیات۔ موضوع، بیت المال کی امانت ہونے کا تصور۔ ص 89۔

144 ڈاکٹر اسرار احمد۔ پاکستان میں نظام خلافت۔ مکتبہ خدام القرآن لاہور۔ ایڈیشن، اگست 2023۔ موضوع، نظام خلافت اور اس کے خدوخال۔ ص 71۔

145 ڈاکٹر اسرار احمد۔ پاکستان میں نظام خلافت۔ مکتبہ خدام القرآن لاہور۔ ایڈیشن، اگست 2023۔ موضوع، نظام خلافت اور اس کے خدوخال۔ ص 72۔

146 The Economic Times. Economy. Corruption Definition.
https://economictimes.indiatimes.com/definition/corruption

147 Transparency International. Corruption Perceptions Index. 2023.
https://www.transparency.org/en/cpi/2023/index/pak

148 امام البخاری۔ محمد بن اسماعیل۔ صحیح البخاری۔ کتاب التفسیر۔ حدیث نمبر 4620۔
https://hamariweb.com/islam/hadith/sahih-bukhari-7197/

149 بی بی سی اردو۔ غربت کے شکار افغانستان میں طالبان دنیا میں بہترین کارکردگی دکھانے والی کرنسی کو کیسے کنٹرول کرتے ہیں؟ 2 اکتوبر 2023۔ https://www.bbc.com/urdu/articles/clm0x7pxg0do

150 امام ترمذی۔ ابو عیسیٰ محمد۔ جامع الترمذی۔ کتاب الاحکام عن رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ حدیث نمبر 1206۔
https://hamariweb.com/islam/hadith/jami-at-tirmidhi-1206/

151 ابن ماجہ۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید۔ سنن ابن ماجہ۔ کتاب التجارات۔ حدیث نمبر 2273۔
https://hamariweb.com/islam/hadith/sunan-ibn-majah-2273/

152 Mishkat ul Masabih. Business Transcations. Hadith no 2825.
https://sunnah.com/mishkat:2825

153 امام ترمذی۔ ابو عیسیٰ محمد۔ جامع الترمذی۔ کتاب البیوع۔ حدیث نمبر 2274۔
https://hamariweb.com/islam/hadith/sunan-ibn-majah-2274

154 روزنامہ دنیا۔ محمد عبد اللہ حمید گل۔ پاکستانی معیشت عالمی سودی نظام کے شکنجے میں۔ 10 مئی 2021۔
https://dunya.com.pk/index.php/author/muhammad-abdullah-hameed-gull/2021-05-10/35232/66180422

155 Deutsche Welle (DW). 28 May 2023 اسلام آباد میں بڑھتی ہوئی ڈکیتی سے شہری پریشان۔

156 امام مسلم۔ ابن حجاج قشیری۔ صحیح مسلم۔ کتاب المساقاۃ۔ حدیث نمبر 4132۔
https://hamariweb.com/islam/hadith/sahih-muslim-4132/

157 امام مسلم۔ ابن حجاج قشیری۔ صحیح مسلم۔ کتاب الحدود۔ حدیث نمبر 4408۔
https://hamariweb.com/islam/hadith/sahih-muslim-4408/

158 امام البخاری۔ محمد بن اسماعیل۔ صحیح البخاری۔ کتاب الشھادۃ۔ حدیث نمبر 2648۔
https://hamariweb.com/islam/hadith/sahih-bukhari-2648/

159 Independent اردو۔ سجاد اظہر۔ پاکستان میں سیلابوں کی تاریخ: حالیہ سیلاب کتنا مختلف ہے؟ 2 ستمبر 2022ء
https://www.independenturdu.com/node/113341

160 اقوام متحدہ۔ یو این خبر نامہ۔ پاکستان میں سیلاب سے چھ ماہ، مصائب اور انسانی امداد کی داستان۔
https://news.un.org/ur/gallery/2322

161 ڈاکٹر طاہر القادری۔ اسلام اور جدید سائنس۔ منہاج القرآن پبلی کیشنز۔ اشاعت اول، مئی 2001۔ باب سوم، قرونِ وسطیٰ میں سائنسی علوم کا فروغ۔ ص 81 سے 85۔
https://www.minhajbooks.com/english/book/210/Islam-and-modern-science/

162 امام ترمذی۔ ابو عیسیٰ محمد۔ جامع الترمذی۔ کتاب الصلاۃ۔ حدیث نمبر 357۔
https://hamariweb.com/islam/hadith/jami-at-tirmidhi-357/

163 سید قطب۔ تفسیر فی ظلال القرآن۔ سورۃ النور۔ آیت 4۔

http://equranlibrary.com/tafseer/fizilalalquran/24/4

164 بی بی سی اردو۔ غربت کے شکار افغانستان میں طالبان دنیا میں بہترین کارکردگی دکھانے والی کرنسی کو کیسے کنٹرول کرتے ہیں؟ 2 اکتوبر 2023۔ https://www.bbc.com/urdu/articles/clm0x7pxg0do

165 ڈاکٹر اسرار احمد۔ پاکستان میں نظام خلافت۔ مکتبہ خدام القرآن لاہور۔ ایڈیشن، اگست 2023۔ موضوع، نظام خلافت اور اس کے خدوخال۔ ص 78۔

166 مولانا صلاح الدین یوسف۔ تفسیر احسن البیان۔۔ سورۃ التوبہ۔ آیت 103۔
http://equranlibrary.com/tafseer/ahsanulbayan/9/103

167 National Library of Medicine. The rise in HIV cases in Pakistan: Prospective implications and approaches. 24 August 2022. https://www.ncbi.nlm.nih.gov/pmc/articles/PMC9464852/

168 75% of Pakistan's polulation suffers depression: health experts. 22 December 2022. https://www.dawn.com/news/1727583

169 ڈان اخبار۔ کراچی میں شراب خانوں کی تعداد کتنی۔ 23 دسمبر 2015۔

https://www.dawnnews.tv/news/1031015

170 ڈان نیوز۔ سندھ: تمام شراب خانے ایک ماہ کے لیے بند کرنے کا حکم۔ 02مارچ 2017۔
https://www.dawnnews.tv/news/1053237

171 ابن ماجہ۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید۔ سنن ابن ماجہ۔ کتاب الاشربہ۔ حدیث نمبر 3380۔
https://hamariweb.com/islam/hadith/sunan-ibn-majah-3380/

172 امام البخاری۔ محمد بن اسماعیل۔ صحیح البخاری۔ کتاب التفسیر۔ حدیث نمبر 4620۔
https://hamariweb.com/islam/hadith/sahih-bukhari-4620/

173 امام ابو داؤد۔ سلیمان بن اشعث بن اسحاق ازدی سجستانی۔ سنن ابی داؤد۔ کتاب الاشربہ۔ حدیث نمبر 3675۔
https://hamariweb.com/islam/hadith/sunan-abu-dawood-3675/

174 World Health Organization. Alcohol. Overview.
https://www.who.int/health-topics/alcohol#tab=tab_1

175 Gateway Foundation. Effects of drug Addiction.
https://www.gatewayfoundation.org/about-gateway-foundation/faqs/effects-of-drug-abuse/

176 امام ترمذی۔ ابو عیسیٰ محمد۔ جامع الترمذی۔ کتاب الاحکام عن رسول اللہ ﷺ۔ حدیث نمبر 1337۔
https://hamariweb.com/islam/hadith/jami-at-tirmidhi-1337/

177 امام ترمذی۔ ابو عیسیٰ محمد۔ جامع الترمذی۔ کتاب الاحکام عن رسول اللہ ﷺ۔ حدیث نمبر 1336۔
https://hamariweb.com/islam/hadith/jami-at-tirmidhi-1336/

178 امام نسائی۔ ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب۔ سنن نسائی۔ کتاب الاشربہ۔ حدیث نمبر 5668۔
https://hamariweb.com/islam/hadith/sunan-an-nasai-5668/

179 امام البخاری۔ محمد بن اسماعیل۔ صحیح البخاری۔ کتاب التفسیر۔ حدیث نمبر 4620۔
https://hamariweb.com/islam/hadith/sahih-bukhari-7197/

180 امام البخاری۔ محمد بن اسماعیل۔ صحیح البخاری۔ کتاب الحدود۔ حدیث نمبر 6788۔
https://hamariweb.com/islam/hadith/sahih-bukhari-6788/

181 World Health Organization. Suicide worldwide in 2019: global health estimates. 16 June 2021.
https://www.who.int/publications/i/item/9789240026643

182 Scinece Direct. Demography and risk factors of suicide deaths in Pakistan. February 2023.
https://www.sciencedirect.com/science/article/abs/pii/S1876201822003628?via%3Dihub

183 ابن ماجہ۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید۔ سنن ابن ماجہ۔ کتاب الفتن۔ حدیث نمبر 3932۔
https://hamariweb.com/islam/hadith/sunan-ibn-majah-3932/

184 امام البخاری۔ محمد بن اسماعیل۔ صحیح البخاری۔ کتاب المرضی۔ حدیث نمبر 5648۔
https://hamariweb.com/islam/hadith/sahih-bukhari-5648/

185 امام البخاری۔ محمد بن اسماعیل۔ صحیح البخاری۔ کتاب الجنائز۔ حدیث نمبر 1365۔
https://hamariweb.com/islam/hadith/sahih-bukhari-1365/

186 امام البخاری۔ محمد بن اسماعیل۔ صحیح البخاری۔ کتاب الجنائز۔ حدیث نمبر 1364۔
https://hamariweb.com/islam/hadith/sahih-bukhari-1364/

187 Gallup News. In more Religious countries, lower suicide rates. 2 July 2008.
https://news.gallup.com/poll/108625/more-religious-countries-lower-suicide-rates.aspx

188 Pakistan Today. Shahab Omer. Pakistan's counterfeit medicine problem. 12 September 2021.
https://profit.pakistantoday.com.pk/2021/09/12/pakistans-counterfeit-medicine-problem/

189 Pakistan Journal of Health Sciences. Adulteration: Supply of Raw milkand prevalence of Adultered/ prepared milk. 2023.
https://thejas.com.pk/index.php/pjhs/article/view/1176

190 مشرق (Mashriq TV)۔ مضر صحت گھی تیاری پر 21 ملزبند، مارکیٹ سے سامان اٹھانے کی ہدایت۔ 30 جنوری 2024۔
https://mashriqtv.pk/latest/320679/

191 سید قطب۔ تفسیر فی ظلال القرآن۔ سورۃ النساء۔ آیت 29۔
http://equranlibrary.com/tafseer/fizilalalquran/4/29

192 ایکسپریس نیوز (Express)۔ کراچی میں ذخیرہ اندوزوں کے خلاف بڑی کارروائی، ڈیڑھ ارب کی غذائی اجناس برآمد۔ 20 ستمبر 2023۔ https://www.express.pk/story/2540523/1/

193 The Express Tribune. 19 hoarders arrested in Lodhran. 29 April 2023.
https://tribune.com.pk/story/2414124/19-hoarders-arrested-in-lodhran

194 The Express Tribune. 56 hoarders, profiteers arrested. 6 Sep 2022.
https://tribune.com.pk/story/2375078/56-hoarders-profiteers-arrested

195 امام مسلم۔ ابن حجاج قشیری۔ صحیح مسلم۔ کتاب المساقاۃ۔ حدیث نمبر 4123۔
https://hamariweb.com/islam/hadith/sahih-muslim-4123/

196 ابن ماجہ۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید۔ سنن ابن ماجہ۔ کتاب التجارات۔ حدیث نمبر 2155۔
https://hamariweb.com/islam/hadith/sunan-ibn-majah-2155/

197 سید قطب۔ تفسیر فی ظلال القرآن۔ سورۃ النساء۔ آیت 29۔
http://equranlibrary.com/tafseer/fizilalalquran/4/29

198 امام ابوداؤد۔ سلیمان بن اشعث بن اسحاق ازدی سجستانی۔ سنن ابی داؤد۔ کتاب الآداب۔ حدیث نمبر 4880۔
https://hamariweb.com/islam/hadith/sunan-abu-dawood-4880/

199 سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ تفسیر تفہیم القرآن۔ سورۃ الحجرات (49)۔ آیت نمبر 12۔

http://equranlibrary.com/tafseer/tafheemulquran/49/12

[200] امام ابوداؤد۔ سلیمان بن اشعث بن اسحاق ازدی سجستانی۔ سنن ابی داؤد۔ کتاب الآداب۔ حدیث نمبر 4880۔
https://hamariweb.com/islam/hadith/sunan-abu-dawood-4888/

[201] سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ تفسیر تفہیم القرآن۔ سورۃ الحجرات (49)۔ آیت نمبر 12۔
http://equranlibrary.com/tafseer/tafheemulquran/49/12

[202] EnterpriseAppsToday. Barry Elad. 2023 Divorce Statitics and Facts from around the World. 28 November 2023.
https://www.enterpriseappstoday.com/stats/divorce-statistics.html

[203] Express Tribune. Muhammad Ilyas. Lahore seeks uptick in divorce cases. 31 August 2022.
https://tribune.com.pk/story/2374037/lahore-sees-uptick-in-divorce-cases

[204] Dawn News. Naeem Sahoutara. Cases of women seeking khula jumped by over 700pc in 2020. 5 January 2021.
https://www.dawn.com/news/1599786

[205] Gilani Research Foundation. Views on Divorce rate in Pakistan: Gilani Poll/ Gallup. 2 June 2010.
https://gallup.com.pk/bb_old_site/Polls/2-6-10.pdf

[206] امام البخاری۔ محمد بن اسماعیل۔ صحیح البخاری۔ کتاب البر والصلۃ والآداب۔ حدیث نمبر 6646۔
https://hamariweb.com/islam/hadith/sahih-muslim-6646/

[207] امام البخاری۔ محمد بن اسماعیل۔ الادب المفرد۔ کتاب االانبساط الی الناس۔ حدیث نمبر 245۔
https://sunnah.com/adab:245

[208] امام ابوداؤد۔ سلیمان بن اشعث بن اسحاق ازدی سجستانی۔ سنن ابی داؤد۔ کتاب الخراج والامارۃ۔ حدیث نمبر 2928۔
https://hamariweb.com/islam/hadith/sunan-abu-dawood-2928/

[209] National Children's Alliance. National Statistics on child abuse. 2021
https://www.nationalchildrensalliance.org/media-room/national-statistics-on-child-abuse/

[210] National society for the prevention of cruelty to children (NSPCC). 106 % increase in child cruelty and neglect offencesin England in the past 5 years. 07 December 2023.
https://www.nspcc.org.uk/about-us/news-opinion/2023/2023-12-07-106-increase-in-child-cruelty-and-neglect-offences-in-england-in-the-past-5-years/

[211] Dawn News. 12 children suffered sexual abuse everyday in Pakistan. 24 August 2023. https://www.dawn.com/news/1771902

[212] امام الترمذی۔ ابوعیسیٰ محمد۔ جامع الترمذی۔ کتاب البر والصلہ عن رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ حدیث نمبر 1919۔

---

https://hamariweb.com/islam/hadith/jami-at-tirmidhi-1919/

213 ابن ماجہ۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید۔ سنن ابن ماجہ۔ کتاب الآداب۔ حدیث نمبر 3671۔

https://hamariweb.com/islam/hadith/sunan-ibn-majah-3671/

214 امام ترمذی۔ ابو عیسیٰ محمد۔ جامع الترمذی۔ کتاب البر والصلہ عن رسول اللہ ﷺ ۔ حدیث نمبر 1919۔

https://hamariweb.com/islam/hadith/jami-at-tirmidhi-2015/

215 امام ابو داؤد۔ سلیمان بن اشعث بن اسحاق ازدی سجستانی۔ سنن ابی داؤد۔ کتاب الآداب۔ حدیث نمبر 4969۔

https://hamariweb.com/islam/hadith/sunan-abu-dawood-4969/

216 امام مسلم۔ ابن حجاج قشیری۔ صحیح مسلم۔ کتاب الامارہ۔ حدیث نمبر 4804۔

https://hamariweb.com/islam/hadith/sahih-muslim-7469/

217 مشکاۃ المصابیح۔ کتاب الآداب۔ حدیث نمبر 4998۔

https://www.islamicurdubooks.com/hadith/hadith-.php?hadith_number=4998&bookid=23&tarqeem=1

218 امام مسلم۔ ابن حجاج قشیری۔ صحیح مسلم۔ کتاب البر والصلۃ والاداب۔ حدیث نمبر 6578۔

https://hamariweb.com/islam/hadith/sahih-muslim-6578/

219 امام ترمذی۔ ابو عیسیٰ محمد۔ جامع الترمذی۔ کتاب البر والصلۃ والاداب۔ حدیث نمبر 1933۔

https://hamariweb.com/islam/hadith/jami-at-tirmidhi-1933/

220 امام البخاری۔ محمد بن اسماعیل۔ صحیح البخاری۔ کتاب الصوم۔ حدیث نمبر 1968۔

https://hamariweb.com/islam/hadith/sahih-bukhari-1968/

221 مشکاۃ المصابیح۔ جہاد کا بیان۔ حدیث نمبر 4047۔

https://al-hadees.com/mishkat/4047